بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقرأ باسم ربک الذی خلق (۱)

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ہشتم

سورۂ نجم تا سورۃ الناس

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ النجم

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا ایک ستارے کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ النجم ہے۔

تعارف: اس میں ۳ رکوع، ۶۲ آیتیں، ۳۶۰ کلمات اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے اور معراج کے بعد مکہ میں نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے یہی سورت النجم نازل ہوئی جس میں سجدہ تلاوت تھا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا اور آپ کے ساتھ (وہاں موجود) تمام لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے۔ میں نے دیکھا کہ اس شخص نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے بعد وہ کفر کی حالت ہی میں مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ابولہب تھا جس نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔

(روح المعانی ۴۴/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۴۴۔ ۳۶/ ۲۷)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات اور معراج کے احوال کا ذکر اور ان بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے جن کو مشرکین مکہ پوجا کرتے تھے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اثبات نبوت و رسالت اور وحی کا شک و شبہ سے بالاتر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں مشرکین کے باطل عقائد مذکور ہیں۔

رکوع ۲: مشرکین کی کج فہمی اور ان کی خودستائی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو تم اس پر الزام لگاتے ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ دین کے بارے میں آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ وحی کی قسموں میں سے ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اس کا نام قرآن ہے اس کو وحی متلو کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔ اس کا نام حدیث ہے اور اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

(عثمانی ۶۱۲، ۲/۶۱۳، معارف القرآن مفتی محمد شفیع: ج ۸، ص ۱۹۳۔۱۹۴)

شب معراج میں رویت ذات باری تعالیٰ

۵۔۱۸۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۞ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۞ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۞ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۞ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۞ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۞ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۞ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۞ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۞ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۞ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۞ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۞ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۞

آپ کو سخت قوت والے نے تعلیم دی، نہایت قوی نے پھر وہ (اللہ) متوجہ ہوا اور وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ پھر وہ آپ کے قریب ہوا۔ پھر اور قریب سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی فرمانا تھی فرمائی۔ جو کچھ دیکھا اس کو (رسول کے) دل نے جھوٹ نہیں جانا۔ کیا تم آپ سے اس پر جھگڑتے ہو جو آپ نے دیکھا اور آپ نے تو اس کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا تھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے نزدیک جنت الماوٰی

کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے۔ اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے۔

(معارف القرآن ۸/۲۰۲)

روح المعانی میں حضرت حسن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اسی طرح اوحی الی عبدہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے نیز علمہ شدید القوی اور بالافق الاعلیٰ سے بھی اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت انس سے منقول ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی بلند ہوئے، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں حتی کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اور جبار (اللہ رب العزت) کے قریب ہوئے یہاں تک کہ دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی فرمائی جس میں پچاس نمازوں کی فرضیت بھی شامل ہے۔

(روح المعانی ۲۷/۵۲)

صوفیائے کرام بھی فرماتے ہیں ثم دنی فتدلیٰ سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور اس قریب ہونے کی کیفیت کا علم نہیں۔ یہ اس صورت میں تھا جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

(روح المعانی ۲۷/۵۳)

فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جو وحی جبرئیل کو کی جبرئیل نے وہی وحی اللہ کے بندے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچا دی۔ یہ تفسیر قواعد نحو کے بھی خلاف ہے اور عقل و روایت کے بھی اس لئے کہ:

ا۔ یوحی: یعنی سارا قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ نہیں ہے۔ یوحی کی ضمیر ذوالحال ہے اور اس کے بعد سارے جملے حال ہیں۔ شدید القوی اور فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ اور ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی یہ جملے حال ہیں اور عربی نحو کا ضروری قاعدہ ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے لہٰذا ان تمام جملوں کا وقوع مضمون وحی قرآن کے وقت ضرور ہونا چاہئے یعنی قرآن مجید کی ہر آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت جبرئیل کا استواء اور افق اعلیٰ میں موجود ہونا اور قریب آنا اور اتنا قریب آجانا جتنا دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے لازماً ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی آیت کے نزول کے وقت یہ حالات نہ ہوں تو حال و ذوالحال کے زمانے کی تفریق لازم آئے گی یا کچھ آیات کا نزول بغیر وحی کے

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت باری تعالیٰ ہوئی اس وقت سدرۃ کو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات نے ڈھانپ رکھا تھا اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ سنہری پروانے تھے۔ اس وقت اس کی خوبصورتی، بہار اور حسن و جمال ایسا تھا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی پوری کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نہ ادھر ادھر بھٹکی اور نہ حد سے بڑھی بلکہ جو کچھ آپ نے دیکھا وہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں یعنی عجائب ملکوت جن کی سیر آپ نے شب معراج میں آمد و رفت کے دوران کی تھی مثلاً براق، آسمان، انبیاء، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ۔ ان سب کا شمار عجائب ملکوت میں ہوتا ہے۔

حضرت انس، حسن اور عکرمہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے دیکھا۔ بغوی نے عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلت کے لئے چن لیا (اور خلیل اللہ فرمایا) اور حضرت موسیٰ کو کلام کے لئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی) رویت کے لئے۔ ترمذی نے شعبی کی روایت سے بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا۔ اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دو بار کلام کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دیکھا۔ (مظہری ۱۰۳، ۱۰۵/۱۱، ۹، حقانی ۱۵، ۱۶/۷، ابن کثیر ۲۵۳/۴)

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لا تدرکہ الابصار جو فرمایا گیا ہے اس سے مراد احاطہ کی نفی ہے یعنی نگاہیں (اس دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اسی لئے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ (ترمذی) افسوس ہے تجھ پر! (یہ تو اس وقت ہے) جب وہ اس نور سے تجلی فرمائے جو اس کا (ذاتی) نور ہے یعنی تجلی ذاتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو آخرت میں جو رویت نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ البتہ ابن عباس کی روایت کے موافق شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص درجہ کی رویت حاصل ہوئی۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔ (عثمانی ۶۹۱/۲)

حضرت امام مالک نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی

نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رؤیت میں کوئی مانع نہ رہے گا۔ تقریباً یہی مضمون قاضی عیاض سے بھی منقول ہے، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا (فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۳) اس سے قرآن کا امکان بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت مخصوص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں مگر یقین یہ عالم دنیا سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ کو آسمانوں اور جنت اور دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا ہو اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس ضابطے سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ عالم دنیا میں نہیں ہیں۔ (معارف القرآن ۸/۲۰۵)

حضرت ابن مسعود کی روایت میں رآہ مرتین آیا ہے۔ بعض روایات کے الفاظ سے اس کی مراد یہ لی جاتی ہے کہ مرۃ بقلبہ و مرۃ رآہ بعینہ یعنی ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا گیا یعنی آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔ یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رؤیت تو شب معراج کی ہو اور دوسری مرتبہ کی رؤیت وہ ہو جو ایک رات آپ کو عالم منام میں ہوئی اور جس کا ذکر حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ہے۔ حدیث اختصام ملاء اعلیٰ یہ ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ایک بہترین صورت میں میرے سامنے تجلی ہوا حالت نوم میں، اور فرمایا: اے محمد! جانتے ہو ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو رب العزت نے اپنا دست بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک ([illegible]) میں اپنے سینے کے درمیان محسوس کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر جب سوال کیا تو میں نے جواب دیا: فی الکفارات والدرجات الخ (یعنی کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں)۔ (مواہب الرحمن ۲۷/۱۵،۳۲، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷/۵۱۹)

مشرکین کے باطل عقائد

۱۹ تا ۲۵۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ

سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

کیا تم نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لئے لڑکے اور اس کے لئے لڑکیاں؟ یہ تو بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ صرف گمان اور نفسانی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے سو آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اللّٰت: ایک بت کا نام ہے جسے اہل عرب پوجتے اور اس کے گرد گھومتے تھے۔

العزّٰی: ایک بت کا نام۔

مَنٰوۃ: قبیلہ خزاعہ کے ایک بت کا نام۔

ضِیزٰی: بہت بھدی، بہت بے ڈھنگی، بہت ناقص۔ ضیزٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: عرب میں تین بت لات، عزّیٰ اور مناۃ زیادہ پوجے جاتے تھے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت ان کے مسکن ہیں۔ ان تین بتوں کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے بت تھے جن کو عرب کے لوگ پوجتے تھے اور ان کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ چونکہ تین کی شہرت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین ہی کا ذکر فرمایا۔ لوگ ان کے طواف بھی کرتے اور ان کے نام پر جانور بھی چڑھاتے تھے۔

۱۔ **لات**: عرب میں ایک شخص حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر پر جانے لگے اور رفتہ رفتہ اس کی عبادت کرنے لگ گئے۔ لات (تا کی تشدید کے ساتھ) گھولنے والا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس لئے ستو گھولنے کی نسبت سے اس کا نام لات مشہور ہو گیا۔ یہ ایک سفید منقش پتھر تھا جس پر قبہ بنا ہوا تھا۔ لوگ اس پر غلاف چڑھاتے تھے، اس کے نام پر جانور قربان کرتے تھے اور اس کے آس پاس کی جگہ کو حرم کی مانند حرمت و بزرگی والی جانتے تھے۔ یہ طائف میں تھا۔ قبیلہ ثقیف کے لوگ اس کو پوجتے تھے اور وہی اس کے متولی تھے۔ یہ لوگ قریش کے سوا باقی تمام

نہیں کر سکتے۔ اگر سب مل کر کریں بھی تب بھی کچھ حاصل نہیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا خواہ وہ فرشتہ ہو یا کوئی اور وہی شفاعت کر سکے گا پس جس کے لئے اللہ شفاعت کی اجازت دے گا اور اس کے لئے شفاعت کو پسند کرے گا اسی کی شفاعت کی جائے گی۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نہ بتوں کو سفارش کا حکم دے گا اور نہ وہ کافروں سے راضی ہے لہٰذا بتوں کی سفارش کی امید رکھنا محض وہم ہے۔

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ یہ لوگ بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ بلاشبہ بے اصل خیالات اور تخمینی باتیں ثابت حقیقت کے مقابلے میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتیں۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا اور ان کے لڑکیوں جیسے نام رکھنا انتہائی بے عقلی اور فطرت سے بعید بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑی بے باکی ہے۔ آپ ایسے لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیجئے جو ہماری نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں۔ ان سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے آپ کو گھلانا بے کار ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد تو صرف دنیوی فائدہ ہے اس لئے وہ ہمہ وقت اسی کے حصول میں منہمک رہتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ چوپایوں کی طرح بے عقل بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔ اس لئے ان سے قبول حق کی توقع کرنا بیکار ہے۔

ایسے لوگوں کے علم کی رسائی اور منتہائے فکر صرف دنیاوی امور تک ہے اس سے آگے ان کی فہم و عقل کی رسائی نہیں۔ بیشک جو لوگ گمراہی میں پڑے رہے اور جو راہ راست پر رہے اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے علم محیط کے مطابق ہر ایک سے اس کے احوال کے مناسب ٹھیک ٹھیک معاملہ کرے گا۔ (عثمانی ۲/۴۲۹)

خودستائی کی مذمت

۳۱، ۳۲۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (انجام کار) اللہ بدکاروں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔ جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں مگر ان سے کچھ لغزشیں (سرزد ہو جاتی ہیں) تو آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے سو تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اَسَاءُوْا: انہوں نے برا کام کیا۔ انہوں نے برائی کی۔ اساءۃ سے ماضی۔

اللَّمَم: کچھ آلودگی۔ گناہ کے نزدیک جانا۔ صغیرہ گناہ۔

اَجِنَّۃٌ: (پیٹ کے) بچے۔ واحد جَنِیْن۔

تشریح: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی مالک و شہنشاہ حقیقی ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ وہ نیکی پر اچھا بدلہ اور بدی پر بری سزا دے گا اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے اور بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے بچتے رہتے ہیں۔ اگر کبھی بمقتضائے بشریت ان سے کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے جیسے ارشاد ہے:

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کر دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیاں معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ (النساء، ۳۱)

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے وہ جس کے چاہے گا گناہ معاف فرما دے گا جیسے ارشاد ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن

تشریح: مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کا دل اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اللہ کے عذاب سے ڈر کر وہ اسلام قبول کرنے کے قریب تھا کہ مشرکین اس کو ملامت کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ اگر قیامت آگئی جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو پھر میں دوزخ کے عذاب کو کس طرح برداشت کروں گا۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ اس پر ایک کافر نے کہا کہ اگر ایسی عذاب کی نوبت آئی تو میں ضامن ہوں۔ میں تیرے سب گناہ اپنے اوپر لے لیتا ہوں اور تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ تو مجھے اس قدر مال دے دے۔ ولید نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم میں سے کچھ رقم ادا کر دی۔ بعد میں باقی رقم سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں واعطی قلیلا واکدی کے معنی یہ ہوں گے کہ مال دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلام کے لئے اس کے دل میں جو تھوڑی سی رغبت پیدا ہوئی تھی وہ مشرکین کی ملامت سے پھر کفر اور عداوت و مخالفت میں تبدیل ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ غیب کی بات دیکھ رہا ہے کہ آخرت میں اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور یہ اپنی جگہ دوسرے کو پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔ کیا اس کو ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے حالانکہ وہ قرآن سے بہت پہلے نازل ہو چکے ہیں اور ان کی باتیں لوگوں میں معروف و مشہور ہیں۔ ان صحیفوں میں یہ بات واضح طور پر بیان کر دی گئی کہ کوئی مجرم دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا۔ آدمی جو کوشش کرکے جو کچھ کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ کسی کی جدوجہد و عمل کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ کچھ دیر ہو۔ پھر اس کو اس کی کوشش کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب میرے اس درجے کی بلندی کیسے ہوئی۔ اللہ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کر دیا گیا۔

طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت مرحومہ امت ہے۔ اپنے ساتھ گناہ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہو کر نکلے گی۔ مومنین ان

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں یہ بھی ہے کہ اسی کی ذات پر سب کا منتہی ہے سب کی حاجتیں اسی کی طرف پہنچتی ہیں اور آخر کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہی ہر ایک کو نیکی و بدی کا پھل دے گا۔ بندے جو اعمال کرتے ہیں ان کا خالق اللہ ہی ہے یہاں تک کہ ہنسی اور رونا بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس لئے غمی اور خوشی کے احوال واقعات سے دوچار کر کے وہی انسان کو ہنستا اور رلاتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ہر خوشی و مسرت اللہ ہی سے مانگے اور رنج و غم کے وقت اسی کو پکارے۔ موت و حیات کا خالق اللہ ہی ہے اس لئے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی عطا کرتا ہے اور اسی نے نطفے سے جوڑا پیدا کیا یعنی نر و مادہ۔ پس جس ذات کی شان خالقیت ایسی ہو اس کے لئے قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اس لئے قیامت کے روز وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے ضرور اٹھائے گا اور وہی اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور رزق کے معاملے میں کسی کا محتاج نہیں رکھتا۔ وہ جس کو چاہتا ہے زمین، جائیداد، مویشی اور اموال دے کر مال دار بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ شعریٰ ستارے کا پروردگار بھی وہی ہے تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ شعریٰ ایک بہت بڑا ستارہ اور اللہ کی مخلوق ہے، لات و عزیٰ کی طرح یہ بھی قابل عبادت نہیں۔ اہل عرب اور مشرکین اس کو پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ احوال عالم میں اس کی بڑی تاثیر ہے۔ اللہ ہی نے قوم ہود اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ ان سے پہلے قوم نوح کو بھی اسی نے ہلاک کیا، بیشک یہ سب بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اسی نے بستیاں الٹ کر قوم لوط کو ہلاک کیا اور اوپر سے پتھر و کنکر برسائے۔ تو اے مخاطب تو اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا اور کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔ (عثمانی ۲/۶۱۸)

قیامت کا قریب ہونا

۵۶۔۶۲۔ هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

یہ نبی بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ آنے والی
(قیامت) قریب آ گئی۔ اللہ کے سوا اس (کے ٹھیک وقت) کو کوئی کھول
کر نہیں رکھ سکتا۔ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو۔ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں
اور غفلت میں پڑے ہو۔ اب اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

تشریح: اے مشرکین مکہ جس طرح سابقہ انبیاء اپنی امتوں کو ڈراتے رہے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجرموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں۔ پس اللہ کے آخری نبی پر ایمان لانے میں کسی طرح تامل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قیامت قریب آ لگی ہے۔ اس کے آنے کا صحیح وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ جب وہ آ جائے گی تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس کو ٹال سکے۔ اس کی ہولناکیاں اور شدید مصائب اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

کیا تم کلام خداوندی یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو حالانکہ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو تمہیں اللہ کے خوف سے رونا چاہئے تھا اور اپنے بچاؤ کی تیاری کرنی چاہئے تھی مگر تم تو الٹا اس پر تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور عذاب کے خوف سے رونے کی بجائے تکبر کرتے ہو۔ قرآن اور اللہ کے احکام ہنسی مذاق کی چیز نہیں اس لئے ان سے غفلت و اعراض اور تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ سو اب خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ ثواب اور وعید عذاب پر یقین رکھتے ہوئے اس کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ (مذکورہ آیت پڑھنے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس نے سجدہ کیا۔ (مظہری ج ۹ ص ۱۳۲)

سورۃ القمر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ القمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے عظیم الشان معجزہ شق القمر کا ذکر ہے۔ جو قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آجانے کی علامت تھا۔

تعارف: اس میں تین رکوع، ۵۵ آیات، ۳۴۲ کلمات اور ۱۴۲۳ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ بعض مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت مکیہ ہے سوائے تین آیتوں کے (ام یقولون نحن ۔۔۔ ادھی وامر تک)۔ سورۃ کی ابتدا شق القمر کا عظیم الشان معجزہ بیان کر کے فرمائی گئی۔ پھر اقوام سابقہ کا مختصر احوال اور مجرموں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ابو واقد اللیثی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید و بقر عید میں سورۃ ق اور سورت اقتربت الساعۃ پڑھتے تھے۔ (روح المعانی ۲۷/۷۳، مواہب الرحمٰن ۲۷/۱۳۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شق القمر کا واقعہ اور قوم نوح اور قوم عاد کی طرف سے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۲: قوم ثمود اور قوم لوط کی طرف سے پیغمبروں کی تکذیب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: آل فرعون کی طرف سے اپنے پیغمبر کی تکذیب اور مجرموں اور پرہیزگاروں کا حال مذکور ہے۔

واقعہ شق القمر

۱۔ ۸۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ
إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ
هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ (مشرکین) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ انھوں نے تکذیب کی اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ یقیناً ان کے پاس ایسی خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں (کافی) عبرت اور کامل دانائی ہے لیکن خوف دلانے والی چیزوں سے (بھی) ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ تو آپ ان سے کنارہ کشی کیجیے (قیامت کے) دن بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا (اس دن) وہ آنکھیں جھکائے ہوئے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ (وہ) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہیں گے کہ یہ بڑا ہی سخت دن ہے۔

انشق: وہ شق ہو گیا، وہ پھٹ گیا۔ انشقاق سے ماضی۔

مستمر: قوی، ہمیشہ کا، مضبوط۔ استمرار سے اسم فاعل۔

مستقر: قرار پکڑنے والا، ٹھہرنے والا۔ استقرار سے اسم فاعل۔

مزدجر: ڈانٹ، نصیحت، منع کرنا۔ ازدجار سے مصدر میمی۔

نکر: ناگوار، انہونی، ان دیکھی، ہولناک۔

خشعا: خشوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے۔ خشوع سے اسم فاعل۔

اجداث: قبریں۔ واحد جدث۔

جراد: ٹڈیاں۔ اسم جنس ہے۔ واحد جرادۃ۔

مھطعین: دوڑ کر آنے والے، گردن اٹھا کر دیکھنے والے۔ اھطاع سے اسم فاعل۔

عسر: سخت، مشکل، دشوار۔ عسر سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: ہجرت سے کوئی پانچ سال پہلے آپ ﷺ کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔ ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ مشرکین مکہ جمع ہو کر آپ کے پاس آئے اور آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین کہنے لگے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں کہ نصف ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر ہو۔ شق القمر کا مطالبہ کرنے والوں میں قریش کے بڑے بڑے سردار ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن مطلب، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث اور زمعہ بن اسود شامل تھے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ معجزہ دکھا دوں تو ایمان بھی لاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئیں گے۔ یہ چاند کی چودھویں رات تھی اور آپ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی کہ جو کچھ مشرکین سوال کر رہے ہیں وہ آپ کو عطا فرما دے۔ پھر آپ نے انگشت شہادت سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا جبل قعیقعان پر تھا۔ اس وقت لوگوں کی حیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو دو ٹکڑے نظر آتے تھے۔ آپ ﷺ لوگوں سے فرما رہے تھے کہ دیکھو اور شہادت دو۔ عصر سے رات تک جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی حالت میں رہا۔ نہ صرف قریش نے چاند کو اس حالت میں دیکھا بلکہ اطراف و جوانب سے آنے والوں نے بھی شق قمر کی تصدیق کی کہ فلاں شب کو انہوں نے چاند کو دو حصوں میں دیکھا۔

طبرانی اور ابن مردویہ نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند گرہن ہوا تو منکرین کہنے لگے کہ چاند پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس پر آیات اقتربت الساعۃ .... الی مستمر نازل ہوئیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قریب آ گئی اور اس کے قریب آنے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا اور دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا دوسری طرف۔ ایسا عظیم الشان معجزہ اور نشانی دیکھنے کے بعد ان مشرکوں کو فوراً ایمان لے آنا چاہیے تھا مگر ان کا حال یہ ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی بے رخی کرتے ہیں اور تسلیم کرنے کی بجائے اس کو بے حقیقت جادو بتاتے ہیں۔

کافروں کی پرانی عادت ہے کہ وہ حق کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے مشرکین مکہ نے بھی معجزہ اور شق قمر کی نشانی کو دیکھ کر قدرت خداوندی کی تکذیب کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اُن کی اس بے رخی اور اعراض کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو عذاب الٰہی سے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُن کو مہلت دی کیونکہ اللہ کی طرف سے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ عذاب کا بھی وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے علم میں ان کی جو سزا اور ہلاکت ثبت ہو چکی ہے وہ کسی صورت ٹلنے والی نہیں۔

قرآن کریم تو حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے، جو ذرا سی نیک نیتی اور توجہ سے دل میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ اس قرآن کے ذریعے ان کے پاس گزشتہ اقوام اور آخرت کی بہت سی خبریں اور احوال پہنچ چکے ہیں جن میں ان کے لئے عبرت و نصیحت کا کافی سامان ہے لیکن ان کافروں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی نصیحت و فہمائش ان پر اثر نہیں کرتی۔ اب ان بدبختوں سے ہدایت قبول کرنے کی توقع نہیں۔ سو آپ بھی ایسے ہٹ دھرموں سے رخ پھیر لیجئے اور اس دن کا انتظار کیجئے جس دن ایک پکارنے والا ایک ناگوار چیز یعنی حساب و کتاب کے لئے بلائے گا۔ اس وقت ان کافروں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے زمین پر ٹڈی دل پھیلا ہوا ہو اور وہ اپنی گردنوں کو دراز کئے ہوئے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ یہ ایسا منظر ہوگا کہ کافر بے ساختہ کہیں گے کہ یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور حساب و کتاب کے لئے پیشی کوئی آسان معاملہ نہیں۔ البتہ اہل ایمان و تقویٰ اطمینان و سکون اور فرحت و انبساط سے میزان عمل کی طرف جائیں گے۔ (عثمانی ۶۲۳/۲، مظہری ۱۳۵-۱۳۷/۹)

قومِ نوح کی تکذیب

۹ تا ۱۵۔ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾ وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿١٥﴾

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور کہہ دیا تھا کہ (یہ تو) دیوانہ اور دھتکارا ہوا ہے۔ سو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے موسلادھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے (پانی کے) چشمے بہا دیئے۔ اور اس کام کے لئے جو مقدر کیا گیا تھا خوب پانی جمع ہو گیا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر لیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ سب اس (نبی) کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔ ہم نے (اس کشتی یا واقعہ کو) نشانی کے طور پر باقی رکھا۔ سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ پھر دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا۔ سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

ازدجر: وہ ڈانٹا گیا، اس کو دھتکارا گیا۔ ازدجار سے ماضی مجہول۔

منہمر: موسلادھار برسنے والا، خوب برسنے والا۔ انہمار سے اسم فاعل۔

فجرنا: ہم نے پھاڑا۔ ہم نے جاری کیا، ہم نے بہایا۔ تفجیر سے ماضی۔

دسر: کیلیں، میخیں، رسیاں۔ واحد دِسار۔

مدکر: نصیحت حاصل کرنے والا، عبرت پکڑنے والا۔ ادّکار سے اسم فاعل۔

تشریح: ان مشرکین مکہ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی اپنے پیغمبر حضرت نوح کو جھٹلایا اور دیوانہ کہا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی کہ قوم میں سے جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے۔ اب آئندہ ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! میں تو عاجز و بے بس ہو گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔ اب تو ہی میرا انتقام لے اور میری مدد فرما۔ سو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور آسمان سے طوفانی بارش برسائی اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ پھر زمین سے ابلنے والے اور آسمان سے برسنے والے دونوں پانی

بے شک ہم نے ایک دائمی نحوست کے دن میں ان پر ایک تند ہوا بھیجی جو لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے درخت ہیں۔ سو دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

صَرصَرًا: تیز آندھی جس میں سخت آواز ہو۔ سخت ٹھنڈک۔

تَنزِعُ: وہ اکھاڑ پھینکتی ہے، وہ چھین لیتی ہے، وہ گرا دیتی ہے۔ نَزعٌ سے مضارع۔

اَعجَازُ: (درختوں کے) تنے۔ واحد عَجُزٌ۔

مُنقَعِرٍ: جڑ سے اکھڑا ہوا۔ اِنقِعَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قوم نوح کی طرح قوم عاد بھی سرکشی پر اتر آئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، سو دیکھ لو کہ نزول عذاب سے پہلے میں نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا تھا اور جس کا وہ تمسخر اور ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان کے لئے کیسا ہولناک ثابت ہوا، پھر جب عذاب آیا تو سب ہلاک ہو گئے اور ان کی ہلاکت و تباہی کی عبرتناک تاریخ قیامت تک نمونۂ عبرت بنا دی گئی۔

بے شک ہم نے ان پر اکھاڑ پھینکنے والی تند و تیز ہوا بھیجی تھی۔ یہ دن ان کے لئے بہت ہی منحوس تھا کہ اس دن شروع ہونے والی سخت آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور ان کو تہ و بالا کرتی رہی۔ اس نے چھوٹے بڑے اور بچے بوڑھے کسی کو نہ چھوڑا سب کو ہلاک کر دیا۔ یہ آندھی لوگوں کو اس طرح اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ ان کو کھجور کے تنوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ وہ لوگ نہایت تنومند اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے۔ وہ زمین پر ایسے بکھرے ہوئے تھے گویا کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں۔ میں نے تو اس قرآن کو عبرت حاصل کرنے یا یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ جو چاہے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے۔

قومِ ثمود کی تکذیب

۲۳، ۳۲۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ۝
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ۝ وَنَبِّئْهُمْ
اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝

قومِ ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا۔ وہ کہنے لگے کیا ہم ایک ایسے شخص کی اتباع کر لیں جو ہم ہی میں سے ہے اور تنہا ہے۔ تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اتری بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے۔ اس کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خود پسند ہے۔ بے شک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجیں گے سو (اے صالح) تم انہیں دیکھتے رہنا اور صبر سے کام لینا اور ان کو بتا دینا کہ ان کے درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، ہر ایک اپنی باری پر آیا کرے۔ پھر انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے دست درازی کی اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ سو دیکھو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک چیخ (کا عذاب) بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہو اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

سُعُرٍ: آگ بھڑکنا، جنون، دیوانگی۔

اَشِرٌ: بڑائی کرنے والا، بہت زیادہ اترانے والا۔ اَشَرٌ سے صفت مشبہ۔

فَارْتَقِبْهُمْ: تو ان کا انتظار کر۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

اِصْطَبِرْ: تو صبر کر۔ تو قائم رہ۔ اِصْطِبَارٌ سے امر۔

تَعَاطٰی: اس نے دست درازی کی، اس نے وار کیا، اس نے پکڑا۔ تَعَاطِیْ سے ماضی۔

عَقَرَ: اس نے کونچیں کاٹ دیں، اس نے پاؤں کاٹ دیئے، اس نے ذبح کر دیا۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

ہَشِیْم: بھُس، روندا ہوا، ریزہ ریزہ۔

محتظر: کانٹوں کی باڑ لگانے والا۔ احتظار سے اسم فاعل۔

تشریح: قوم ثمود نے بھی اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ جب ان کو انکار اور تردید کی کوئی دلیل نہیں ملی تو کہنے لگے، کہ کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہماری طرح کا آدمی ہے اور اکیلا ہے اور کوئی بھی اس کے تابع نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس کی تابع داری اختیار کر لی تو یہ ہماری بڑی غلطی اور دیوانہ پن ہوگا۔ آخر اس پر کیوں وحی نازل کی گئی حالانکہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو وحی کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ حقیقت میں یہ سچا نہیں ہے، بلکہ نبوت کا دعویٰ کر کے یہ ہم سے بلند مرتبہ بننا چاہتا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب جب عذاب نازل ہوگا تو یہ لوگ جان لیں گے کہ کون جھوٹا اور بڑھ کر ڈینگ مارنے والا ہے۔ پھر جب قوم ثمود نے نبوت کے ثبوت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت بھی تجویز کر دی کہ پتھر کی ایک چٹان کے اندر سے ایک دس ماہ کی حاملہ سرخ اونٹنی برآمد کرو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح سے فرمایا کہ ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں، سو آپ ان کے انجام کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئے اور ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ کنویں کا پانی ان لوگوں اور اونٹنی میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن تمام پانی اونٹنی کے لئے ہے اور ایک دن تمام پانی قوم کے لئے ہے۔ ہر فریق اپنی اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا جس نے آ کر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی جس سے وہ روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ یا کٹی ہوئی کھیتی کے سوکھے ہوئے پتوں کی مانند ہو گئے جو اڑ کر بے نام و نشان ہو جاتے ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے یا زبانی یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو جو چاہے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے۔

قومِ لوط کی تکذیب

۳۳-۳۶۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا۟ بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

ان کو بالکل اندھا کر دیا۔ اب ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیواریں ٹٹولتے ہوئے باہر نکلے۔

پھر فرمایا کہ اب میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اندھا کرنے کے بعد صبح سویرے ہی ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے۔

بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی بھی اس سے عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

آلِ فرعون کی تکذیب

۴۱ تا ۴۶۔ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝

البتہ آلِ فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے تھے۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا۔ سو ہم نے بھی ان کو بڑی زبردست گرفت سے قابو میں لے لیا۔ اے اہلِ مکہ! کیا تم میں جو کافر ہیں وہ ان کافروں سے بہتر ہیں یا پچھلی کتابوں میں تمہارے لئے نجات لکھ دی گئی ہے یا وہ کہتے ہیں کہ ہم (بدلہ لینے کے لئے) زبردست جماعت ہیں۔ عن قریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی بلکہ قیامت (کی گھڑی) ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔

مُّقْتَدِرٍ: ہر طرح کی قدرت والا، قابو والا۔ اِقْتِدَارٌ سے اسم فاعل۔

مُّنْتَصِرٌ: بدلہ لینے والا، طاقت ور۔ اِنْتِصَارٌ سے اسم فاعل۔

يُهْزَمُ: وہ شکست دیئے جائیں گے، ان کو ہرایا جائے گا۔ هَزِيْمَةٌ سے مضارع۔

اَدْهٰى: بہت سخت، بڑی آفت، سخت رسوا کرنے والا۔ دَهْيٌ سے اسم تفضیل۔

اَمَرُّ: بہت تلخ، ناگوار۔ مَرَارَةٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن فرعون اور اس کی قوم نے تمام معجزوں اور نبیوں کو جھٹلایا۔ اس پر ہم نے بھی ان کو ایسی سخت گرفت اور عذاب میں پکڑ لیا کہ وہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔

اے مشرکین مکہ! کیا تم میں کے کافر گزشتہ کافروں سے کچھ بہتر ہیں کہ اس بنا پر عذاب سے بچ جائیں گے یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں عذاب الٰہی سے امان لکھی ہوئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کفر اور پیغمبروں کی تکذیب کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی کوئی بات نہیں تو پھر کیا یہ لوگ ایسی مضبوط جمعیت ہیں کہ ہر طاقت سے بدلہ لیں گے جو ان پر کسی قسم کی گرفت کرے گی۔ نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ عنقریب یہ سب شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ان کو اپنی قوت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان سب کے عذاب پانے کا وقت مقرر ہو چکا ہے جو قیامت کا دن ہے۔ بلاشبہ قیامت بہت بڑی آفت اور سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ اس کے عذاب و شدت کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔

مجرموں اور پرہیزگاروں کا حال

۴۷۔۵۵۔ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿﴾

بے شک گنہگار بڑی گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس دن وہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز ایک مقررہ اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم بس ایسا یک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ہم تو

تمہارے جیسے بہت سے لوگوں کو غارت کر چکے ہیں، تو ہے کوئی نصیحت حاصل
کرنے والا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے اور
ہر چھوٹی اور بڑی بات (نامۂ اعمال میں) لکھی ہے۔ یقیناً پرہیزگار باغوں
اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک اعلیٰ مقام میں صاحب قدرت بادشاہ کے
پاس (بیٹھے) ہوں گے۔

یُسْحَبُوْنَ: وہ گھسیٹے جائیں گے، وہ کھینچے جائیں گے۔ سَحْبٌ سے مضارع مجہول۔

سَقَرَ: آگ، دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔

قَدَرٍ: مقدار، تخلیق سے پہلے اندازہ کر لینا یا امر مقدر جو لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

لَمْحٍ: پلک جھپکنا، نظر پڑا کر دیکھنا۔

اَشْیَاعَکُمْ: تمہارے ہم مذہب، تمہارے ساتھی۔ واحد شِیْعَۃٌ۔

مُسْتَطَرٌ: لکھا ہوا۔ اِسْتِطَارٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: بے شک مجرمین و منکرین خواہ وہ مشرکین مکہ ہوں یا کوئی اور، بڑی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے روز ان کی یہ گمراہی انہیں گھسیٹ کر اوندھے منہ جہنم کی آگ میں لے جائے گی۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب جہنم کی آگ بدن کو لگنے کا مزہ چکھو۔ تب ان کو معلوم ہوگا کہ پیغمبروں کی تکذیب کر کے انہوں نے کیسی حماقت اور پاگل پن کیا۔

بے شک ہم نے اس کائنات کی ہر چیز کو پہلے سے مقرر کردہ اندازے یعنی تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔ ہدایت ہو یا گمراہی، نیکی ہو یا بدی، تنگ دستی ہو یا فراخ دستی، سعادت ہو یا شقاوت، بیماری ہو یا تندرستی غرض ہر چیز کو ہم نے اپنی حکمت اور تقدیر کے مطابق بنایا ہے اور ہمارا حکم تو بس پلک جھپکنے کی مانند ہے یعنی چیز کو پیدا کرنے یا معدوم کرنے یا دوبارہ موجود کرنے کے لئے نہ تو کچھ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کی مشقت بلکہ ہمارا اس چیز کو یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ "ہو جا" سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مُردوں کا زندہ کرنا اور قیامت کا قائم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے محض ایک دفعہ "ہو جا" کہنے ہی سے واقع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب یا ہلاکت کا حکم دے تو ایک لمحے میں تمام قوم ہلاک ہو جائے گی۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿٦﴾ وَالسَّمَاءَ
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٧﴾ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ وَأَقِيمُوا
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا
لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَالْحَبُّ
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٣﴾

رحمٰن (وہی ہے جس نے) قرآن سکھایا۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا (اور) اسی کو بات کرنا سکھایا۔ سورج اور چاند حساب سے (چل رہے) ہیں۔ اور بے تنے کے درخت دونوں سرنگوں ہیں۔ اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو۔ انصاف سے ٹھیک تولو اور تول میں کمی نہ کرو۔ اسی نے مخلوق کے (فائدے کے) لئے زمین کو بچھایا۔ اس میں میوے اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں اور اناج ہے جس میں بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول ہیں۔ سو (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

اَنام: مخلوق۔ جن و انس جو کچھ زمین پر ہے۔

اَکمام: خوشے، میوے کے غلاف۔ واحد کِمّ۔

عَصف: بھوسہ، چھلکا۔ واحد عصفۃ۔

رَیحان: روزی والا، غذا والا، خوشبودار پھول۔

آلاء: احسانات، نعمتیں۔ واحد اِلیٰ۔

تشریح: مشرکین مکہ رحمٰن کو نہیں جانتے تھے۔ وہ پوچھتے تھے کہ رحمٰن کیا ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن وہی ذات ہے جو تمام معنوی اور مادی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاح دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں کے بیان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد تخلیق انسان کو بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کا اصل منشا تعلیم قرآن ہی ہے۔ اسی لئے اس کو قوت بیانیہ اور اظہار مدعا کی تعلیم دی تاکہ وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے، اس کے معارف و حقائق لوگوں تک پہنچائے اور بیان

کو نیکی کی طرف جائے اور برائی سے روکے۔ کافر چونکہ ان کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اسی لئے اس
سورت میں ان کی تنبیہ کے لئے ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے۔ آٹھ مرتبہ اللہ کی آٹھ تخلیقی
صفات کے موافق ذکر کیا گیا۔ ان آٹھ صفت متفاوت پر تخلیق کل ہوا ہے۔ اپنی نادر صفات اور عجائب
تخلیق کو بیان کیا ہے۔ سات جگہ یعنی سورج کے حکم سے آیت بطور فرق ہیں ثم جہنم کے ابواب
کی تعداد کے مطابق عذاب کی وعید اور سزا کی تخفیف مذکور ہے۔ پھر ابواب جنت کی تعداد کے مطابق
آٹھ جگہ جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آٹھ بار جنت کی دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ تاکہ
جنت کی نعمتوں کی طرف رغبت ہو اور مادی قدرت والے عمومی نعمتوں کی ناشکری نہ کی جائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کوئی شخص محمد ﷺ کو قرآن
سکھاتا ہے اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ کوئی انسان ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔
یہ تو رحمٰن کا کلام ہے جس نے انسان کو اپنی رحمت سے تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب
سے بڑی نعمت قرآن ہے اسی نے اس کو قرآن کی تعلیم دی۔

چاند اور سورج کی رفتار کا حساب مقرر ہے۔ ہر ایک اپنی مقررہ رفتار سے مقررہ راستے پر چل
رہا ہے۔ ان ہی کی رفتار سے گرمی سردی کے موسموں کا تعین، دن رات کا امتیاز اور فصلوں، درختوں، پھل پکنے
وغیرہ کی مدت متعین ہوتی ہے۔ تنے اور بغیر تنے کے درخت اور یہ سب اللہ کے فرماں بردار ہیں۔
جس طرح انسان اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اسی طرح درخت بھی اللہ کو سجدہ کرتے
ہیں۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان کو اونچا بنایا اور میزان قائم کر کے عدل قائم رکھنے کا حکم دیا اور
سب کو عدل کا راستہ دکھا دیا کہ ترازو میں حق سے تجاوز نہ کرو ٹھیک ٹھیک وزن کرو اس میں کمی نہ
کرو۔ پہلی آیت میں طغیان یعنی حق سے زیادہ لینے کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں وزن میں کمی
کرنے کی ممانعت ہے۔ دونوں آیتوں میں لفظ میزان تین دفعہ آیا ہے جس کا مقصد تاکید ہے۔

اسی نے مخلوق کے لئے زمین کو بچھا دیا جس میں پھل اور میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں
جن کے پھلوں کے گچھوں پر غلاف ہوتا ہے۔ پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں بڑی ہوتی ہیں
اور پکتی ہیں۔ اسی زمین سے غلہ اگتا ہے جس میں وہ دانہ بھی ہے جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ بھی جو
جانوروں کی خوراک ہے اور زمین ہی سے بعض ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام نہیں آتیں
بلکہ ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سو اے جن و انس تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے

الجوار: کشتیاں، جہاز۔ واحد جاریۃ۔

المنشئت: اونچی کی ہوئی (کشتیاں)۔ اِنشاءۃ سے اسم مفعول۔

الاعلام: پہاڑ۔ واحد علمٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی خالص آگ سے پیدا کیا۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ وہی دونوں مشرقوں یعنی موسم گرما اور موسم سرما میں سورج کے طلوع ہونے کی جگہ اور دونوں مغربوں یعنی گرمی اور سردی میں سورج کے غروب ہونے کے مقام کا پروردگار ہے۔ یہ اختلاف مشارق ومغارب بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ انہی کے تغیر وتبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے اہل زمین کو جو فوائد ومنافع حاصل ہوتے ہیں ان کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ ان عظیم الشان نعمتوں میں سے کوئی بھی نعمت ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جا سکے۔

اسی نے دو دریاؤں کو باہم ملایا۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور وہ اپنی اپنی حد سے نہیں بڑھتے اور نہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں بلکہ نمکین پانی ایک طرف بہتا ہے اور میٹھا پانی دوسری طرف۔ نہ نمکین پانی میٹھے پانی میں ملتا ہے اور نہ میٹھا پانی نمکین میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریاؤں کو الگ الگ راستوں پر بہایا اور دونوں کے درمیان زمین حائل کر دی۔ ان کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر زمین کو درمیان سے ہٹا دیتے۔ یہ بھی اس کی قدرت کی ایک عظیم نشانی اور بڑا انعام ہے۔ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں۔

اسی کے قبضے اور قدرت میں وہ بڑے بڑے جہاز ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل سے نوازا کہ وہ بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں بنا کر ان کو سمندروں میں چلائے۔ بلاشبہ نہ انسان اپنے رب کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن ان کو جھٹلا سکتے ہیں۔

(حقانی ۲۱۱، ۶۳۰، ۶۳۱/۶)

اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان

۲۶-۳۰۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والا ہے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب اسی سے مانگتے ہیں۔ ہر روز اس کی ایک نئی شان ہے سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تشریح: زمین و آسمان کی تمام مخلوق فنا ہونے والی ہے۔ جن و انس، شجر و حجر سب موت کا مزہ چکھیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی جو بزرگی اور عظمت والی ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص۔ ۸۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ ذوالجلال ہے یعنی وہ اس لائق ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اس کا جاہ و جلال مانا جائے، اس کے احکام کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے رکا جائے۔ قیامت کے دن سب اس کے سامنے پیش ہوں گے۔ اس دن وہ ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق زبان حال و قال سے اپنی تمام حاجتیں اسی سے مانگتی ہے۔ کسی کو ایک لمحے کے لئے بھی اس سے استغنا نہیں۔ وہ اپنی حکمت کے موافق سب کے سوال پورے کرتا ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں جیسے ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ (محمد ۳۸)

اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر و محتاج ہو۔

ہر وقت اس کا ایک الگ کام اور ہر روز ایک نئی شان ہے۔ اس کی شان و عظمت و کبریائی تو یہ ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کو جواب دیتا ہے، ہر مانگنے والے کو عطا کرتا ہے، تنگ دست کو فراخ دست کرتا ہے، بیماروں کو تندرستی عنایت فرماتا ہے، غم زدوں کا غم دور کرتا ہے۔ بے قراروں کو قرار و آرام عنایت فرماتا ہے، مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے گناہ گاروں کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ موت و حیات، قیدیوں کی رہائی، غلاموں کی آزادی سب اُسی کے اختیار میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یہی اس کی شان ہے۔ پھر تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

(ابن کثیر ۴/۲۷۳، ۲۷۴/۴)

جن و انس کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں

۳۱-۳۶۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞

اے جن و انس! ہم بہت جلد سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل بھاگو۔ لیکن تم (اللہ کی مدد) اور قوت کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا۔ پھر تم ہٹا نہ سکو گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تَنْفُذُوْا: تم نکل بھاگو، تم باہر چلے جاؤ۔ نُفُوْذٌ سے مضارع۔

اَقْطَار: کنارے، اطراف۔ واحد قُطْرٌ۔

شُوَاظٌ: شعلے، لپٹ، وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔

اور نہ کسی جن سے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گناہ گار اُن کے چہروں سے پہچانے جائیں گے، پھر پیشانی اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جس کو گناہ گار جھٹلاتے تھے۔ گناہ گار جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان پھریں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

وَرْدَةً: سرخ، گلابی۔ اسم جنس ہے۔

الدِّهَانِ: نری، سرخ چمڑا، تیل کی تلچھٹ۔

بِسِيْمٰهُمْ: اُن کا حلیہ، اُن کا چہرہ، اُن کی علامت۔

نَوَاصِيْ: پیشانیاں، پیشانی کے بال۔ واحد ناصیۃ۔

حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی، نہایت گرم پانی۔

اٰنٍ: کھولتا ہوا پانی۔ انیٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب قیامت آئے گی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ آسمان پھٹ کر سرخ چمڑے کی مانند ہو جائے گا۔ اس روز جنوں اور انسانوں میں سے کسی سے اس کے گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیونکہ یہ سب تو اللہ کے علم میں ہے اور فرشتے سب کچھ اعمال ناموں میں درج کر چکے ہیں۔ البتہ ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ ممانعت کے باوجود تم نے ایسا کیوں کیا اور جس کام کو کرنے کا حکم دیا گیا وہ کیوں نہیں کیا۔ ایسی باتوں سے دنیا ہی میں آگاہ کر دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

اس دن فرشتے مجرموں کو ان کے چہرے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ ہر مجرم کا چہرہ اس کے جرائم کا آئینہ دار ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: ۱۰۶)

اس دن مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے اور کافروں کے سیاہ۔

پھر مجرموں کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا اور جہنمی زنجیروں سے باندھ کر اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ان کی ذلت و رسوائی اور خفت و ندامت بڑھانے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم جس جہنم کا انکار کرتے تھے اب تم اسے اپنی آنکھوں سے

تشریح: جو شخص قیامت کے دن حساب دینے کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے، اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی رکھتا ہے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے، فرائض بجا لاتا ہے اور محرمات سے بچتا رہتا ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دو جنتیں عطا کی جائیں گی۔ مقاتل نے کہا کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت نعیم۔ یعنی مذکورہ اشخاص کو جنت عدن اور جنت نعیم میں داخل کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک جنت ان لوگوں کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور دوسری جنت ان جنات کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے ہر شخص کو جنت کے دو باغ دیئے جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ کل جنتیں چار ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا۔ ان جنتیوں اور دیدار باری تعالیٰ میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے، جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔

یہ آیت عام ہے۔ انسانوں اور جنوں دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے جو ایمان لائیں اور پرہیزگاری اختیار کریں وہ جنت میں جائیں گے، اسی لئے اس کے بعد جن و انس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔

پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف کا بیان ہے کہ یہ نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ ان کے درختوں کی شاخیں کثرت کی بنا پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں گی۔ ان میں ہر قسم کے خوش ذائقہ، عمدہ اور تیار پھل ہوں گے۔ ان دونوں جنتوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے تاکہ ان کے درختوں کو سیراب کرتے رہیں۔ ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے ہوں گے جو دیکھنے میں تو دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے مگر ان کا ذائقہ ان سے بالکل مختلف ہوگا۔ سو تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (ابن کثیر: ۲۷۶/۴، مظہری: ۱۵۷/۹)

اہل جنت کے بچھونے

۵۴، ۵۵ ـ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ

دَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

وہ (جنتی) تکیے لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور ان دونوں باغوں کے پھل بالکل جھکے ہوئے ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (حوریں) یاقوت و مرجان ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ بھلا احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

بطائنہا: اُن کے استر۔ واحد بطانۃ۔

جنا: درختوں سے پکنے اور توڑے جانے والے پھل، میوہ و ثمر۔ یہاں پھل مراد ہیں۔ اسم بمعنی مفعول۔ جمع اجناء۔

دان: نزدیک، جھکنے والے۔ دُنُوٌّ سے اسم فاعل۔

قاصرات: نیچی نظر رکھنے والیاں، پاک دامن عورتیں۔ قصرٌ سے اسم فاعل۔

یطمثہن: وہ ان (عورتوں) کو ہاتھ لگاتا ہے، وہ ان سے جماع کرتا ہے۔ طمثٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل جنت کو ہر قسم کے پھلوں اور میووں کے علاوہ ہر قسم کے راحت و آرام کے سامان بھی عطا کئے جائیں گے۔ وہ ایسے فرشوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے جن کے استر دبیز اور گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ استر ایسا ہوگا تو اوپر کے (ابرے) کی کیا کیفیت ہوگی۔ ان جنتوں کے پھل جنتیوں کے بالکل قریب ہوں گے۔ وہ جب چاہیں گے اور جس حال میں چاہیں گے توڑ لیں گے۔ اگر لیٹے ہوئے ہوں گے اور پھل توڑنے کی خواہش ہوگی تو لیٹے لیٹے ہی توڑ لیں گے۔ بیٹھنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر بیٹھے ہوئے پھل توڑنا چاہیں گے تو بیٹھے بیٹھے ہی توڑ لیں گے، کھڑے

ہونے کی ضرورت نہ ہوگی، درختوں کی شاخیں خود بخود جھوم جھوم کر ان کے پاس جھکی رہیں گی۔ ان جنتوں میں ان کے پاس نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی جو اپنے خاوند کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور ان کے خاوندوں سے پہلے کسی جن و انس نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔ اپنے حسن و جمال اور طہارت و پاکیزگی میں یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے یاقوت و مرجان۔ پھر فرمایا کہ جس نے دنیا میں نیکی کی، آخرت میں اس کا بدلہ سلوک و احسان کے سوا کچھ نہیں۔ سو اے جن و انس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

بغوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت هل جزاء الاحسان الا الاحسان تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: جانتے ہو تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ (مظہری: ۱۵۸۔۱۹۰/۹)

اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات

۶۲۔۷۸۔ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ مُدْهَامَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

اور ان دونوں باغوں کے سوا دو باغ اور ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں گہرے سبز ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا

بعض نے کہا کہ دو جنتیں کم درجے کی نہیں ہیں بلکہ وہ پہلی دو جنتوں کے بالمقابل یعنی سامنے ہیں۔ بغوی نے کہا کہ کسائی نے من دونھما کا ترجمہ کیا ہے۔ان دونوں کے سامنے۔ دونوں کے مقابل اور ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ لہٰذا یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے من دونھما سے مراد کم مرتبہ نہیں بلکہ سامنے اور مقابل ہے۔

دونوں باغ گہرے سرسبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ اور ان میں فوارے کی مانند دو اچھلتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ ان باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں (اتنا بڑا) انار دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔ سواے جن وانس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغوں میں اچھے اخلاق کی حامل نہایت خوب صورت اور پاکیزہ عورتیں ہوں گی جو خیموں میں ٹھہری ہوئی ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے میں ہے۔ جنتی آدمیوں سے پہلے ان حوروں کو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا ہوگا۔ یہ جنتی سبز رنگ کے مخملی اور نہایت نرم بچھونوں، اور بہترین منقش تکیوں پر انتہائی راحت اور اطمینان و سکون سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے، وہ عظمت و کبریائی والا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اس کی عبادت کی جائے، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس کا شکر کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے، اسے بھلایا نہ جائے۔ (مظہری: ۱۹۰۔۱۹۳/۹)

قیامت کا یقیناً واقع ہونا

۱۔۱۲

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝ وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝

جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں وہ (کسی کو) پست کر دے گی (اور کسی کو) بلند۔ جب زمین بڑے زور سے لرزنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار ہو کر اڑنے لگیں گے اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے۔ سو دائیں طرف والے، کیا خوب ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے، کیا ہی برے ہیں بائیں طرف والے اور آگے والے تو آگے والے ہی ہیں، وہی (اللہ کے) مقرب ہیں۔ وہ نعمتوں سے معمور جنتوں میں ہوں گے۔

خَافِضَةٌ: پست کرنے والی، جھکا دینے والی، ذلیل کرنے والی۔ خفض سے اسم فاعل۔

رُجَّتْ: وہ ہلائی گئی، وہ لرزی۔ رَجٌّ سے ماضی مجہول۔

بُسَّتْ: وہ ریزہ ریزہ کر دی گئی، وہ آہستہ آہستہ چلائی گئی۔ بَسٌّ سے ماضی مجہول۔

هَبَاءً: گرد، غبار، جمع اَهْبَاءٌ۔

مُّنْبَثًّا: منتشر، بکھرا ہوا، اڑتا ہوا۔ اِنْبِثَاثٌ سے اسم فاعل۔

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ: دائیں طرف والے۔ بڑے نصیب والے۔ جن کو دائیں سمت میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ: بائیں طرف والے، مراد دوزخی۔ جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ بائیں ہاتھ کو عرب شوم کہتے ہیں۔ ملک شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک

سابقین مقربین کے احوال

۱۳-۲۶ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝ مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۙ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَحُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝

ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ سونے کے مرصع تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ آب خورے اور آفتابے اور پاکیزہ شراب کے جام (لئے ہوئے) جس سے نہ سر میں درد ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا اور ان کی پسند کے میوے (لئے ہوئے) اور پرندوں کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ ان کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ وہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ بس (وہاں) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

ثُلَّةٌ: ایک بڑا گروہ، ایک بڑی جماعت۔

سُرُرٍ: تخت۔ واحد سَرِیْر۔

مَوْضُوْنَةٍ: وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے کام کیا گیا ہو، جڑی ہوئی، لگی ہوئی۔ وَضْنٌ سے اسم مفعول۔

مُخَلَّدُوْنَ: کسی چیز کا ہمیشہ رہنا۔

اَکْوَابٌ: پانی پینے کا برتن، کوزے، آب خورے۔ واحد کُوْبٌ۔

ہیں۔ یہ گروہ ہیں (زوج) دائیں طرف والوں کے لئے ہیں۔ ان کا ایک بڑا
گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

مَخْضُوْد: بغیر کانٹے کا، کانٹا دور کیا ہوا۔ خضد سے اسم مفعول۔

طَلْح: کیلے، کیلے کا درخت۔ واحد طَلْحَةٌ۔

مَنْضُوْد: تہ بہ تہ جمایا ہوا۔ تہ۔ نضد سے اسم مفعول۔

مَسْكُوْب: گرتا ہوا، بہتا ہوا۔ سکب و سکوب سے اسم مفعول۔

اَبْكَارًا: کنواری عورتیں۔ واحد بکر۔

عُرُبًا: سہاگ والیاں، محبت کرنے والیاں۔ واحد عروب۔

اَتْرَابًا: ہم عمر عورتیں، ہمجولیاں۔ واحد ترب۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ابرار کا حال بیان کیا ہے کہ ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں بیری کے درخت ہوں گے جن میں کانٹے نہیں ہوں گے۔ اور وہاں تہ بہ تہ کیلے ہوں گے۔ ان درختوں میں پھلوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھکی جا رہی ہوں گی اور وہاں خوب لمبا لمبا اور پھیلا ہوا سایہ ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا اس لئے وہاں نہ سورج آئے گا اور نہ گرمی ستائے گی۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جنت میں ہمیشہ ایسا وقت رہے گا جیسا صبح صادق کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے کے درمیان رہتا ہے۔

ان باغوں میں ہموار زمین پر پانی بہہ رہا ہوگا جس کی روانی کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اہل جنت کے پاس کثرت سے طرح طرح کا لذیذ پھل ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا
مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ

جب وہ وہاں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہمیں
پہلے بھی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ بالکل ہم شکل ہوں گے۔ (البقرہ ۲۵)

لیکن جب وہ جنت کے پھل کھائیں گے تو ان کا ذائقہ بالکل مختلف ہوگا۔ جو شخص بھی ان پھلوں کو توڑنا چاہے گا وہ لیٹے لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہر حال میں توڑ لے گا۔ یہ پھل کبھی منقطع نہیں

ہوں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اہل جنت کو ان پھلوں کو توڑنے سے کبھی نہیں روکا جائے گا۔

اہل جنت کے فرش بلند و بالا، نرم گدگدے اور راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔

وہاں ایسی عورتیں ہوں گی جن کو ہم نے اس طور پر بنایا ہے کہ وہ کنواریاں ہیں۔ وہ اپنی ظرافت، ملاحت اور حسن صورت و حلاوت کی وجہ سے اپنے شوہروں کی محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں اور دائیں طرف والوں کے لئے ہیں۔ ان اصحاب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے بھی ہوگا۔ (ابن کثیر ۲۸۸۔۲۹۰/۴)

اصحٰب الشمال کا حال

۴۱۔۵۶۔ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ ۝ فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ۝ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۝ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ ۝ وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ۝ فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ۝ هَٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝

اور بائیں طرف والے، کیا ہیں بائیں طرف والے، گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش۔ بے شک اس سے پہلے یہ لوگ نازو نعمت میں تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے، ایک مقرر دن کے وقت۔ پھر اے گمراہو، جھٹلانے والو! پھر تمہیں یقیناً زقوم کا درخت

کھانا ہوگا، جس سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پینا بھی
پیاسے اونٹوں کا سا۔ قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

سَمُوْمٍ: گرم ہوا، تیز بھاپ۔

حَمِيْمٍ: انتہائی گرم کھولتا ہوا پانی۔ جمع حمائم۔

يَحْمُوْمٍ: سیاہ دھواں، بے حد کالا دھواں۔ اسم ہے۔

مُتْرَفِيْنَ: دولت مند، خوش حال۔ اِتراف سے اسم مفعول۔

الْحِنْثِ: گناہ، جرم، بڑا، عہد شکنی، بے ادبی۔ جمع اَحناث۔

الْهِيْمِ: پیاسا اونٹ۔ ہُیام سے صفت مشبہ۔

نُزُلُهُمْ: ان کی دعوت، ان کی مہمانی، ان کی آؤ بھگت۔

تشریح: بائیں طرف والے بھی کیسے بدنصیب ہیں کہ قیامت کے روز ان پر مصائب و شدائد کی کوئی حد نہ ہوگی۔ یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ، کھولتے ہوئے گرم پانی اور ایسے سائے میں ہوں گے جو گہرا سیاہ ہوگا۔ نہ وہ جسم کو ٹھنڈا کرے گا اور نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہوگا۔ ان کو ایسے شدید عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جائے گا کہ اس سے پہلے وہ دنیا میں بڑی عیش و راحت میں تھے۔ اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کرنے کی بجائے بغاوت و سرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے۔ رسولوں اور ان کی تعلیمات کو جھٹلاتے رہے۔ قیامت کو بھی محال جانتے تھے۔ اس کی تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ان کو بتا دیجئے کہ سب اگلے پچھلے لوگوں کو نئے سرے سے پیدا کرکے حساب کتاب اور جزا و سزا کے لئے ایک مقررہ وقت پر ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت تم خود دیکھ لوگے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا گیا ہے۔ اے گمراہو! اے اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والو! پھر تمہیں زقوم کھلایا جائے گا اور تمہارے لئے اس کے سوا کوئی غذا نہ ہوگی۔ اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اونٹ پی رہا ہو۔ قیامت کے روز یہی ان کی دعوت ہوگی۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

۵۷۔۶۲۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پھر تم (دوبارہ زندہ ہونے کو) کیوں سچ نہیں مانتے۔ بھلا جو منی تم (رحم میں) ڈالتے ہو، کیا اس کو تم تخلیق کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے تم میں موت کو مقدر کیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تمہاری طرح اور لوگ پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی حالت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں اور تمہیں پہلی دفعہ کی پیدائش تو یقیناً معلوم ہی ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

مَسْبُوْقِیْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے، عاجز۔ سبق سے اسم مفعول۔

نُنْشِئَکُمْ: ہم تم کو پیدا کریں گے۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اس وقت پیدا کیا جب سرے سے تمہارا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور ظاہر ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب فنا ہونے کے بعد جب تم کچھ نہ کچھ تو باقی رہو گے ہی تو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے۔ جب تم ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو دوسری مرتبہ پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو۔ اگر بالفرض تم اس کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں تو پھر بتاؤ کہ جو منی تم عورت کے رحم میں ٹپکاتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔ پیدا کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ وہی رحم مادر میں نطفے سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر اس کی ساخت، ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا اور اس میں روح ڈالنا، یہ سب اسی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے مالک بھی ہم ہی ہیں۔ جس طرح اپنی مشیت کے مطابق ہم نے تمہارے لئے رزق تقسیم کر رکھا ہے اسی طرح ہم نے تمہاری موت کو بھی تقسیم کر دیا ہے۔ اسی

لئے تم میں سے کسی کی عمر لمبی ہوتی ہے، کسی کی بہت کم اور کسی کی درمیانی۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کا وقت مقرر کر دیا جس سے تم آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور نہ کوئی تمہیں عاجز کر سکتا ہے کہ موت سے بھاگ جائے یا موت کے وقت کو بدل دے اور نہ ہم اس بات سے عاجز ہیں کہ تمہارے بدلے کوئی اور قوم لے آئیں یعنی جو تم جیسی ہو اور تمہیں نئے سرے سے ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس سے تم بالکل بے خبر ہو۔ یعنی تم پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو جانتے ہو، پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ پہلی مرتبہ تخلیق کرنے والا دوبارہ تخلیق پر بھی قادر ہے۔ کیونکہ دوسری تخلیق تو پہلی تخلیق سے بہت آسان ہوتی ہے۔ (مظہری ۱۷۷،۱۷۸/۹)

کھیتی کا اُگانا

۶۳-۷۴۔ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۞ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۞ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۞ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۞ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۞ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۞ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۞ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۞ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۞ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۞ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۞ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۞

اچھا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (کھیتی) کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا بلکہ ہم تو محروم ہی رہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا کر دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا بتاؤ وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے اُسے نصیحت کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے، سو (اے مخاطب) تو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو بہت بڑا ہے۔

تَحْرُثُوْنَ: تم بوتے ہو، تم بیج بکھیرتے ہو۔ حَرْثٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چورا چورا۔

تَفَكَّهُوْنَ: تم تعجب کرتے ہو، تم باتیں بناتے ہو۔ تَفَكُّهٌ سے مضارع۔

مُغْرَمُوْنَ: تاوان زدہ، قرض دار۔ اِغْرَامٌ سے اسم مفعول۔

اُجَاجًا: تلخ، کڑوا، کھاری پانی۔

تُوْرُوْنَ: تم سلگاتے ہو، تم روشن کرتے ہو۔ اِيْرَاءٌ سے مضارع۔

مُقْوِيْنَ: مسافر۔ اِقْوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جو کچھ تم بوتے اور زمین میں بیج ڈالتے ہو تو کیا ان بیجوں کو اگانا تمہارے بس میں ہے۔ نہیں بلکہ ہم ہی ان کو اگاتے اور ان کو پھل پھول دیتے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد بھی ہم ہی ان کی نشوونما کرتے ہیں ورنہ اگر ہم چاہیں تو ان کو سکھا کر ریزہ ریزہ کر دیں اور ان کا نام و نشان بھی نہ رہے اور تم ہاتھ ملتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی، بڑا نقصان ہو گیا۔ نفع تو ایک طرف پونجی بھی گئی۔

پھر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ یہ ہمارا کتنا بڑا انعام اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس شیریں پانی کو کھارا بنا دیں اور تم اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پی سکو۔ پھر تم ہمارا شکر کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے اتنے عظیم ذخیرے تمہارے قبضے میں دے دیئے ہیں۔

اب ذرا یہ بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے جس سے یہ آگ پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً وہ درخت ہماری ہی قدرت سے پیدا ہوا ہے۔ ہم ہی نے اس درخت کو آخرت کی یاد دلانے کا سامان بنایا کہ اس کو دیکھ کر آخرت کی آگ کے دہکنے اور شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ درخت مسافروں کے لئے بھی نافع ہے کہ وہ جنگلوں میں سفر کے دوران اس آگ سے نفع اٹھاتے ہیں مثلاً کھانا پکانا، روشنی حاصل کرنا، موسم سرما میں حرارت حاصل کرنا وغیرہ۔ سو اے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔

قرآن کی حقانیت

۷۵۔۸۲۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝

سو میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔ یہ بڑی عزت والا قرآن ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

مَكْنُونٍ: چھپایا ہوا۔ پوشیدہ۔ کنٌّ سے اسم مفعول۔

مُدْهِنُونَ: سستی کرنے والا، سرسری سمجھنے والا۔ اِدْهَانٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: میں ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات یا اوقات کی پختہ قسم کھاتا ہوں۔ بلاشبہ یہ ایک بہت ہی بڑی قسم ہے، اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ کہ جو قرآن محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ بہت ہی قدر و منزلت اور بڑی عظمت و بزرگی والا ہے۔ یہ لوح محفوظ میں درج ہے اگر لا یَمَسُّہٗ میں لا کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اس کو فرشتوں کے سوا کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ صحیح یہ ہے کہ لا یَمَسُّہٗ کی ضمیر لوح محفوظ کی طرف راجع نہیں بلکہ قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہوں، بے وضو نہ ہوں۔

یہ قرآن کوئی شعر و سخن یا جادو نہیں اور نہ شیاطین اس کو لے کر اترتے ہیں جیسا کہ مشرکین کہا کرتے تھے، بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ سب باطل اور بالکل مردود ہے۔ جس طرح اس کی کائنات میں کسی جگہ کوئی عیب اور نقص نہیں اسی طرح اس کا کلام بھی ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے۔ اے اہل مکہ! تم ایسے پاک کلام کا انکار کیوں کرتے ہو۔ تم نے تو اس میں اپنا حصہ بس اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ اس کی تکذیب کرتے رہو۔ یہ تو بڑی بدبختی اور بدنصیبی ہے۔ کیا کسی نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلا دیا جائے۔

منکرین کو چیلنج

۸۳۔۸۷ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

سو جس وقت جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے رہ جاتے ہو۔ ہم اس (مرنے والے) کے تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔ پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں (کسی کے مملوک نہیں) ہو تو اس (روح) کو لوٹا کیوں نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو۔

تشریح: مشرکین و منکرین کی طرف سے قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی جان اور روح خود اُن کے قبضے میں ہے۔ ان آیتوں میں اُن کے اس باطل خیال کی تردید کے لئے ایک قریب المرگ انسان کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ جب اس کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے عزیز و اقارب اور دوست واحباب اس کے اس حال کو دیکھتے ہیں تو تقاضائے محبت وہ چاہتے بھی ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے اور وہ زندہ رہے مگر وہ سب مرنے والے کی جان بچانے سے عاجز و بے بس ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے اس وقت ہم تمہارے مقابلے میں اس مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم اس قرب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اگرچہ تم سب مل کر اس کی اس زندگی کی حفاظت چاہتے ہو مگر تم کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تمہیں اس پر کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں۔ ہم اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں اور وہ ہمارے زیرِ تصرف اور ہماری مشیت و حکم کے تابع ہے۔ ہم اس کی روح نکالنے کا جو وقت مقرر کر چکے ہیں اس کو کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں زندہ نہیں کیا جا سکتا اور تم اپنی قوت و بہادری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت سے باہر ہو تو مرنے والے کی روح کو نکلنے سے روک لو یا نکلنے کے بعد اس میں لوٹا دو۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور تم یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا نہایت بے عقلی ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۸۸،۲۸۹/ ۸)

مرنے کے بعد یقینی جزا یا سزا

۸۸۔۹۶، فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ

نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّا إِن كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے تو (اس کے لئے) راحت اور روزی اور نعمتوں والی جنت ہے۔ اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے تو (اس سے کہا جائے گا) کہ تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو دائیں طرف والوں میں سے ہے۔ اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی ضیافت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بے شک یہ سراسر حق اور قطعی یقینی ہے۔ سو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو بہت بڑا ہے۔

رَوح: آرام، رحمت، فیض۔ مصدر ہے۔

رَیحان: رزق والا، مفرد۔ خوشبو یا جوڑ۔

تشریح: جس طرح دنیا کی زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا یقینی امر ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا اور اس کے نتیجے میں جزا یا سزا پانا بھی یقینی ہے۔ قیامت کے دن جزا و سزا کے اعتبار سے مخلوق کے تین گروہ ہوں گے اور ہر ایک کی جزا الگ ہوگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ یہاں دوبارہ اس کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مرنے کے بعد وہ شخص مقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت ہی راحت اور آرام ہی آرام ہے۔ اگر وہ سابقین مقربین میں سے نہیں ہے بلکہ اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور اگر وہ اصحاب الشمال یعنی کفار و مشرکین میں سے ہوا تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا۔

پھر فرمایا کہ جس جزا و سزا کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ حق اور بالکل یقینی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔ سو اے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۸/۲۸۱)

سورۃ الحدید

وجہ تسمیہ: اس سورت کی چوتھی آیت میں حدید یعنی لوہے کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الحدید مشہور ہو گیا۔

تعارف: اس میں چار رکوع، ۲۹ آیات، ۵۴۴ کلمات اور ۲۴۷۶ حروف ہیں۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔ بعض دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی شریعت کے بنیادی احکام اور عقائد توحید کی تحقیق و تفصیل اور ایمان و تقوٰی کی دعوت کا بیان ہے۔
احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے المسبحات پڑھا کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ (روح المعانی ۱۶۶/۲۷، مواہب الرحمٰن ۲۱۰، ۲۱۱/۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: موت و حیات کا اختیار اور اللہ کی چند صفات کا بیان ہے۔ پھر لوگوں کو دعوت ایمان دی گئی ہے۔

رکوع ۲: ملکیت خاص و کامل، ایمان و اعمال کی روشنی اور اہل کتاب کی قساوت قلبی کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب مذکور ہے۔

رکوع ۳: حیات دنیوی کی بے ثباتی، صبر و قناعت کی تعلیم اور کتاب و میزان کا نزول مع مقاصد مذکور ہے۔

رکوع ۴: رہبانیت کی بدعت اور اتباع رسول ﷺ کے ثمرات بیان کیے گئے ہیں۔

وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ وہ ایسا علیم ہے کہ اس کی نظر و علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے۔ ہر شے کا وجود، اس کا ظہور، اس کی بقا اور اس کے زمانۂ بقا کے تغیرات اور جملہ احوال اسی کے علم میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی چند صفات

۴۔۶۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو اوپر چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور عرش پر قرار پکڑا۔ وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے، جیسے بیج، بارش کے قطرے، معادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں، مدفون خزانے اور مردے وغیرہ۔ وہ ان چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے جو زمین سے باہر نکلتی ہیں جیسے کھیتی، نباتات، پودے اور بخارات وغیرہ۔ قیامت کے روز مردے بھی اسی زمین سے برآمد ہوں گے۔

وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے جیسے بارش، وہ اس کی مقدار، زمانہ اور

جیسے فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی اُمور لے کر اترتے ہیں وغیرہ۔ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے جیسے لوگوں کی روحیں اور اعمال و اقوال، فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں میں جاتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ غرض ہر چیز بھی آسمان سے اترتی ہے اور جو آسمان پر جاتی ہے وہ سب اس کے علم میں ہے اور اسی کے حکم کے مطابق ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں ہو وہ ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے اور کسی وقت بھی تم سے غائب نہیں۔ وہ تمہارے تمام اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے اور اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

آسمان و زمین کی سلطنت اُسی کی ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ۝ (اللیل ۱۳)

دنیا اور آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔

تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزا و سزا دیتا ہے۔ اسی کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں کہ وہ ان کی جزا یا سزا دے۔ وہی رات کو گھٹا کر دن کو بڑا کر دیتا ہے اور دن کو کم کر کے رات کو طویل کر دیتا ہے۔ سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت دن اور رات کی مقدار میں ایک لمحہ بھی کمی بیشی نہیں کر سکتی۔ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں، ارادوں اور وساوس و خطرات سے بھی خوب واقف ہے۔ (مظہری ۱/۱۷۸)

دعوتِ ایمانی

۷-۹۔ آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۙ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا۔ سو تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور (اللہ کی راہ

میں) خرچ کریں تو ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ تمہیں کیا ہوا کہ اللہ پر ایمان
نہیں لاتے۔ حالانکہ (اللہ کا) رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت
دے رہا ہے اور اگر تمہیں یقین ہو تو وہ (اللہ) تم سے پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔
وہی اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ بے شک اللہ تم پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی نجات اور ابدی حیات کا ذریعہ ہے لیکن ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے بعد اچھے کام بھی کرنے چاہئیں۔ انہی میں سے ایک عمدہ کام خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اگرچہ تمام مال اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہی اس کا حقیقی مالک ہے مگر اس نے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس مال کا تمہیں وارث بنایا ہے اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گزشتہ لوگوں کا قائم مقام بنایا ہے۔ پہلے اس مال کے وہ مالک و متصرف تھے، اب ان کی جگہ تم اس کے مالک و متصرف ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور اس میں تصرف کا اختیار ان لوگوں کو ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ سو ایسی فانی چیز کو ضروری اور مناسب جگہ خرچ کرنے سے گریز کرنا نادانی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو اللہ کے ہاں ان کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ واضح دلائل اور نشانیوں کے ساتھ تمہیں دعوت ایمان دے رہے ہیں اور خود اللہ نے بھی تم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا۔ اگر تم اپنے خیال میں اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کہ ایمان لانے کا یہ سب سے بہتر وقت ہے۔ دلائل موجود ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی ہے اور قرآن نازل ہو چکا ہے۔ اس لئے ایمان لانے کا اس سے بہتر کون سا وقت ہوگا۔ رسول کی وساطت کے بغیر اللہ پر ایمان لانا اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ آیت میں میثاق سے یا تو وہ عہد ازلی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے وجود میں آنے والی تمام ارواح کو جمع کر کے اپنی

ربوبیت کے بارے میں لیا تھا، جو قرآن کریم میں الست بربکم قالوا بلیٰ کے الفاظ سے آیا ہے یا اس سے وہ عہد مراد ہے جو سابقہ انبیاء اور ان کی امتوں سے لیا گیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جو اپنے بندے محمد ﷺ پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفیق اور مہربان ہے کہ وہ تمہیں کفر و انکار اور نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ تم کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آجاؤ۔ (مظہری: ۱۸۸۔۱۹۰/۹)

ملکیتِ خاصہ کا مفہوم

۱۰، ۱۱۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٠﴾ مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث تو اللہ ہی کی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ ان سے بڑا ہے جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے۔ پھر اللہ اس کو اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔

تشریح: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ میراث اس ملکیت کو کہتے ہیں جو صاحبِ ملک کے انتقال کے بعد اس کے زندہ رہنے والے وارثوں کو ملتی ہے۔ یہ ملک جبری ہوتی ہے۔ مرنے والا چاہے یا نہ چاہے

ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو میراث کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آج تم اپنے آپ کو جن چیزوں کا مالک سمجھتے ہو ان سب کا حقیقی مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر چونکہ بعض اشیاء اس نے عارضی طور پر تمہاری ملکیت میں دے رکھی ہیں۔ قیامت کے دن تمہاری یہ ظاہری ملکیت بھی ختم ہو جائے گی اور تمام چیزوں کی ملکیت خالصتاً حقیقتاً اور ظاہراً اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس لئے اس وقت مال کی جو ظاہری ملکیت تمہیں حاصل ہے اگر تم اس مال میں سے اللہ کے نام پر خرچ کرو گے تو اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں مل جائے گا اور تمہاری خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

جو کچھ تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، اللہ تمہیں اس کا بہترین بدلہ دے گا
اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (سبا۳۹)

اور ارشاد ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ (نحل۹۶)

جو کچھ مال تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی
رہنے والا ہے۔

مسلمانوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ دوسرے وہ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، جہاد میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں قسم کے لوگ برابر نہیں بلکہ ثواب کے اعتبار سے پہلا گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے۔ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، خاص طور پر جو ابتدائی ایام میں ایمان لائے، ان کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اس کے نتیجے میں مشرکین کی ایذا رسانی جیسے حالات تھے۔ ایسے حالات میں اسلام قبول کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے ان حالات میں اسلام قبول کر کے اپنی جانوں اور اموال کو خطرے میں ڈالا ان کی قوت ایمان اور اخلاص کامل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ آیت کے آخر میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرما کر باہمی فرق مراتب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام

نے دونوں طبقوں سے جنت و مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

پھر فرمایا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خلوص کے ساتھ اس کو بہت عمدہ قرض دے تاکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب بڑھا چڑھا کر بدلہ اور عزت و کرامت والا ثواب عنایت فرمائے۔
(معارف القرآن۔ مفتی محمد شفیع، ۸/۲۹۹-۳۰۰)

ایمان و اعمال کی روشنی

۱۲-۱۵ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

(قیامت کے) دن تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑ رہا ہوگا۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جن میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو، ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لے لیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے

درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف (جدھر کافر ہوں گے) عذاب ہوگا۔ منافق (مومنوں کو) پکار کر کہیں گے۔ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور (ہم پر) مصیبت آنے کا انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے رہے (تمہاری بے جا) آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ حکم الٰہی آپہنچا اور اللہ کے بارے میں دغاباز (شیطان نے) تمہیں دھوکے ہی میں رکھا۔ سو آج تم سے نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ (اب) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے اور (یقیناً) وہ برا ٹھکانا ہے۔

نَقْتَبِسْ: ہم روشنی حاصل کریں۔ ہم فائدہ اٹھائیں۔ اِقْتِبَاسٌ سے مضارع۔

سُوْرٌ: دیوار، فصیل، شہر پناہ۔ جمع اَسْوَارٌ۔

تَرَبَّصْتُمْ: تم نے انتظار کیا، تم نے راہ دیکھی۔ تَرَبُّصٌ سے ماضی۔

اِرْتَبْتُمْ: تم شبہ میں پڑے، تم شک میں پڑے۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

اَمَانِیُّ: جھوٹی آرزوئیں، تمنائیں۔ واحد اُمْنِیَّۃٌ۔

تشریح: قیامت کے روز جب لوگ میدانِ حشر سے پل صراط پر جائیں گے تو ہر طرف اندھیرا ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن مردوں اور عورتوں کو ایمان و عمل صالح کا نور عطا کیا جائے گا جو ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا اور ان کو جنت کی طرف جانے کا راستہ دکھائے گا۔ جس درجے کا ایمان و عمل صالح ہوگا اسی درجے کا نور ملے گا۔ فرشتے مومنوں سے کہیں گے کہ تمہیں ایسے باغوں کی بشارت ہو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ جہاں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ جنت کو فنا ہوگی اور نہ وہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہوں گی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو بقدر اعمال نور عطا کیا جائے گا۔ ان میں سے بعض کا نور پہاڑ کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجور کے درخت کے برابر اور بعض کا کھڑے ہوئے انسان کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور جس کا ہوگا وہ مومن ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔

اس کے برعکس کافروں اور منافقوں کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوگی۔ اس روز جب اہل
ایمان منافقوں سے آگے نکلے جا رہے ہوں گے تو منافق مرد اور عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے کہ ذرا
ٹھہر کر انتظار کرو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے ساتھ چلیں۔ اس وقت ان
منافقین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے اسی تاریک مقام کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے اور
وہیں روشنی تلاش کرو۔ یہ جواب سن کر منافقین تقسیم نور کے مقام پر لوٹ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہیں
پائیں گے۔ پھر وہ لوٹ کر مسلمانوں کی طرف جائیں گے تو مسلمانوں اور ان کے درمیان ایک دیوار
قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اس دیوار کے ایک طرف جہاں مومن ہوں گے
رحمت ہوگی اور دوسری طرف جہاں منافق ہوں گے عذاب ہوگا۔

منافق یہ سوچ کر کہ ہم تو دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ہی چلا کرتے تھے ان کو پکار کر
کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ اب اس مصیبت کے وقت ہمیں اندھیرے
میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ اس وقت اہل ایمان ان کو جواب دیں گے کہ بے شک ظاہر میں تو تم
ہمارے ساتھ تھے لیکن تم نے تو اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال رکھا تھا۔ مسلمانوں کی ذلت و ناکامی کے
منتظر اور ان کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے تھے۔ تمہاری تمناؤں اور شیطان نے تمہیں اللہ کے
بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ سو اے منافقو! آج نہ تمہیں کسی
فدیے یا عوض کے بدلے میں چھوڑا جائے گا اور نہ کافروں کو۔ یہ دوزخ ہی اب تم سب کا ٹھکانا
ہے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ وہی تم سب کی رفیق اور ساتھی ہے۔ کسی اور سے رفاقت کی توقع نہ رکھو۔
(مظہری ۱۹۳-۱۹۷/۹، حقانی ۲۷۳-۲۷۴/۴)

اہل کتاب کی قساوت قلبی

۱۶، ۱۷۔ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا
نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ
قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ
فَاسِقُونَ ۝ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد سے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اُس کے سامنے جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دیں تاکہ تم سمجھو۔

یَأْنِ: وہ آیا۔ اَنِیٌّ اور اِنًی سے مضارع۔

اَمَدُ: مدت، زمانہ دراز۔ جمع آماد۔

قَسَتْ: وہ (دل) سخت پڑ گئے۔ وہ سیاہ ہو گئی۔ قَسْوَۃٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمانوں کے دل سست پڑ گئے تھے، کہ نزولِ قرآن کے تیرہویں سال کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب فرمایا۔

ابن مبارک نے الزہد میں بروایت سفیان بیان کیا کہ اعمش نے کہا صحابہ پر ہجرت سے پہلے ایسی جگہ بڑی تنگ حالی اور تکلیف تھی۔ جب مدینے ہجرت کر کے آ گئے تو یہاں آرام و سکون ملا، اس وجہ سے بعض کاموں میں سستی کرنے لگے، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(روح المعانی: ۹ے/۱ے۴)

تشریح: یہاں مومنوں کو محض خشوع اور عمل صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور خشوع قلب ہی پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر، وعظ و نصیحت، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ سن کر اُن کے دل نرم ہو جائیں، وعظ و نصیحت قبول کریں۔ اللہ کے احکام بجا لائیں اور ممنوعات سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی روش اختیار نہیں کرنی چاہئے جنہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور اس کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت کر دیا، اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال کر اپنی رائے سے فیصلے کرنے لگ گئے، اپنے علما اور درویشوں کی بے سند باتوں کو دین میں داخل کر لیا اور نیکیاں چھوڑ کر برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے اُن کے دل سخت کر دیئے۔ اب اللہ کے احکام سن کر ان کے دل نرم نہیں ہوتے، کوئی وعظ و نصیحت اُن پر اثر نہیں کرتی، کوئی وعدہ و وعید اُن کے دل کو اللہ کی

نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ کو قرض حسن دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔ دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ ان کے لئے آخرت میں بے حساب ثواب اور بڑا اجر ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر پورے اخلاص کے ساتھ ایمان و یقین رکھنے والے ہی صدیق اور شہید ہیں۔ انہی کے لئے اجر ہے اور انہی کو نور دیا جائے گا جو ان کے اعمال کے مطابق ہوگا اور اُن کے سامنے رہے گا۔ یہ لوگ نہایت سکون و اطمینان اور اعزاز و اکرام کے ساتھ اس روشنی میں جنت کی طرف جائیں گے۔ البتہ اہل ایمان میں سے جو گناہ گار سزا کے لئے جہنم میں جائیں گے تو ان کو سزا کے بعد شفاعت یا رحمت خداوندی کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

صدیق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تمام خبروں کو سچا جانتے اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ مجاہد نے اسی آیت کی روشنی میں کہا کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا وہ صدیق اور شہید ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا کہ صدیق کا ایک خاص مفہوم بھی ہے کہ جو لوگ کمالاتِ نبوتؐ کے وارث ہوں اور اتباعِ نبوت کی وجہ سے اُن کے اندر اوصافِ نبوت پیدا ہو گئے ہوں، اُن کو صدیق کہا جاتا ہے۔ آیت

مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ (النساء: ٦٩)

سو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں۔

مذکورہ آیت میں صدیق کے یہی معنی مراد ہیں۔ اس اعتبار سے ہر مومن کو صدیق نہیں کہا جا سکتا بلکہ خاص اوصاف رکھنے والوں کو ہی صدیق کہا جاتا ہے۔

شہداء وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دینے والے ہیں یا قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہ ہوں گے جیسے ارشاد ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء: ٤١)

پھر کیا ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور اے نبی (ﷺ) ہم آپ کو بھی ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ شہداء سے مراد اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب مومن شہید ہیں۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو یہی لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ دوزخ انہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو دوزخ سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔

حیاتِ دنیوی

۲۰-۲۱۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت اور آپس میں فخر کرنا اور مال و اولاد کی کثرت طلب کرنا ہے، جیسے بارش کہ اس کی پیداوار کسانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تم اس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو (کافروں کے لئے) شدید عذاب ہے اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ تم اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑو، جس کی وسعت آسمان و زمین کی مانند ہے، جو ان کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ یہ اللہ کا فضل

ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

غَیْث: بارش۔ جمع غُیُوْث۔

یَھِیْجُ: وہ خشک ہوتا ہے، وہ پک جاتا ہے، وہ تیار ہوتا ہے۔ ھَیْجٌ و ھِیَاجٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چورا چورا۔

تشریح: اہلِ دنیا کو لہو و لعب، زینت و فخر اور مال و اولاد کی بہتات و کثرت کی چاہت کے سوا کچھ غرض نہیں۔ انسان اپنی تمام زندگی ان ہی چیزوں میں مصروف، منہمک رہ کر گزار دیتا ہے۔ بچپن کھیل تماشے میں گزار دیتا ہے اور جوانی، بناؤ سنگھار میں۔ جب عمر کچھ پختہ ہوتی ہے تو مال و اولاد، عزت و جاہ، نام و نمود اور اپنی ساکھ بنانے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور جائز و ناجائز ہر طریقے سے مال جمع کرتا ہے تاکہ اولاد کے کام آئے، عزت بڑھے اور قوم و برادری میں بلند مقام حاصل ہو۔ پس انسان اسی تگ و دو میں اپنی تمام عمر برباد کر دیتا ہے اور کبھی سوچتا تک نہیں کہ جس دنیا کے حصول کے لئے اس نے اپنی ساری عمر وقف کی اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے حالانکہ دنیا کی مثال بارش کی سی ہے، جب برستی ہے تو اس سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اگتی ہیں، جب وہ خوب ہری بھری اور لہلہانے لگتی ہیں تو کاشت کار اس کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے پھر وہ زرد ہو کر خشک ہونے لگتی ہے اور آخرکار بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے اور منتشر ہو کر تباہ ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کا ہے۔ یہ چند روزہ بہار ہے جس سے فریب کھا کر انسان اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ موت کے بعد کوئی چیز کام آنے والی نہیں سوائے عملِ صالح کے۔ جو شخص دنیا سے ایمان و عملِ صالح لے کر گیا اس کے لئے اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے اور جو ایمان کی دولت سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لے کر گیا، اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ یہ دنیا اور اس کا سامان اور متاع تو سراسر دھوکے کا سامان ہے۔ اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں۔ اس لئے انسان کو دنیا میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف مسابقت کرو جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کے برابر ہے۔ مسابقت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عمر، صحت اور قدرت و طاقت کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اس لئے نیک اعمال میں سستی اور تامل و تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بیماری یا عذر آ کر کام کے قابل نہ چھوڑے یا موت ہی آ جائے۔ لہٰذا موت اور بیماری کے آنے سے پہلے پہلے

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ؁

بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ سو ان میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ ہوئے اور اکثر نافرمان۔ پھر ان کے بعد ہم اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور ان کی اتباع کرنے والوں کے دلوں میں شفقت اور مہربانی پیدا کر دی اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی تھی، ہم نے ان پر واجب نہیں کی تھی، لیکن انہوں نے رضائے الٰہی کے لئے اس کو اختیار کیا تھا۔ سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔ پھر بھی ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو ان کا اجر دیا اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پیچھے بھیجا، ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی۔

رَاْفَةً: رحم کرنا، ترس کھانا، نرمی کرنا، مصدر ہے۔

رَهْبَانِيَّةً: دنیا ترک کرنا، گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

تشریح: ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا اور ان دونوں بزرگوں کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔ پس جتنے انبیا اور آسمانی کتابیں دنیا میں آئیں گی وہ سب ان ہی دونوں پیغمبروں کی اولاد میں ہوں گی۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی وہ شاخ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دی گئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں جتنے انبیا مبعوث ہوئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان کے بعد جب ان کی اولاد میں رسول آئے تو ان کی امتوں میں سے بعض تو راہ راست پر آ گئے اور ان

میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہی رہے۔ ان کے بعد بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کے لئے اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔ اصولی اعتبار سے سب کی تعلیم ایک ہی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ سے پہلے اور انبیائے بنی اسرائیل کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی، ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحمت اور محبت و نرمی پیدا کردی۔ اس لئے وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں نے خود ہی رہبانیت کو ایجاد کیا اور اللہ کی رضا کے لئے اختیار کیا تھا حالانکہ یہ اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی پھر وہ اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے۔ ان میں سے بکثرت لوگ نافرمان ہیں۔ اسی لئے دل میں یقین رکھنے کے باوجود خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

اتباع رسول ﷺ کے ثمرات

۲۸۔۲۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚۙ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۠

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا اجر دے گا اور تمہیں ایسا نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل پر ان کو کچھ بھی اختیار نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

شانِ نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ جب آیت اولٰئک یؤتون اجرھم مرتین (القصص: ۵۴) نازل ہوئی تو (مسلم) اہلِ کتاب نے تمام صحابہ پر فخر کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں دو گنا اجر ملے گا اور تمہیں اکہرا۔ صحابۂ کرام کو مسلم اہلِ کتاب کا یہ فخر کرنا گوارا نہ ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تمام مومنوں کے لئے مسلم اہلِ کتاب کی طرح دو گنا اجر ہونے کی صراحت فرما دی۔

(مظہری ۲۰۵/۹)

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر تم اسی طرح ایمان لاؤ۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دو گنا اجر عنایت فرمائے گا۔ ایک اجر حضرت موسیٰ اور توریت یا حضرت عیسیٰ و انجیل پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد ﷺ اور قرآن کو سچا ماننے کا اور تمہیں ایسا نورِ ہدایت عطا فرمائے گا جس سے تمہاری دنیوی زندگی بھی منور و مزین ہوگی اور آخرت میں بھی یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا۔ قیامت کے روز تم اس کی روشنی میں پل صراط پر چلو گے اور اللہ تمہاری مغفرت بھی فرمائے گا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ خطاب ان عیسائیوں کو ہے جو آپ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے اور بعض کے نزدیک اس سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ اوپر شانِ نزول میں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں مسلم اہلِ کتاب کی طرح تمام مومنوں کے لئے دو گنا اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے یایھا الذین اٰمنوا کے مخاطب تمام صحابۂ کرام ہوں گے خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا کہ اس آیت یایھا الذین اٰمنوا میں اہلِ کتاب کو خطاب نہیں بلکہ تمام مومنوں کو ہے۔

پھر فرمایا کہ اہلِ کتاب کو جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر اس کے فضل کا کوئی حصہ اپنے اختیار سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس کا فضل اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح اہلِ کتاب میں سے آپ کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دو گنا اجر و ثواب دینا بھی اسی کا فضل و انعام ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و انعام والا ہے۔ (مظہری ۲۰۵، ۲۰۶/۹)

سورۃ المجادلہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اس مجادلے کا ذکر ہے جو اوس بن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے ظہار کرلینے پر کر رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المجادلہ ہو گیا۔ اسے سورۃ قد سمع اور الظہار بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲۸/۲)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۲ آیتیں، ۴۷۳ کلمات اور ۱۷۷۵ حروف ہیں۔ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کی روایت میں اس کی ایک آیت (مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى) کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن ۱/۲۸)

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں اس جھگڑے کا بیان ہے جو خولہ بنت ثعلبہ کو پیش آیا تھا کہ ان کے شوہر اوس بن صامت نے ظہار کر کے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور وہ شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ کی مجلس میں حاضری کے آداب و احکام، یہود کی بے ہودگی اور منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ سورت کے آخر میں ایمان کی خاص بنیاد اور علامت کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: خولہ بنت ثعلبہ کا واقعہ اور ظہار کے کفارے کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی حدود سے تجاوز کی ممانعت ہے۔

رکوع ۲: منافقین کی سرگوشیاں اور مجلس کے آداب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: ابتداء میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غلبے کا اعلان ہے۔

خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ

۱۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝

(اے نبی! ﷺ) یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ (ﷺ) سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

تُجَادِلُكَ: وہ تجھ سے جھگڑتی ہے۔ مُجَادَلَةٌ سے مضارع۔

تَحَاوُرَكُمَا: تم دونوں کی گفتگو، تم دونوں کے سوال اور جواب۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی انہوں نے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ خدا جو اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے خاوند کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں اسی گھر میں ہونے کے باوجود میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میری جوانی تو ان کے ساتھ گئی، بچے ان سے ہوئے، اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی، بال بچوں کے قابل نہیں رہی تو میرے شوہر نے مجھ سے ظہار کر لیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنی شکایت کرتی ہوں۔ خولہ ابھی جگہ سے بھی نہیں ہٹی تھی کہ جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۱۸)

تشریح: حضرت خولہ کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا۔ انہیں کبھی کبھی جنون سا ہو جاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ظہار کر لیتے تھے۔ پھر جب ٹھیک ہو جاتے تو ایسے ہو جاتے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس دن جب انہوں نے ظہار کیا تو حضرت خولہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پھر اللہ سے شکایت کی۔ اس واقعے سے حضرت خولہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید طلاق ہوگئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکایت کے ازالے کے

نے اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی کہ اے پیغمبر ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں آپ سے جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے اپنے رنج و غم کا اور مصیبت و پریشانی کا شکوہ کر رہی تھی۔ اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا جبکہ خولہ کہہ رہی تھی: یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" میں اس پر حرام ہو گئی اور آپ کہہ رہے تھے کہ اس معاملے میں اللہ کی طرف سے مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور دیکھتا ہے اس نے اس نے ایک مصیبت زدہ عورت کی التجا سن کر اس کی پریشانی سے نجات کا راستہ پیدا کر دیا۔

ظہار کا کفارہ

۲-۴ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـىِٔۡ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں تو وہ ان کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں۔ بلکہ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یقیناً وہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہیں تو وہ ایک غلام آزاد کریں قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ اس لئے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پھر جس کو (غلام) میسر نہ ہو تو وہ لگاتار

روزے رکھے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جو روزے
بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس
کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور کافروں کے لئے
دردناک عذاب ہے۔

یُظٰهِرُوْنَ: وہ ظہار کرتے ہیں، وہ بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں۔ مُظَاهَرَةٌ سے مضارع۔ یہ ظَهْرٌ بمعنی
پیٹھ سے مشتق ہے۔ فقہا نے عورت کے بدن کے ہر اس حصے کو، جس کو کھلا رکھنا حرام ہے،
جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ، ظہر کے حکم میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح بیوی کو، اپنی دادی،
نانی، بہن، پھوپھی، خالہ یا ایسی عورت سے تشبیہ دینا جس سے نکاح کرنا اس پر ہمیشہ کے
لئے حرام ہے، بھی ظہار میں داخل ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اللہ
تعالیٰ نے اس کو طلاق میں شمار نہیں کیا بلکہ اس اُمت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کردیا۔
(مظہری ۹/۲۰۹)

اَلّٰٓئِیْ: وہ (مؤنث) سب، جو، جنہوں۔ اسم موصول۔ واحد اَلَّتِیْ

زُوْرًا: جھوٹ، انحراف۔

تَحْرِیْرُ: تحریر کرنا، لکھنا، آزاد کرنا۔ مصدر۔

رَقَبَةٍ: گردن، جان، غلام۔

تشریح: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو اس سے وہ اُن کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں کہ
اُن کے لئے وہ ماؤں کی طرح حرام ہوں بلکہ اُن کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔
بلاشبہ یہ لوگ ایک جھوٹی اور نامعقول بات کہتے ہیں۔ پس جس عورت نے اُن کو جنا نہیں وہ اُن پر ماں
کی طرح حرام کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ نامعقول بات ایسی نہ تھی کہ اس پر اُن کو معاف کردیا جاتا مگر چونکہ
اللہ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اس لئے اُس نے آئندہ ایسی بات کرنے والوں کو روکنے
کے لئے یہ حکم نازل کردیا کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر وہ اپنی کہی ہوئی
بات کی تلافی کرنا چاہیں تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو
چھوئیں۔ تمہیں اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور اسی حکم کا پابند کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام
کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

ہے۔ تین آدمیوں کے درمیان کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا اللہ نہ ہو۔ نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا اللہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن وہ ان کو ان کے تمام اعمال بتا دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یُحَادُّوْنَ: وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادَّۃٌ سے مضارع۔

کُبِتُوْا: وہ ہلاک کئے جائیں گے، وہ ذلیل کئے جائیں گے۔ کَبْتٌ سے ماضی مجہول۔

نَجْوٰی: سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، راز کی بات کرنا۔ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

تشریح: بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور احکامِ شریعت سے سرتابی کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی ایسے ذلیل و رسوا ہوں گے جیسے ان سے پہلے والے لوگ اپنی سرکشی کے باعث برباد و رسوا کر دیئے گئے۔ ہم نے ایسی واضح اور صاف صاف آیتیں بیان کر دی ہیں اور ایسی کھلی نشانیاں ظاہر کر دی ہیں کہ سوائے اس کے جو سرکش ہو کوئی بھی ان سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایسے کافروں کے لئے دنیا کی ذلت و رسوائی کے بعد آخرت میں بھی بے عزت کرنے والا عذاب ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی یا برائی بھی کسی نے دنیا میں کی ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو اس سے آگاہ کر دے گا کیونکہ اللہ نے ان سب کو محفوظ کر رکھا ہے، اگرچہ یہ لوگ ان کو بھولے ہوئے ہوں گے۔ تم جہاں ہو، جس حالت میں ہو تمہاری کوئی بھی حالت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر زمان و مکان کی اسے ہر وقت اطلاع ہے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ انسانوں کے اعمال تو کیا، کائنات کا ہر ذرہ اس کی نظروں کے سامنے ہے۔ کوئی بھی تین آدمی آپس میں کتنی ہی نہایت پوشیدگی اور رازداری سے باتیں کریں تو وہ ان کو بھی جانتا ہے اور وہ لوگ اپنے آپ کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنے ساتھ چوتھا اللہ تعالیٰ کو سمجھیں اور اگر پانچ شخص تنہائی میں راز دارانہ باتیں کر رہے ہوں تو وہ بھی یہ سمجھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے ان کے ساتھ چھٹا اللہ ہے جو ان کے کلام کو سن رہا ہے اور ان کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے۔ لوگ خواہ اس سے کم تعداد میں سرگوشی کریں یا زیادہ

تعداد میں، ہر حال میں اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے روز وہ اُن کو اُن کے تمام اعمال سے مطلع کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔

(ابن کثیر ۳۲۲/۴)

منافقین کی سرگوشیاں

۸۔۱۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَـيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے منع کیا گیا تھا اور گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ سے سلام کہتے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور اپنے دل میں کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ اُن کے لئے جہنم کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ سو وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ (ایسی) سرگوشی تو شیطانی کام ہے تاکہ مومنوں کو رنج پہنچے اور اللہ کے حکم کے بغیر وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

حَیَّوْکَ: انہوں نے تجھے سلام کیا، انہوں نے تجھے دعا دی۔ تحیۃ سے ماضی۔

شانِ نزول: احمد اور بزار نے اسنادِ جید ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ (سلام کے وقت) یہودی رسول اللہ ﷺ کو سام علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ یہ لفظ کہنے پر اللہ ہمیں عذاب نہیں دیتا (یعنی اگر یہ سچے رسول ہیں تو اللہ ہمیں اس گستاخی پر عذاب کیوں نہیں دیتا) اس پر آیت واذا جاء وک حیوک الخ نازل ہوئی۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد یہود، مسلمانوں کے خلاف کھل کر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ اس لئے جب وہ صحابہؓ کرام میں سے کسی کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی اور خفیہ مشورے کرنے لگتے اور آنے والے مسلمان کی طرف کچھ اشارے کرتے، جس سے آنے والا یہ سمجھتا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سے اس کو رنج اور پریشانی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو ایسی سرگوشی سے منع فرما دیا لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔

یہود جب آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے جو اللہ نے آپ کے لئے استعمال نہیں کیا یعنی السلام علیک کی بجائے سام علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے اور اپنے باطنی خبث کی وجہ سے اپنی اس حرکتِ مذمومہ پر خوش ہوتے اور آپس میں کہتے کہ اگر یہ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہماری اس گستاخی پر ہمیں دنیا میں سزا کیوں نہیں دیتا۔ وہ تو ہمارے باطنی حال سے خوب واقف ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب دینے کے لئے تو جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السام علیکم کہا۔ آپ نے بھی جواب میں وعلیکم فرما دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ نرمی اختیار کرو۔ درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کیا آپؐ نے ان کی بات نہیں سنی۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا۔ میں نے تو ان کی بات ان پر ہی لوٹا دی۔ میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

تاخیر سے آئے تو آپ کے آس پاس کھڑے ہو گئے ۔ آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے جواب دیا، پھر اہل مجلس کو سلام کیا، انہوں نے بھی جواب دیا۔ یہ لوگ اس اُمید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں کہیں جگہ دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آپ نے یہ دیکھا تو بعض لوگوں کو نام لے کر اُن کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور ان بدری صحابہؓ کو بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ جو لوگ کھڑے کئے گئے تھے انہیں یہ بات ناگوار گزری۔

تشریح: اس آیت میں عام مجالس کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی مجلس ہو اور کچھ لوگ مجلس میں شرکت کے لئے بعد میں آئیں تو پہلے سے موجود لوگوں کو چاہئے کہ ان کو جگہ دینے کے لئے سمٹ کر بیٹھ جائیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن کے لئے بھی وسعت پیدا فرما دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی تنگی والے پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا اور اللہ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اسی آیت میں آدابِ مجلس سے متعلق دوسرا حکم یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اُٹھ جاؤ تو اُسے اُٹھ جانا چاہئے۔ اللہ ایسے مومنوں کو نیک نام کرتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں اُن کو با وقار بنا تا ہے اور وہ مومنوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود آنے والا شخص اپنے لئے جگہ بنانے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اُٹھا دے، البتہ صاحبِ مجلس اور منتظمین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ اُٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ دوسری روایاتِ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنے والوں کے لئے ادب یہ ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھسنے کی بجائے کسی کنارے پر بیٹھ جائیں۔ مجلس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان اُن کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔

اُسامہ بن زید لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے

صدقے کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل فرمایا اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔ اسی لئے حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔

اس حکم سے چونکہ صحابہ کرام کو تنگی پیش آئی اس لئے اس کو جلد ہی منسوخ کر دیا گیا۔ البتہ جس مصلحت کے تحت یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ اس طرح حاصل ہو گئی کہ مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ اگر انہوں نے عام مسلمانوں کے طرز کے خلاف کیا تو ان کا نفاق کھل جائے گا۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع۔ ۳۲۷، ۳۲۸/ ۸)

منافقین کی حالت

۱۴۔۱۹ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِم مَّا هُم مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

کیا آپ (ﷺ) نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی، جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔ یہ منافق نہ تمہارے ہیں اور نہ ان کے اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے شدید

دلی دوستی رکھنے والوں کو کفار ہی کے زمرے میں شمار کئے جانے کی وعید آئی ہے۔ البتہ کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، حسن اخلاق سے پیش آنا، ان سے تجارتی و اقتصادی معاملات کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اس لئے یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کیا آپ نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو ان لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا یعنی یہ منافق یہود کے دوست اور خیر خواہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے راز یہودیوں کو بتا دیتے ہیں کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا محض زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی لئے نہ یہ تم میں سے ہیں اور نہ یہود میں سے بلکہ یہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ ان کے کرتوت بہت ہی برے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنی جان و مال اور حفاظت کے لئے اپنے اسلام کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ پھر اس ڈھال کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ یقیناً اللہ کے ہاں ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے۔ ان کو اس گمان میں بھی نہ رہنا چاہئے کہ کوئی تدبیر و ذریعہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا۔ حتیٰ کہ ان کا مال و اولاد بھی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ یہی لوگ جہنم والے ہیں اور ہمیشہ جہنم کے عذاب میں ہی رہیں گے۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کر کے اٹھائے گا تو اس دن یہ لوگ دنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی اللہ کے سامنے اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے، جس طرح وہ یہاں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی اچھی حالت پر ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کی کسی بات میں بھی صداقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی یاد سے بالکل غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی ناکام اور ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات نصیب نہ ہوگی۔

(مظہری: ۳۷۴، ۳۷۳/۸، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۸/۳۵۳)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا غلبہ

۲۰-۲۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۞ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۞ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۗ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۗ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ذلیل ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ قوت والا (اور) غلبے والا ہے۔ آپ ایسی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتی ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کو اپنے نور سے قوت دی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے خوش۔ یہی اللہ کا گروہ ہے۔ خوب سن لو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

یُحَادُّوْنَ۔ وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادَّۃٌ سے مضارع۔

یُوَادُّوْنَ۔ وہ باہم دوستی کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مُوَادَّۃٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، حق سے برگشتہ اور احکامِ الٰہی سے منحرف ہوتے ہیں وہ انتہائی درجے کے ذلیل اور رحمتِ الٰہی سے دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ چکا ہے کہ وہ اور اس کے رسول اور اس کے مومن بندے ہی دنیا

وآخرت میں غالب رہیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

ہم اپنے رسولوں کی اور مومنوں کی ضرور مدد کریں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گناہ گاروں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ان پر لعنتیں برستی ہوں گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا۔ (المومن: ۵۱، ۵۲)

اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا اٹل ہے۔ اس کا لکھا ہوا نہ مٹے گا اور نہ اس میں رد و بدل ہوگا۔ وہ غالب و قہار ہے اور اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ اور روز قیامت پر پوری طرح ایمان و یقین رکھنے والے اللہ والے اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ خواہ وہ اللہ کے دشمن ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی یا ان کے کنبے والے ہی ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی دوست نہ بنائیں۔ ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں۔ (آل عمران: ۲۸)

پھر فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو پختہ اور راسخ کر دیا ہے۔ اب ان کے دلوں میں شک و شبہ آ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان کو غیبی تائید و حمایت اور قوت عطا فرمائی ہے اور ان کو روحانی برکات سے ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہوں گی، ان پر مزید انعام یہ ہوگا کہ ان کی اطاعت و فرماں برداری کی بنا پر اللہ ان سے راضی اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ اللہ سے راضی ہوں گے اور اس کے انعامات پر خوش ہوں گے۔ یہی اللہ کا گروہ ہے جو اس کے دین کا مددگار اور اس کے اوامر و نواہی کا پابند ہے۔ یقیناً اللہ کا گروہ ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے والا ہے۔ (ابن کثیر: ۳۲۹، ۴/۳۳۰)

سورۃ الحشر

وجہ تسمیہ: حشر کے لغوی معنی جلاوطنی کے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت و رسوائی کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ الحشر رکھا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا نام سورۃ بنی النضیر بتایا ہے کیونکہ اس میں بنی نضیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

(بخاری، ج ۲ ص ۷۲۵، روح المعانی ۳۸/۲۸)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۴ آیات، ۴۴۵ کلمات اور ۱۹۱۳ حروف ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے جو کہ ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں بنو نضیر کی جلاوطنی اور ان کی ذلت و شکست کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر کے مسلمانوں کو ان کا وارث بنا دیا حالانکہ یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو حشر یا جلاوطنی اول قرار دیا۔

(مواہب الرحمٰن ۷۵/۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: بنو نضیر کا مدینے سے اخراج اور مالِ فے کے مصارف کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منافقین کے حالات مذکور ہیں۔

رکوع ۳: تقویٰ، فکرِ آخرت کی دعوت، قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ مذکور ہیں۔

بنو نضیر کا مختصر واقعہ

بنو نضیر یہود کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف آباد تھا۔ غزوۂ احد کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا وہ

معاہدہ توڑ دیا۔ جو آپ نے ہجرت کے بعد ان سے کیا تھا۔ اسی غداری پر ان کا قصہ تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینے سے نکال باہر کیا۔ اس معاہدے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا۔ اور بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے لڑنے کے بجائے آپ کے دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے لگے۔ آپ نے ان کو مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا تو پہلے تو انہوں نے انکار کیا۔ جب آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا تو چھ راتوں کے محاصرے کے بعد وہ قلعے سے اتر آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ ایک اونٹ پر جتنا سامان لاد سکتے ہوں وہ لے جائیں اور اپنے گھروں سے نکل جائیں۔ اس طرح بنی نضیر کے لوگ مدینے سے نکل کر ملک شام چلے گئے۔ ان میں سے کچھ خاندان شام کے شہر اذرعات میں اور کچھ اریحا میں آباد ہو گئے۔ البتہ ان کے دو خاندان ایک آل حقیق کا خاندان اور دوسرا آل حیی بن اخطب کا خاندان شام کی بجائے خیبر چلے گئے۔

بنو نضیر کا اخراج

۱ـ۵۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَّخْرُجُوا ۖ وَظَنُّوْٓا أَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَأَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يٰٓأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ أَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۖ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِينَ ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی ہی

گھروں سے نکال باہر کیا۔ یہود کا یہ پہلا حشر اور جلاوطنی تھی، جو آپ کے حکم سے ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی۔ اس سے پہلے اُن کے ساتھ ترکِ وطن کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ دوسری جلاوطنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی، جس میں یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کو بھی جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا گیا اور آپ کے فرمان اخرجوا الیهود و النصاریٰ من جزیرة العرب (یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو) کی تکمیل ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہودی اپنے گھروں سے نکل جائیں گے کیونکہ وہ بہت محفوظ اور طاقت ور تھے اور خود یہود بھی مجبور ہے تھے کہ ان مضبوط اور محفوظ قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن جب اللہ کا عذاب اور حکم اُن پر آیا تو اُن کے مضبوط و محفوظ قلعے اور ہتھیار اُن کے کچھ کام نہ آئے اور وہ جلاوطنی پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا یعنی خوف بٹھا دیا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور اس کام میں مسلمانوں سے بھی مدد لے رہے تھے۔ سو اے اہلِ عقل وبصیرت! اللہ اور اس کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح عذابِ الٰہی سے تباہ وبرباد ہوئے۔ اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھا ہوتا تو وہ اُن کو اس سے بھی شدید عذاب دیتا جیسے پہلی اُمتوں عاد وثمود وغیرہ کو دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ آخرت کے شدید اور دردناک عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ یہ سب اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی اُس کو سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ کھجور کے جو درخت تم لوگوں نے کاٹ دیئے اور جو نہیں کاٹے اور جن کو اُن کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کام اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے ہوا۔ سو جن لوگوں نے ان درختوں کو کاٹا وہ بھی حق بجانب ہیں اور جنہوں نے کاٹنے سے منع کیا وہ بھی حق پر ہیں۔ دونوں کے لئے اجر ہے۔ ایک گروہ کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور دوسرے کی کافروں کو غصہ دلانے اور اُن کو اُن کی شرارتوں کا مزہ چکھانے کی ہے۔ اس لئے دونوں اجر وثواب کے مستحق ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بنی نضیر کا جو کچھ مال اس نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مشقت اٹھانی نہیں پڑی۔ نہ لڑائی لڑنی پڑی اور نہ اونٹ گھوڑے دوڑانے پڑے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اپنے رسول کی ہیبت بٹھا دی اور ان پر غلبہ دے دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نہ اس پر کسی کا غلبہ۔ نہ اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا، بلکہ وہ سب پر غالب اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

(معارف القرآن: ۳۶۶، ۳۶۸/ ۸، مظہری ۲۳۶۔ ۲۳۸/ ۹)

مال فئے کے مصارف

۷۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ نے بستیوں والوں کا جو مال اپنے رسول کو دیا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اس کو لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

دُوْلَةً: ہاتھوں ہاتھ لینا، لین دین، مال کی گردش۔ جمع دُوَلَاتٌ و دُوَلٌ۔

تشریح: جو شہر بھی لڑے بھڑے بغیر فتح کئے جائیں۔ ان میں ملنے والے مال کا یہی حکم ہے کہ وہ:

۱۔ اللہ کا حق ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی خاص حصہ مقرر کیا ہے بلکہ اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۲۔ اللہ کے رسول کے قرابت داروں کے لئے ہے۔ ۳۔ یتیموں کے لئے یعنی ان چھوٹے بچوں کے لئے جن کا باپ مر گیا ہو۔ ۴۔ مساکین یعنی محتاج لوگ۔ ۵۔ مسافر۔ جن کے پاس مال نہ ہو، خواہ وطن میں مالدار ہوں۔

مالِ فے کے مستحقین کا تعین اس لئے کر دیا گیا کہ یہ مال دولت مندوں ہی کی گردش میں نہ رہ جائے اور غریب لوگ محروم رہیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ تمام مال پر رئیس خود ہی قبضہ کر کے مالک ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فے کی تقسیم کے لئے مستحقین کی تعیین فرما دی لیکن ان میں سے کس کو کتنا دیں یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ اس مال میں سے جتنا آپ عطا فرمائیں اس کو رضا و رغبت سے لے لیں، زیادہ کی حرص نہ کریں اور اگر وہ نہ دیں تو اس کی فکر میں نہ پڑیں۔ اگر اس معاملے میں کسی نے غلط بیانی یا حیلے بہانے بنا کر زائد وصول بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ وہ اس کو اس کی سزا دے گا۔

یہ آیت اگرچہ مالِ فے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔ اس لئے اس میں آپ کے احکام اور اوامر و نواہی سب داخل ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ مال یا کوئی اور چیز عطا فرمائیں تو اس کو لے لینا چاہئے یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیں تو اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور آپ ﷺ جس چیز سے روک دیں اس سے رک جانا چاہئے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۸/۳۶۸-۳۷۰، مظہری: ۹/۲۳۸، ۲۳۹)

مالِ فے کے مزید مصارف

۸-۱۰۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۟ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۟

وہ (مالِ فے) ان مفلس مہاجروں کے لئے بھی ہے جو اپنے گھروں اور

مالوں سے نکالے گئے۔ وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور
اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔ اور (وہ مال)
ان کے لئے بھی ہے جنہوں نے اس گھر (مدینے) اور ایمان میں ان سے
پہلے جگہ بنالی۔ جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتا ہے اس سے محبت کرتے
ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے اور
ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو شدید ضرورت ہو اور جس نے
اپنے نفس کو حرص سے بچالیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور (مال)
ان کے لئے بھی ہے جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے
ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم
سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں
کینہ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا شفیق (اور) رحیم ہے۔

یؤثرون: وہ ایثار کرتے ہیں۔ وہ ترجیح دیتے ہیں۔
خصاصۃ: تنگی، بھوک، احتیاج۔ مصدر ہے۔
یوق: اس کو محفوظ رکھا جائے گا۔ اس کو بچایا جائے گا۔ وقایۃ سے مضارع مجہول۔
شح: حرص۔ لالچ۔ کنجوسی۔
غلا: کینہ، عداوت، دل میں چھپی ہوئی دشمنی۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ آیت میں عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر و احتیاج کی بنا پر مال فئے کے مستحقین میں شمار کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اگرچہ یہ مال تمام فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے لیکن ان میں بھی نیک، صالح، دیندار، مخصوص اوصاف و خدمات انجام دینے والے فقراء دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں۔ ان آیات میں صحابہ کرام کے دو طبقات ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔ اپنا گھر بار، مال، جائیداد اور رشتہ داریاں سب کچھ چھوڑ کر مدینے ہجرت کی۔ دوسرے انصار مدینہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ آنے والے مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی اور ان کی ایسی میزبانی کی جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ ان دونوں

صفات کے بعد تیسرا طبقہ ان مسلمانوں کو قرار دیا جو صحابہ کرام کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا اور صحابہ کے نقش قدم پر چلا۔ اس میں قیامت تک آنے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

مہاجرین کے فضائل

۱۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو صرف اس جرم میں اپنا وطن اور مال و جائیداد اور عزیز و اقارب چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا کہ وہ مسلمان اور رسول اللہ ﷺ کے مطیع و مددگار ہو گئے تھے۔

۲۔ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور مال، وطن اور عزیز و اقارب چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی بلکہ صرف اللہ کا فضل اور رضا مطلوب تھی جس سے ان کے کمال اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے کیا۔

۴۔ یہی لوگ قول و فعل کے سچے ہیں۔ ان لوگوں نے ہجرت اور اسلام قبول کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جو عہد کیا تھا اس میں وہ پورے اترے۔

انصار کے فضائل

۱۔ انصار مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا اس میں ان لوگوں کا قیام مہاجرین سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کر کے اس میں جاگزیں ہو چکے تھے۔

۲۔ یہ انصار ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے شہر میں آتے ہیں۔ یہی نہیں کہ انہوں نے مہاجرین کا اپنی بستی میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا بلکہ ان کو اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں ان کو حصہ دار بنایا۔

۳۔ بنی نضیر کے مال میں سے جو کچھ مہاجرین کو دیا گیا انصار مدینہ نے اس کو اس طرح خوشی سے قبول کیا کہ گویا ان کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ بنو نضیر کے اموال فئے حاصل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے انصار مدینہ کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ جو حسن

سلوک کیا وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے اموال آپ کو دے دیئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین و انصار سب میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین بدستور آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں اور آپ چاہیں تو یہ اموال صرف ان بے گھر و بے زر لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھر علیحدہ بسا لیں۔ یہ سن کر انصار مدینہ کے دونوں سرداروں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی بدستور ہمارے مکانوں میں مقیم رہیں۔ یہ سن کر تمام حاضرین انصار بول اٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں۔ اس وقت آپ نے تمام انصار کو دعا دی اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

۴۔ انصار کے لوگ مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور اپنی ضروریات پوری کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ وہ خود حاجت مند اور فقر و فاقے میں ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔

امت کے عام مسلمانوں کے فضائل

تیسری آیت کے مفہوم میں مہاجرین و انصار صحابہ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان شامل ہیں، اور اس آیت نے ان سب کو مالِ فئے میں حق دار قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے فضائل میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کیونکہ صحابہؓ کو ایمان میں ان پر سبقت حاصل ہے اور ایمان و اسلام صحابہ ہی کے ذریعے اُن تک پہنچا۔ اور وہ اپنے لئے یہ دعا کرتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ و نفرت نہ رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد والے جتنے بھی مسلمان ہیں، اُن کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوں۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۷۱۔ ۳۸۱/ ۸)

یہودی مدینے سے نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے قتال ہوا تو یہ اُن کی مدد بھی نہیں کریں گے اور اگر دکھاوے کے لئے انہوں نے کچھ مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اس کے بعد یہ خود ایسے بے یار و مددگار ہو جائیں گے کہ خود ان کو کہیں سے مدد نہ مل پائے گی چہ جائیکہ وہ دوسروں کی مدد کریں۔ یہ پیشین گوئی آپ ﷺ کی نبوت کا ایک معجزہ تھا۔ اس پیشین گوئی کے مطابق بنی نضیر مدینے سے نکالے گئے لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔

منافقوں کی بزدلی

۱۳،۱۴۔ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝

اُن کے دلوں میں تمہارا خوف اللہ (کے خوف) سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے، مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں۔ اُن کی لڑائی تو آپس میں ہی سخت ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ دل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل ہیں۔

رَهْبَةً: ڈر، خوف، رعب۔

بَاْسُهُمْ: اُن کی لڑائی۔

شَتّٰى: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شتیت۔

تشریح: یہ منافقین لوگوں کے ڈر سے بظاہر ایمان تو لے آتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں کفر چھپا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور نہ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے مسلمانوں کا ڈر زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اور نہ اُس کی عظمت کو جانتے ہیں۔ اُن کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ سب نفع و نقصان اللہ کے اختیار میں ہے۔ بندوں کے سارے افعال و اقوال اُسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہر وقت اُسی سے ڈرتے رہنا

چاہئے اور نفاق کی بجائے دل سے ایمان لانا چاہئے۔

یہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ اب یہ ان سے کسی کھلی جگہ میں جنگ نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ لوگ گنجان بستیوں میں محفوظ اور قلعہ بند ہو کر یا شہر پناہ کی دیوار کی آڑ میں رہ کر لڑ سکتے ہیں۔ پس جو قوم ایسی بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ مسلمانوں کو ایسی بزدل قوم سے خائف ہونے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ لوگ بظاہر متحد نظر آتے ہیں مگر ان کے دل متفرق ہیں وہ کسی ایک بات پر نہیں بیٹھتے۔ سب کے خیالات جدا ہیں، ہر ایک اپنی خواہش اور غرض کا بندہ ہے۔ اس کی وجہ ان کی بے عقلی ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ (مظہری ۲۵۰، ۲۵۱/ ۹)

منافقین کی مثال

۱۵۔۱۷۔ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾

ان کا حال تو ان لوگوں جیسا ہے جو ان سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو آدمی سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پھر دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے گئے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

تشریح: بنی نضیر کے یہود کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو قریب کے زمانے میں ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں بھی اپنے کفر اور عداوتِ رسول ﷺ کے انجام کا مزہ چکھ لیا اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں وہ مشرکین مراد ہیں جو بدر میں مارے گئے۔ حضرت ابن

عباس نے فرمایا کہ اس سے بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں جو حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلے والے تھے۔ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ جب ان لوگوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصری لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔

پھر فرمایا کہ شیطان پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کر لیتا ہے اور عذاب خداوندی کو دیکھ کر اپنے کفر کی ذمے داری شیطان پر ڈالتا اور کہتا ہے کہ اس نے مجھ سے کفر کرایا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ پھر آخر کار دونوں کا انجام ایک ہی ہوگا یعنی کفر کرنے والا انسان اور گمراہ کرنے والا شیطان، دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہ جہنم کے عذاب سے کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔ ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس لئے منافقوں کو اپنی حرکتوں سے باز آ جانا چاہئے۔ یہی مثال منافقین کی ہے کہ پہلے تو وہ بنی نضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو یہ ان سے لاتعلق ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔

تقویٰ و فکرِ آخرت کی دعوت

۱۸۔۲۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے (آنے والی) کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو ہی بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہو سکتے۔ اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لا کر اور اُس کی نافرمانیوں سے اجتناب کر کے

اپنے آپ کو آگ کے عذابوں سے بچاتے رہو اور خود محاسبہ کر کے دیکھا کرو کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس وقت کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ اس روز یہی نیک اعمال ساتھ ہوں گے اور وہی کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ وہ تمہارے تمام اعمال و احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ ہے اور نہ بڑا۔ اسی احساس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ ہی ایمان و اسلام کا نکھار ہے۔

تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور دن رات اپنی خواہشات اور دنیا کی لذتوں میں منہمک اور آخرت سے غافل رہتے ہیں اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو بھلا دیا اور ان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق سے محروم کر دیا جو ان کو آخرت میں نفع دیتے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے خارج اور قیامت کے دن نقصان اٹھانے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنتی اور دوزخی برابر نہیں کیونکہ اہلِ جہنم ایسے عذابوں میں مبتلا ہوں گے جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان کے مقابلے میں اہلِ جنت کو ایسی ایسی نعمتیں حاصل ہوں گی جو آج دنیا کے گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ یقیناً اہلِ جنت ہی کامیاب اور اپنی مراد پانے والے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۲۱﴾

کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان داروں اور نیک لوگوں کی مانند کر دیں گے۔ اُن کا جینا اور مرنا یکساں ہے۔ اُن کا یہ دعویٰ بہت ہی برا ہے۔ (الجاثیہ ۲۱)

اور ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾

اندھا اور دیکھنے والا اور مومن و نیک صالح اور بدکار برابر نہیں۔ تم بہت ہی

تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (المؤمن: ۵۸)

اور ارشاد ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝

کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں کی مانند کر دیں گے یا پرہیزگاروں کو فاجروں کی مثل کر دیں گے۔ (ص: ۲۸)

پس کافروں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدکاروں کا مرنا اور جینا برابر کر دے گا۔ یہ دونوں نہ اس دنیوی زندگی میں برابر و یکساں ہو سکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد۔ آخرت میں جو حیات طیبہ ایک مومن صالح کو نصیب ہوگی وہ ایک کافر و بدکار کو کہاں میسر۔

(ابن کثیر: ۳۳۱، ۳۳۲/۴)

قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ

۲۱۔۲۴، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی ہیبت سے پھٹ پڑتا۔ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کو

سورۃ الممتحنہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں مومنہ عورتوں کے امتحان کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ اگرچہ سورت کے شروع میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی مذکور ہے مگر یہ اس واقعے سے موسوم نہیں ہوئی۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ سورتوں کے نام توقیفی ہیں، یعنی جس نام سے واقف کیا گیا ہے وہی اس کا نام رہے گا۔ کوئی شخص اپنے قیاس سے اس کا دوسرا نام نہیں رکھ سکتا۔ اس کو سورۃ الامتحان اور سورۃ المودۃ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲۸/۶۵)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۳ آیتیں، ۳۴۸ کلمات اور ۱۵۱۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر نے کہا کہ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہی سب علماء کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۴۴، روح المعانی ۲۸/۶۵)

اس میں مومنوں کو کافروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے اور ان عورتوں کا ذکر ہے جو اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینے آجائیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کفار سے دوستی کی ممانعت اور اسوۂ ابراہیمی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ترک موالات پر مسلمانوں کو تسلی اور مسلمان عورتوں کے امتحان کا بیان ہے۔

کفار سے دوستی کی ممانعت

۱۔۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاۗءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاۗءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ

جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو دین حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو (تو ان کو دوست نہ بناؤ) تم پوشیدہ طور پر ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جس نے یہ کام کیا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم پر قابو پائیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور چاہنے لگیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئیں گی۔ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

یثقفوکم: وہ تم پر قابو پالیں گے، وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ثقف سے مضارع۔

ارحامکم: تمہاری رشتہ داریاں۔

شان نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر اور مقداد بن اسودؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جب گلستان خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہوگا اس خط کو میرے پاس لے آنا۔ پھر ہم نکل پڑے اور اسی گلستان پر اس عورت کو پایا۔ ہم نے کہا خط نکال۔ کہنے لگی کہ میرے پاس خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا خط نکال کر

دے دے ورنہ کپڑے اُتار۔ آخر اپنے بالوں کے جوڑے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا۔ حاطب نے آپ ﷺ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی۔ آپؐ نے حاطب سے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جلدی نہ فرمایئے۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں سے نہیں ہوں، اُن کے ساتھ ملحق ہوں، آپؐ کے پاس جتنے مہاجر ہیں، اُن کی رشتے داریاں قریشیوں سے ہیں، جس کی بنا پر وہ مہاجروں کے گھر والوں اور اُن کے متروکہ مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری اُن سے نسبی شرکت نہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں، میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہو جانے کی وجہ سے نہیں کی، نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ انہی کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۲۵۹)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو ہرگز دوست نہ بناؤ اور مشرکین سے دوستی کے سبب تم اُن کو رسول اللہ ﷺ کی خبریں نہ پہنچاؤ۔ حالانکہ جو دینِ حق تمہارے پاس آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ وہ نہ اس دین کو مانتے ہیں اور نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ وہ تمہاری دشمنی اور اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ اُن کی دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں محض اس بنا پر مکے سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، جو تمہارا رب ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم میری رضا کے لئے میری راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہو تو پھر دشمن کو دوستی اور خیر خواہی کا پیغام بھیجنے کی بجائے اس کو دشمن ہی سمجھو اور اس سے دشمن جیسا معاملہ کرو۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے اس کی کسی خفیہ بات کا علم نہیں ہوگا۔ میں تمہاری خفیہ اور علانیہ سب باتوں کو خوب جانتا ہوں۔ غرض ایسی باتیں انتہائی ناپسندیدہ ہیں، سو تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔

ان کافروں کا تو یہ حال ہے کہ اگر اُن کا بس چلے اور اُن کو موقع مل جائے تو تمہاری دوستی کی پیش کش کے بعد بھی وہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔ تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے، تمہیں گالیاں دیں گے اور برا بھلا کہیں گے۔ غرض جو کچھ اُن کے امکان میں ہوگا وہ کر گزریں گے بلکہ وہ اپنی تمام تر کوشش اس امر پر صرف کریں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنا لیں۔ وہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں

طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! تو
ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہی
زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ یقیناً تمہارے لئے ان میں عمدہ نمونہ ہے
(خاص طور پر) اس کے لئے جو اللہ کی اور روزِ قیامت کی ملاقات کا اعتقاد
رکھتا ہو اور جو کوئی روگردانی کرے تو اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے۔

تشریح: مومن بندوں کو کفار سے دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے سامنے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کا نمونۂ عمل پیش فرمایا کہ انہوں نے اپنے رشتے، کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم پوجتے ہو بیزار اور بری الذمہ ہیں۔ ہم تمہارے دین اور طریقے سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تک تم اس طریقے اور مذہب پر قائم ہو، ہمیں اپنا دشمن سمجھو۔ تمہارے کفر کے سبب، برادری کی بنا پر تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ ہاں اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے دے اور تم اللہ واحد و یکتا پر ایمان لے آؤ، اس کی توحید کو مان لو اور جن بتوں کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور جن کی پوجا میں تم مشغول رہتے ہو، ان کو ترک کر کے شرک سے توبہ کر لو تو پھر بے شک تم ہمارے بھائی ہو، ہمارے عزیز ہو ورنہ ہم میں اور تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں۔ ہم تم سے علیحدہ اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔

مسلمانوں کو اسوۂ ابراہیمی ہی کی اتباع کرنی چاہئے، سوائے اس قول کے جس میں انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے معافی کی درخواست ضرور کروں گا اور مجھے اللہ کی طرف سے تیرے لئے اس سے زیادہ کسی چیز کا اختیار نہیں۔ یعنی معاف کرنا یا نہ کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ یہ دعا بھی حضرت ابراہیم کے اسوۂ حسنہ میں سے ہے کہ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا اور آخر کار تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرما دے۔ بے شک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

بے شک ان لوگوں کے قول و عمل اور عقیدے میں اس شخص کے لئے نہایت عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے اور آخرت کے دن کا یقین رکھتا ہو، اور جو اس حکم سے روگردانی کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ اللہ بالکل بے نیاز اور حمد کا سزاوار ہے۔

ترکِ موالات پر مسلمانوں کو تسلی

۷-۹۔ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

کیا عجب کہ اللہ بہت جلد تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی اور انصاف کا (سلوک) کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہیں نکالنے والوں کی مدد کریں۔ جس نے ان سے دوستی کی تو وہی ظالم ہیں۔

تَبَرُّوْھُمْ: تم ان سے نیکی کرتے ہو، تم ان سے احسان کرتے ہو۔ برٌّ سے مضارع۔

ظٰھَرُوْا: انہوں نے مدد کی، انہوں نے پشت پناہی کی۔ مُظَاھَرَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ سے یہ ترک موالات تھوڑے عرصے کے لئے ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے موجودہ حالات میں ترک موالات پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اگر اس سلسلے میں کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ سے معافی مانگے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی قدرت اور رحمت سے بعید نہیں کہ جو لوگ آج تمہارے بدترین دشمن ہیں، کل اللہ تعالیٰ انہیں مسلمان کر دے۔ اس طرح تمہارے اور ان کے درمیان

برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا۔ تقریباً سب مکے والے مسلمان ہو گئے۔ کل تک جو ایک دوسرے پر تلوار اُٹھاتے تھے آج وہ ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنھوں نے مسلمان نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں سے معاندانہ اور نامناسب رویہ نہیں رکھا، نہ دین کے معاملے میں اُن سے لڑے اور نہ اُن کو ایذا دینے اور وطن سے نکالنے میں ظالموں کے مددگار رہے۔ اسلام ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آنے سے نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے تو تم تمام کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالنے کی کوشش کی یا نکالنے والوں کی مدد کی۔ جو شخص ایسے ظالموں سے دوستی کرے گا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ (حقانی: ٦٧٦، ٦٧٧/٢)

مسلمان عورتوں کا امتحان

١٠-١١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر وہ تمہیں ایمان

قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزمالینا یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ اگر آزمائش میں کسی دنیاوی غرض کا پتہ چل جاتا تو انہیں واپس لوٹانے کا حکم تھا۔

پھر فرمایا کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آجائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کا خواہش مند ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کافر خاوند نے جتنا مہر اس عورت پر خرچ کیا تھا وہ اس کافر کو واپس کر دے اور اب نیا مہر جو مقرر ہوگا وہ بھی اس کے ذمے ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں پوری کرنے کے بعد عدت گزرنے پر ولی مقرر کر کے اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اسی طرح جس مسلمان کی عورت کفر پر قائم رہے وہ اس عورت کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد جو کافر اس سے نکاح کرے وہ اس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کر دے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہی تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں سے باخبر ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد مسلمان تو کافروں کا حق دینے اور اپنا حق لینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کافروں نے مسلمانوں کا حق دینا قبول نہ کیا۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی عورت کافروں کے پاس چلی جائے اور وہ تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہ کریں تو جب ان میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر جو باقی بچے وہ دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔

(مظہری: ۲۶۳-۲۶۶/۹)

عورتوں کی بیعت

۱۲-۱۳: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا
يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا
يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

اے نبی (ﷺ) جب مومن عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ امور شریعت میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ آخرت کے (اجر و ثواب) سے ایسے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر ان سے ناامید ہیں جو قبروں میں ہیں۔

تشریح: اے نبی ﷺ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنی اولاد کو قتل کریں گی یعنی اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہیں کریں گی اور نہ وہ کسی پر ایسا بہتان لگائیں گی جس کا افترا وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں یعنی جان بوجھ کر غیر کے بچے کو اپنے شوہر سے منسوب نہیں کریں گی اور نہ کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس لئے وہ آپ کی استغفار اور دعا کی برکت سے ان کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور ان کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

اے ایمان والو! ان لوگوں سے بھی دوستی مت کرو جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل فرمایا۔ اس سے مراد یہود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو نبی برحق نہیں مانتے تھے حالانکہ توریت میں آپ کی بشارت موجود تھی مگر وہ آپ ﷺ سے بغض و حسد و دشمنی کرتے تھے۔ جس طرح کفار قبروں کے مردوں کے دوبارہ زندہ ہو کر نکلنے سے نا امید ہیں اور ان کے ثواب پانے کی امید نہیں رکھتے اسی طرح یہود بھی آخرت کی ثواب سے نا امید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں ان کا کوئی حصہ نہیں

سورۃ الصف

وجہ تسمیہ: اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑنا مذکور ہے۔ اسی لئے اس کا نام سورۃ الصف ہو گیا۔ اس کو سورۃ الحواریین اور سورۃ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔

(روح المعانی ۲۸/۸۳)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۴ آیتیں، ۲۲۱ کلمات اور ۹۰۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ ابن عباس، ابن زبیر، حسن، قتادہ، عکرمہ اور مجاہد سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید سے ہوا ہے پھر دشمنانِ اسلام سے متحد و متفق ہو کر جہاد و قتال کی ترغیب و تاکید اور آپ ﷺ کی بشارت مذکور ہے۔ آخر میں اہل ایمان کو ایک نفع بخش تجارت بتائی گئی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۹۹-۳۰۰، روح المعانی ۲۸/۸۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جہاد کی ترغیب، حضرت موسیٰ کی اپنی قوم سے شکایات، آپ ﷺ کی بشارت اور دین حق کے غلبے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: خسارے سے پاک تجارت اور مومنوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار بننے کا حکم۔

جہاد کی ترغیب

۱-۴ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (الاسراء: ۴۴)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو
نہیں سمجھتے۔

یہی کائنات کی ہر چیز کا اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہونا اس کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے۔ بے شک وہ سب سے غالب، زبردست قوت والا اور اپنے تمام احکام و فرامین میں حکمت والا ہے۔

اے ایمان والو! تم اپنے منہ سے ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن اس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض اور بیزار ہوتا ہے جو زبان سے تو بہت کچھ کہے مگر عمل کچھ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹ جاتے ہیں اور میدانِ جنگ میں ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ زبانی دعوے کرنا اور جہاد سے جی چرانا تو منافقین کا شیوہ ہے جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی مدت اور
مہلت دے دیتا۔ (النساء: ۷۷)

حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم سے شکایت

۵۔۶: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ
اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ
مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي

جو شخص ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی کی تابع داری کرے تو ہم اُسے اسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور پھر ہم اُسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اس لئے تمہیں مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں توریت اور حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور دونوں کی تصدیق کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں جو حضرت موسیٰ دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام مبارک احمد ہوگا۔ سو تم ان پر ایمان لانا۔ اگر تم ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم بھی ان یہودیوں کی طرح ہو جاؤ گے جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب وہ عظیم الشان پیغمبر جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اپنے معجزات اور کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

(ابن کثیر: ج ۴، ص ۳۵۹، ۳۶۰، مواہب الرحمٰن: ج ۲۸، ص ۳۱۵)

دینِ حق کا غلبہ

۷ ۔ ۹ : وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک

پہنچا کر رہے گا خواہ کافر برا ہی مانیں۔ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین
حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے خواہ مشرک برا ہی مانیں۔

يُطْفِئُوْا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔ اطفاءٌ سے مضارع۔

يُظْهِرَهٗ: وہ اس کو ظاہر کرتا ہے، وہ اس کو غالب کرتا ہے۔ اظھارٌ سے مضارع۔

تشریح: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف شرک اور صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔ کبھی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت دائمی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ یہ لوگ اللہ کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح کوئی احمق آفتاب کے نور کو منہ سے پھونک مار کر نہیں بجھا سکتا اسی طرح یہ لوگ اللہ کے دین کو جو نور خداوندی ہے منہ کی پھونک یعنی جھوٹی باتوں اور افترا سے ختم نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب اور سربلند کرے گا خواہ اس سے کافروں کو خوشی ہو یا رنج۔ اس کو اس کی کوئی پروا نہیں۔

اسی نے اپنے رسول ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا تاکہ آپ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیں خواہ مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی بری لگے۔ مشرکین کے برا ماننے کی اس کو کوئی پروا نہیں۔ اس نے جو ارادہ کر لیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

خسارے سے پاک تجارت

۱۰-۱۳: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۚ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے۔ (وہ یہ کہ) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (رکھے گا) جو جنت عدن میں ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ ایک اور چیز بھی دے گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

اَدُلُّکُمْ: میں تمہیں بات بتاؤں، میں تمہیں بتاؤں۔ دلالۃ سے مضارع۔

عَدْنٍ: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن تمہارے ذمے یہ ہے کہ تم ایمان و اسلام پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے اللہ کے راستے میں اپنی جانوں اور اموال سے جہاد کرو اور جان لو کہ یہ دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر تجارت ہے۔ یہ ایسی تجارت ہے جس میں نفع ہی نفع ہے، خسارے کا کوئی احتمال نہیں۔ اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے لگا لو کہ اس کا نفع، مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا جہاں صاف و شفاف نہریں جاری ہوں گی اور مومنوں کے لئے صاف ستھرے گھر ہوں گے۔ یہ گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ اس کے علاوہ ایک نعمت اور ملے گی جس کو تم پسند کرتے ہو اور وہ ہے اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ فتح و نصرت کی بشارت اس لئے دی گئی تاکہ مومنین موجودہ تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں اور پورے ایمانی جذبے سے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۱/۴، عثمانی ۶۸/۲)

اللہ کے مددگار

۱۴۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

سورۃ الجمعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں نماز جمعہ کے احکام کا بیان ہے۔ اس لئے یہ اسی نام سے موسوم ہوگئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں، ۱۸۰ کلمات اور ۷۲۰ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب کا قول ہے۔

مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی نماز میں یہ سورت یعنی سورۃ الجمعہ اور سورۃ منافقون پڑھتے تھے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی رات میں مغرب کی نماز میں قل یایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے اور عشا کی نماز میں سورۃ الجمعہ اور المنافقون پڑھتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۲۲، ۳۲۵/ ۲۸۔ روح المعانی ۹۲/ ۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مقاصد بعثت، یہودی کی بے عملی اور ان کے اس جھوٹے دعوے کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔

رکوع ۲: جمعے کی اذان کے بعد کاروبار کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

مقاصدِ بعثت

۲،۱۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ (المفردات ۷۵)

مذکورہ آیت میں تلاوت اور تعلیم کتاب کو الگ الگ ذکر کر کے یہ بتا دیا گیا کہ جس طرح قرآن کریم کے معانی سمجھنا اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود اور عبادت ہیں۔ اگر قرآن کے معانی و مطالب کو قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ یا کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ مضامین و معانی بالکل صحیح اور درست ہی ہوں۔ پس جس طرح قرآن کے معانی و مطالب کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت اور ان کو ٹھیک اسی لب و لہجے پر پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں، بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ نے تمام عمر تلاوتِ قرآن کو جاری رکھا۔ بعض صحابہؓ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بعض دو دن اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔

۲۔ **تزکیۂ نفوس** : تزکیہ کے معنی طہارت کے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اسی طرح باطن کے لئے بھی ہے۔ جس طرح انسانوں کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اسی طرح ان کے باطن یعنی قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں ہیں جیسے کفر و شرک، حد سے زیادہ دنیا کی محبت، بغض، حسد، کینہ، تکبر، عداوت، بخل، غیبت وغیرہ۔ اسی باطن یعنی قلب کی اصلاح کا نام تزکیہ اور طہارت ہے جس سے لوگوں کے دلوں کو شرک اور گندے افکار و اعمال سے پاک و صاف کیا جاتا ہے۔ اسی کو احسان اور تصوف کہتے ہیں۔

۳۔ **تعلیم کتاب** : تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کو جداگانہ فرض اس لئے قرار دیا گیا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ضروری ہے۔ اگر محض زبان کا جان لینا کسی فن کے حصول یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دنیا کے تمام علوم و فنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم و فنون اور کتابوں کی زبان جانتا مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ بڑے فنون تو ایک طرف کسی معمولی فن کو سمجھنے کے لئے بھی زبان دانی کافی نہیں بلکہ استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن جاتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب پڑھ کر کوئی شخص لوہار، بڑھئی، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا، اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارف قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد

رسالت میں ابوجہل، ابولہب اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔ مختصر یہ کہ قرآنی تعلیمات کا صحیح علم صرف رسول ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔

۳۔ **تعلیم حکمت** :۔ عربی زبان کے اعتبار سے لفظ حکمت کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس آیت اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۹ اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۴ کی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین نے حکمت کے معنی سنت رسول بیان کئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح آپ کے ذمے قرآن کریم کا سمجھانا اور اس کی تفسیر و توضیح فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے ان کی تعلیم بھی آپ کے فرض منصبی میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس معلم کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تعلیم دے اور اس کے قوانین کی تشریح و تفسیر بیان کرے۔

پھر فرمایا کہ یہ عظیم احسان پیغمبر جو امی ہے ان دوسرے لوگوں کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے جو ابھی ایمان لا کر پہلے مومن لوگوں میں شامل نہیں ہوئے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں آپ کی عام بعثت کا بیان ہے۔ سب سے پہلے وہ لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے جہاں آپ مبعوث ہوئے اور جنہوں نے ہجرت میں آپ کی مدد کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار فرمایا یعنی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین۔ پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ایمان لائے جن کو والذین اتبعوھم باحسان فرمایا یعنی وہ لوگ جو خوبی کے ساتھ اولین کے تابع ہوئے۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ ہیں جن کا بیان یہاں واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم میں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرین کے ساتھ ابھی نہیں ملے۔ اس سے فارس، روم، چین اور ہندوستان کی قومیں مراد ہیں جو بعد میں اسلامی برادری میں شامل ہو کر انہی میں سے ہو گئیں۔ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت یہ لوگ اہل عرب کے ساتھ نہیں ملے تھے۔ یہ بعثت محمد ﷺ پر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان کو پیغمبری کے لئے چن لیا اور ہادی بنا دیا اور امت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ انہوں نے رسول کی اتباع کی اور رسول نے ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور ان کا تزکیہ کیا اور یہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۴۶۲_۴۶۵/۸، مواہب الرحمن ۳۳۱_۳۳۲/۲۸)

یہود کی مثال

۵۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اُن کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اُٹھائے پھرتا ہے، اُن لوگوں کی بہت بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

الحمار: گدھا۔ جمع حُمُرٌ و حمیرٌ۔

اسفاراً: کتابیں۔ واحد سِفْرٌ۔

تشریح: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے توریت جیسی نعمت عطا کی تھی، انہوں نے اس کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم وفنون کی بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ وہ اُن کا بوجھ تو اُٹھائے پھرتا ہے مگر اسے ان کے مضامین اور اسرار و لطائف کی کچھ خبر نہیں اور نہ اسے ان سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ یہود کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دنیاوی فوائد کے لئے توریت تو لیے پھرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن نہ اس کو پڑھتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے تحت اس میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ ان یہود کی بری حالت ہے جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی تکذیب کی جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں اور تحریفات سے ان احکام کو مسخ کیا جو اللہ نے اُن کو دیئے تھے بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لئے اب ایسے بدبختوں کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

یہود کا باطل دعویٰ

۶-۸۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ

سے نکل کر آخرت کی دائمی راحت اور آرام میں پہنچ جاؤ۔ پھر قرآن نے خود ہی فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کے سبب موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کو عذاب جہنم کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اے نبی ﷺ آپ ان یہود کو بتا دیجئے کہ جس موت سے وہ بھاگ رہے ہیں وہ ایک دن آ کر رہے گی۔ پھر ان سب کو اس رب کی طرف لوٹایا جائے گا جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور وہ ان کو ان کے تمام اعمال کے بارے میں بتا دے گا اور ان کو انہیں کے مطابق بدلہ ملے گا۔

اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار کی ممانعت

۹۔۱۱: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ۨانْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اے ایمان والو جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ جب وہ لوگ سودا بکتا ہوا یا تماشا ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

ذَرُوْا: تم چھوڑ دو۔ وَذَرٌ سے امر۔

اِنْفَضُّوْا: وہ منتشر ہو جاتے ہیں، وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اِنْفِضَاضٌ سے ماضی۔

تشریح: اے ایمان والو! جمعے کے روز جب نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو تم خرید و فروخت اور دوسرے مشاغل چھوڑ کر فوراً اللہ کے ذکر کے لئے چل پڑو۔ اگر تم اس بات کو سمجھو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کیونکہ دنیاوی فوائد اور متاع آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ پھر جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو حسب سابق دوبارہ اپنے کام میں لگ جاؤ اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرو لیکن کاروبار کی طرح اللہ کی یاد سے غفلت نہ کرو بلکہ عین خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے دوران بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔ اس کے برعکس اگر تم نے دنیا کی محبت اور کاروبار کے نفع کی امید میں اللہ کے ذکر اور جمعے کی نماز اور خطبے کو ترک کیا تو اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعے کا خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ عیدین کے خطبے کی طرح جمعے کا خطبہ بھی نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جمعے کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینے کے بازار میں پہنچا اور ڈھول سے اس کا اعلان ہونے لگا۔ اس وقت نماز ہو چکی تھی اور خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے حضرات خطبہ چھوڑ کر بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس نماز اور رسول اللہ کے ساتھ ٹھہرے رہنے کا جو ثواب ہے وہ تجارت اور کھیل سے کہیں بہتر ہے۔ تم نے جس کام کو بہتر سمجھا ہے اس کا نفع تو یقینی نہیں لیکن اللہ کی طرف سے جو ثواب ملنے والا ہے وہ یقینی بھی ہے اور بہت بڑا بھی۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۴۴۸، ۴۴۹/ ۸۔ ابن کثیر ۳۶۶، ۳۶۷/ ۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! دنیاوی ساز و سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا۔ اصل غنا تو دل کا استغنا ہے۔ اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا اس لئے حسن طلب سے کام لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔

حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رزق انسان کو ایسے ڈھونڈتا ہے جیسے موت انسان کو ڈھونڈتی ہے۔ (مظہری ۲۷۲، ۳۰۰/ ۹)

سورۃ المنافقون

وجہ تسمیہ: اس سورت میں منافقوں کے نفاق اور اخلاقی برائیوں کا بیان ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ المنافقون ہے۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں، ۱۸۰ کلمات اور ۹۷۶ حروف ہیں۔

ابن عباس اور ابن الزبیر کی روایت میں ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق سب کے نزدیک مدنی ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۳۵۹/ ۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ پڑھتے تھے اور اس سے مومنوں کو رغبت دلاتے اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون پڑھتے اور اس سے منافقوں کو خبردار کرتے تھے۔ (روح المعانی ۱۰۸/ ۲۸)

اس میں نفاق کی گندگی اور منافقین کی بد خصالی اور بد اخلاقی کا بیان ہے۔ سورت کے آخر میں مومنوں کو ذکر الٰہی اور انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: منافقین کی حالت اور عبداللہ بن ابی کی شرارت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مومنوں کو ذکر الٰہی کی تاکید کی گئی ہے۔

منافقین کی حالت

۱-۲۔ إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

تشریح: اے پیغمبر ﷺ! یہ منافقین آپ کے پاس آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں حالانکہ یہ دل سے آپ کو رسول نہیں مانتے۔ یہ تو محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ گواہی تو اس اقرار و اعلان کا نام ہے جو دل کے اعتقاد و یقین کے ساتھ ہو اور منافق چونکہ دل سے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ان کا یہ کہنا کہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ بات بات میں جھوٹ بولتے اور جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جب ان سے کوئی قابل گرفت بات سرزد ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذے کا خوف ہوتا ہے تو مجاہدین کے ہاتھ اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے اپنی ان قسموں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اور لوگ ان کے ظاہری اسلام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر اور نقصان ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک پھیلتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا۔

یہ لوگ زبان سے تو ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور ایمان کے دعوے کے ساتھ کافروں والے کام کرتے رہے۔ اس فریب اور دھوکہ دہی کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب ان کے دلوں میں ایمان اور حق و صداقت داخل ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اسی لئے اب وہ ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو بہت بھلے اور خوش نما معلوم ہوں گے اور اگر وہ کوئی بات کہیں تو چرب زبانی کی بنا پر آپ ان کی بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہوئی بے جان و بے حس لکڑی کی مانند ہیں کہ دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی سہارے کے بغیر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ان کے موٹے تازے جسم بھی خالی اور بے جان ہیں۔ دوزخ کا ایندھن بننے کے سوا کسی کام کے لائق نہیں۔ ان کی بزدلی کا یہ عالم ہے کہ ذرا کہیں شور و غل ہوا تو دل دہل گئے اور سمجھنے لگے کہ اب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ہے۔ یہی لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہیں۔ آپ ان کی چالوں سے ہوشیار رہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ (عثمانی: ۶۸۹ ـ ۶۹۰/ ۲)

ہو جاتا تو بعض لوگ انہیں سمجھانے کے لئے کہتے کہ اپنی حرکتیں چھوڑ کر راہ راست پر آ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لئے استغفار کی درخواست کرو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا۔ منافقین اس پر آمادہ ہونے کی بجائے غرور و تکبر سے گردن ہلا کر اور سر منکا کر رہ جاتے بلکہ بعض بد بخت تو یہ تک کہہ دیتے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ ان کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت ہرگز نہیں کرے گا۔ بے شک جو لوگ کفر و نفاق میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال تک نہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

یہی منافقین انصار سے کہتے ہیں کہ تم ان مہاجرین پر کچھ خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ہیں۔ تم ان کی خبر گیری کرتے ہو اسی لئے یہ لوگ رسول اللہ کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ اگر تم ان کی خبر گیری چھوڑ دو تو یہ فرقے سے تنگ آ کر ابھی منتشر ہو جائیں گے۔ ایسے ذلیل اور بد اخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہئے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ کیا اللہ اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا اور ان کو رزق نہیں دے گا۔ لیکن یہ منافق اللہ کی شان اور قدرت سے واقف نہیں اس لئے ایسی بات کہتے ہیں۔

یہ غزوہ مریسیع کا واقعہ ہے۔ اس سفر میں عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ نے کہا تھا کہ ہم معزز لوگ مدینے واپس پہنچ کر ان ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے۔ ایک صحابی زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں۔ آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو وہ قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہا ہے۔ لوگ زید کو برا بھلا کہنے لگے وہ سخت نادم اور پریشان تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور آپؐ نے زید کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کر دیا۔

یہ لوگ نہ تو عزت و ذلت کی حقیقت جانتے ہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ عزت و ذلت کس کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت و قوت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں ہی کے لئے ہے لیکن منافقین جہالت و غرور کے سبب اس کو نہیں جانتے۔

(عثمانی: ۷۴۰۔ ۷۴۲/ ۲۔ ابن کثیر: ۳۶۹۔ ۳۷۲/ ۴)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۹ – ۱۱: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُلۡهِكُمۡ أَمۡوَٰلُكُمۡ وَلَآ أَوۡلَٰدُكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِۚ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡخَٰسِرُونَ ۝ وَأَنفِقُواْ مِن مَّا رَزَقۡنَٰكُم مِّن قَبۡلِ أَن يَأۡتِيَ أَحَدَكُمُ ٱلۡمَوۡتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوۡلَآ أَخَّرۡتَنِيٓ إِلَىٰٓ أَجَلٖ قَرِيبٖ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ۝ وَلَن يُؤَخِّرَ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَاۚ وَٱللَّهُ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ۝

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے وہی خسارے میں ہے اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ (حسرت سے) کہنے لگے اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو مخاطب کر کے تاکید کیا گیا ہے کہ تم ان بدبخت یہود کی طرح دنیوی امور اور مال و اولاد کی محبت میں پڑ کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ۔ مال اور اولاد دونوں ایسے ہیں جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ کریں۔ اگر آدمی آخرت کو چھوڑ کر جو باقی رہنے والی ہے، دنیا میں مشغول ہو جائے جو فانی ہے اور غفلت سے مست ہو کر اولاد میں پھنس جائے تو اس کے لئے اس سے بڑھ کر خسارہ کوئی نہیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے جو کچھ صدقہ و خیرات کرنا چاہتے ہو وہ اپنی موت کی علامات ظاہر ہونے سے پہلے پہلے اپنی زندگی میں خرچ کر لو ورنہ موت سر پر آ جانے کے بعد پچھتاؤ گے۔ اس وقت بخیل تمنا کرے گا کہ اے پروردگار! کاش میری موت کو چند روز کے لئے ملتوی

کر دیتا کہ میں خوب صدقہ و خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی عمر لکھ دی ہے اور جو میعاد مقرر کر دی ہے اس کے ختم ہونے پر ایک لمحے کی بھی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہو سکتی اور اللہ تمہارے ظاہری اور باطنی تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ لہٰذا انسان کو جو بھی مہلت میسر ہے اس کو آخرت بنانے میں صرف کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ! کون سی خیرات سب سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں خیرات کرنا افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو، مال کی محبت رکھتے ہو، تمہیں مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہو اور مالداری کے خواہش مند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آ پہنچے اور اس وقت تم کہو کہ اتنا فلاں کو دے دو۔ وہ تو اس (وارث) کا ہو ہی چکا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی ہو یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں وہ مرنے لگے تو موت کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش! میں نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور حج کر لیتا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مظہری: ۳۰۹، ۳۱۰/ ۹)

سورۃ التغابن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی نویں آیت میں لفظ "التغابن" آیا ہے جس کے معنی نقصان پہنچانے کے ہیں۔ اسی کی مناسبت سے یہ سورت التغابن مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۸ آیتیں، ۲۴۱ کلمات اور ۱۰۷۰ حروف ہیں۔ اکثر علما کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے جو ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اس کی ابتدائی آیتیں مکی سمجھتے ہیں۔ (۔۔۔ التغابن ۲۸/۱۱۴، ۔۔۔ روح المعانی ۲۸/۱۲۸)

اس میں توحید، رسالت کا اثبات اور بعث بعد الموت کا بیان ہے۔ رسولوں کی تکذیب اور گزشتہ اقوام کی مثالیں اور بعث بعد الموت کا اثبات اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ایثار و قربانی کی ترغیب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر کفار کی طرف سے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مصیبت کا منجانب اللہ ہونا اور اللہ کی یاد سے غافل رہنے والوں کا بیان ہے۔

تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ

۱۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا

تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اسی کی بادشاہی اور وہی حمد کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا، پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کی تسبیح وتحمید میں مصروف و مشغول رہتی ہے، اسی کی بادشاہت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ نہ کوئی اس کا مزاحم اور نہ کوئی اسے روکنے والا۔ وہی تمام مخلوق کا خالق ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔ اس نے انسان میں اچھائی اور برائی دونوں طرف جانے کی استعداد و قوت رکھی اور سب کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی یعنی کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے اس کا علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اپنے ارادے اور اختیار سے کس طرف جائے گا اور پھر اسی کے موافق انعام و سزا کا مستحق ہوگا۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر، کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دے گا۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت میں ہے کہ قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ (ساری عمر) اہل جنت جیسے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جنت اور ان کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ (تقدیر کا) لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ (مظہری: ۳۱۱/۹)

پھر فرمایا کہ اسی نے آسمانوں اور زمین کو عدل و حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوب صورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ پھر آخر کار تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کا کامل علم ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ اور علانیہ تمام اعمال سے واقف ہے یہاں تک کہ دلوں کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی خوب واقف ہے۔ (عثمانی: ۳-۹۹/۲)

مشرکینِ مکہ کو تنبیہ

۵-۶۔ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوا ۚ وَّاسْتَغْنَى اللَّهُ ۚ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کفر کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ جب ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت کریں گے۔ سو انہوں نے انکار کیا اور (ہدایت) سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز (اور) بڑا تعریفوں والا۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! کیا تمہیں عاد و ثمود وغیرہ قوموں کے حالات اور عذاب و سزا کی خبریں نہیں پہنچیں جو اس سے پہلے کفر و تکذیب کر چکی ہیں اور دنیا ہی میں اپنے کفر و شرک اور اعمالِ بد کی سزا بھگت چکی ہیں۔ آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب اس لئے ہے کہ ان سابقہ امتوں کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزے لے کر آتے تھے لیکن انہوں نے یہ کہہ کر حق کی مخالفت اور تکذیب کی کہ ہم ہی جیسا آدمی ہمارا ہادی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا حالانکہ پیغمبروں کا بھیجنا تو اس کی مہربانی اور احسان ہے۔ سو انہوں نے کفر کیا اور حق سے منہ موڑ لیا۔ ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی حیثیت ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کو کسی

کی تعریف کی حاجت نہیں وہ ہر حال میں ہر چیز سے بے نیاز اور حمد وثنا کا سزاوار ہے۔

موت کے بعد یقینی طور پر زندہ ہونا

۷۔۸۔ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

کافروں کا خیال ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے ہاں خدا کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب تمہیں بتا دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ سو تم اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

تشریح: کفار ومشرکین رسالت کی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بھی منکر ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اُن کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ خدا کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے چھوٹے بڑے، اچھے برے اور کھلے چھپے تمام اعمال تم پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور تمہیں اعمال کا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان ہے کیونکہ اُس کی قدرت کامل ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں۔ سو تم اللہ پر، اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قسم کھا کر حقانیت بیان کرنے کے لئے فرمایا۔ اس سے پہلے سورۂ یونس میں ہے:

وَيَسْتَنْۢبِـُٔـوْنَكَ اَحَقٌّ ھُوَ ڼ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (سورۂ یونس:۵۳)

اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی قسم! وہ حق ہے اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

اور ارشاد ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي
لَتَأْتِيَنَّكُمْ (سورۂ سبا : ۳)

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں
میرے رب کی قسم ! یقیناً اور بالضرور آئے گی۔

سو جب حشر اور قبروں سے اٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو تم اللہ پر اور اس کے رسول پر اور
اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

نقصان اُٹھانے کا دن

۹-۱۰ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ۖ ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَن يُؤْمِن
بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ ہار جیت کا دن ہوگا
اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اس نے اچھے کام کیے تو اللہ اس کے گناہ دور
کر دے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں
جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور جن
لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں ، ہمیشہ اسی میں
رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

التَّغَابُن : ظاہر کرنا نقصان پہنچانا۔ مصدر ہے۔

يَوْمُ التَّغَابُنِ : نقصان اٹھانے کا دن ، فیصلے کا دن ، قیامت کا دن ۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوم التغابن
قیامت کا ایک نام ہے۔

اَلْمَصِيْرُ : لوٹنے کی جگہ ، ٹھکانا۔ صَيْرٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کرے گا۔ اس لئے اس کا نام یوم الجمع ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور اُن کے حاضر ہونے کا دن ہے۔ (ہود: ۱۰۳)

یہی ہار جیت اور خسارے کا دن ہے۔ اس دن کافر اور نافرمان ذلیل و ناکام ہوں گے اور مومن و فرماں بردار کامیاب و سربلند ہوں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کی برکت سے اُن کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (ابن کثیر ۳۷۴، ۳۷۵/۴)

عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (جنت کے اندر) مومن اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بدنصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے۔ جنت کے اندر کافروں کے یہ وہی مکان ہوں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان اُن کو عطا کیے جاتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (آخرت میں) تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہوں گے۔ ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جائے گا تو اس کے جنت والے مکان کے مالک اہل جنت ہوں گے۔ آیت اولئک هم الوارثون کا یہی مطلب ہے۔ (مظہری: ۳۱۳/۹)

مصیبت کا اللہ کی طرف سے ہونا

۱۱-۱۳۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ
اُس کے دل کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔
(لوگو!) اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو
ہمارے رسول کے ذمے تو صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تشریح: دنیا میں انسان کو کوئی بھی مصیبت، سختی، پریشانی، رنج و تکلیف، بیماری، کاروبار میں نقصان وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہیں پہنچتی۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو مصیبت آنے والی ہے وہ ٹلتی نہیں، آ کر رہتی ہے اور جو مصیبت آنے والی نہیں وہ کبھی نہیں آئے گی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ وہ دلوں کے احوال بھی جانتا ہے۔

ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجئے تاکہ اللہ میرے دل سے شبہے کو دور فرما دے۔ حضرت ابی نے فرمایا: اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم قرار نہیں پائے گا اور اگر ان پر اپنی رحمت کرے تو اُس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو گے تو جب تک تقدیر پر تمہارا ایمان نہیں ہوگا، اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ جان لو کہ جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے عقیدے پر) تم مر جاؤ گے تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔ (مظہری: ج ۹، ص ۳۱۲)

پھر فرمایا کہ تم نرمی، سختی، راحت و آسائش، خوشی اور رنج ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اگر ایسا نہ کرو گے تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ رسول کا کام تو تبلیغ دین تھا سو وہ کر چکے۔ اب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد و صمد اور ہر طرح کی عبادت کے لائق ہے۔ اُس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں۔

محفوظ رہا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ تمہارے لئے اسے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ بڑا قدر دان (اور) بڑا بردبار ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

یُوْقَ: اس کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو بچایا جائے گا۔ وِقَایَۃٌ سے مضارع مجہول۔

شُحَّ: حرص، لالچ، کنجوسی۔ وہ بخل جس میں حرص ہو اور جو عادت بن جائے۔

یُضٰعِفْهُ: وہ اس کو بڑھا دے گا۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اتقوا اللہ حق تقاتہ (آل عمران: ۱۰۲) نازل ہوئی تو لوگوں کے لئے اس کے حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گیا۔ راتوں کو نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں سوج جاتے اور کثرت سجود سے پیشانیاں زخمی ہونے لگیں۔ اس پر آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کے لئے سابقہ حکم میں تخفیف کر دی گئی۔ (مظہری: ۳۱۹/۹)

تشریح: تقویٰ اختیار کرنے میں تم اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرو، اس کی نصیحتوں کو سنو اور اس کے احکام پر چلو اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو۔ جو لوگ اپنے آپ کو اپنے نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچائیں تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے مال میں کمی آ جائے گی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے پاک صاف مال خرچ کرو گے تو اللہ تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا اور اس کی برکت سے تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور اللہ قدر دان ہے کہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے میں بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔ وہ بہت ہی بردبار اور تحمل والا ہے کہ گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تمام ظاہر و پوشیدہ اعمال کو جاننے والا ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

(عثمانی: ۶۹۰، ۶۹۱/۲، ابن کثیر: ۳۷۶، ۳۷۷/۴)

سورۃ الطلاق

وجہ تسمیہ: اس سورت میں احکامِ طلاق تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ الطلاق ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۹ کلمات اور ۱۰۶۰ حروف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں احکامِ طلاق، احکامِ عدت اور نفقہ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸/۲۴۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: طلاق دینے کا طریقہ، بیوہ کی اور حاملہ عورت کی عدت، نفقہ اور رہنے کی ذمہ داری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: عورتوں کے حقوق کا تحفظ اور اللہ کے علم و قدرت کا بیان ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ

۱۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا

پروردگار ہے۔ تم ان کو (ان کی عدت میں) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں،
ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو ان کو نکال دو)۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں
اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ آپ کو کیا
معلوم شاید اب (طلاق) کے بعد اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے قتادہ کی وساطت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت حفصہ اپنے گھر چلی گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے حضرت حفصہؓ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (طلاق سے) رجوع کر لیا کیونکہ حضرت حفصہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھیں۔ (مظہری ۔ ۳۱۶/۹)

تشریح: اس آیت میں خطاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حکم عام ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری کے تحت اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کو زمانۂ عدت میں طلاق دے۔ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ حیض سے پہلے والے طہر میں طلاق دی جائے تاکہ سارا حیض گنتی میں آ جائے اور اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔ مرد اور عورت دونوں کو چاہئے کہ وہ عدت کو یاد رکھیں تاکہ غفلت اور بھول کی وجہ سے کوئی بے قاعدگی نہ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ طلاق اور عدت کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے۔ لہٰذا نہ تو حیض کے دنوں میں طلاق دو اور نہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دو۔ عدت کے دنوں میں مطلقہ کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمے ہے اس لئے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو ورنہ طلاق کے بعد ان پر زیادتی کرو اور ان کا نان نفقہ روکو جس کے سبب وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں۔ عدت چونکہ نکاح سے متعلق ایک شرعی حکم ہے اسی لئے عورت عدت کے دنوں میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ مطلقہ عورتوں کو خود بھی اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہئے کیونکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ عدت کے دنوں میں گھر ہی میں رہے۔ لہٰذا اس کا باہر نکلنا اللہ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہوگا۔ اگر وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں، مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں، بد مزاجی، بدکلامی و لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو ایسی صورت میں خاوندوں کے لئے ان کو گھروں سے نکالنا جائز ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود اور اسی کے بتائے ہوئے احکام ہیں جن کی پابندی لازم ہے اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے اوپر ظلم

(ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان
(عورتوں) کی عدت بھی یہی (تین ماہ) ہے جن کو ابھی حیض آنا شروع ہی
نہیں ہوا اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا
ہے تو اللہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری
طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے گناہوں کو دور
کر دے گا اور اس کو بڑا اجر بھی دے گا۔

اَلّٰئِیْ: وہ سب۔
یَئِسْنَ: وہ مایوس ہو گئیں، وہ ناامید ہو گئیں۔ یأس سے ماضی۔
اِرْتَبْتُمْ: تم شبہ میں پڑے۔ ارتیاب سے ماضی۔

تشریح: جس طرح ایام والی عورت کی عدت تین حیض ہے اسی طرح جن بوڑھی عورتوں کے ایام بڑی عمر کے سبب بند ہو گئے ہوں اور اب ان کو حیض آنے کی امید نہ رہی تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اگر تمہیں ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت کی مدت تین مہینے یاد رکھو۔ اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ ان کو ایام آئیں تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ اس کے بعد حاملہ عورت کی عدت بیان فرمائی کہ اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ وضع حمل طلاق یا خاوند کی موت کے فوراً بعد ہو جائے۔

جو شخص احکامِ خداوندی کی تعمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے دنیا و آخرت کے امور میں آسانی پیدا کر دیتا ہے اور اس کو بھلائی اور خیر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ سو جو شخص احکامِ خداوندی کی تعمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور اس کے اجر و ثواب کو بڑھا کر کئی گنا کر دیتا ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ہود: ۱۱۴)

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

سُکنیٰ اور نفقے کی ذمے داری

۶۔۷: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ۝

تم اپنی وسعت کے مطابق ان کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، پھر اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم باہم کشمکش کروگے تو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے اور جو تنگ دست ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اُس نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ تنگی کے بعد بہت جلد فراغت بھی دے دے گا۔

تُضَیِّقُوْا: تم تنگی کرو۔ تَضْیِیْقٌ سے مضارع۔

اِئْتَمِرُوْا: تم مشورہ کرلیا کرو، تم موافقت رکھو۔

تَعَاسَرْتُمْ: تم نے ایک دوسرے پر تنگی کی۔ تَعَاسُرٌ سے ماضی۔

قُدِرَ: اُس کی روزی تنگ کردی گئی۔ قَدْرٌ سے ماضی مجہول۔

عُسْر: تنگی، سختی، دشواری۔

تشریح: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت گزر جانے تک اُس کو رہنے کے لئے اپنا مکان

دے کیونکہ شکنی کی وجہ سے وہ اس کی مستحق ہے کہ تمہارے مکان میں رہے اور سکنی اس کو کہتے ہیں کہ مرد عدت کے زمانے میں عورت کو رہنے کے لئے مکان دے۔ ظاہر ہے کہ رہائش کے ساتھ اس کو نفقہ بھی مہیا کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کو تکلیفیں دے کر اتنا تنگ اور پریشان نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا تم نے طلاق دی، عدت سے ایک دو روز پہلے رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے کے قریب پھر رجوع کر لیا تاکہ وہ درمیان میں لٹکی رہے۔

عام حالات میں تو عدت تین ماہ میں پوری ہو جائے گی لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو چونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے، اس لئے وضع حمل تک اس کا نان نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد چونکہ احکام زوجیت باقی نہیں رہے اس لئے بچے کو دودھ پلانا بھی اب عورت کے ذمے نہیں رہا۔ ایسی صورت میں اگر عورت تمہاری اولاد کو دودھ پلائے تو اس کو دودھ پلانے کی اُجرت ادا کرو اور اُجرت کا تعین دونوں آپس کے مشورے اور اچھے طریقے سے دستور کے مطابق مناسب طور پر طے کر لیں۔ اس میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے مثلاً باپ کم اُجرت دینا چاہتا ہے جو بچے کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زیادہ اُجرت مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ باپ کسی اور دایہ کو اُجرت دے کر بچے کو دودھ پلوائے۔ البتہ جو اُجرت دوسری دایہ کو دینا منظور کی جائے اگر اسی اُجرت پر اس بچے کی ماں رضامند ہو جائے تو وہ زیادہ مستحق ہے۔

پھر فرمایا کہ بچے کے باپ یا ولی کو چاہئے کہ وہ بچے کی تربیت پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے یعنی وسعت والا اپنی وسعت و فراخی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تم تنگی کی حالت میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو وہ بہت جلد تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔
(ابن کثیر: ۴/۳۸۲،۳۸۳)

عورتوں کے حقوق کا تحفظ

۸۔۱۱: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اُس کے رسولوں سے سرتابی کی، تو ہم نے بھی اُن سے سخت حساب لیا اور اُن کو بڑی بھاری سزا دی۔ پھر اُنہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور انجام کار اُن کا خسارہ ہی ہوا۔ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے عقل مند مومنو اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقینا اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت بھیج دی۔ ایک رسول جو تمہیں اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں، تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اُس کو خوب رزق دیا۔

كَاَيِّنْ: بہت سے، کتنے ہی، اسم تکثیر ہے۔

عَتَتْ: وہ حد سے گزر گئی، اُس نے سرکشی کی، اُس نے انکار کیا۔

خسرا: خسارہ، بےجا ہونے کا نقصان۔

تشریح: اور تم آپ کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھو۔ اگر تم ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو یاد رکھو کہ کتنی ہی بستیوں کے باشندوں نے اپنے رب کے حکم اور رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے بھی ان کو حساب میں پکڑ لیا اور ان سے بہت ہی سخت حساب لیا اور ان کو بڑی سخت اور ناقابل برداشت سزا دی۔ غرض انہوں نے دنیا ہی میں اپنے اعمال کے وبال کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار وہ خسارے ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی ان کے لئے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ سو اے ایمان والو! عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرکشی نہ کرو تاکہ تم اس عذاب سے محفوظ رہو جو سرکش بستیوں پر آ چکا ہے۔

بے شک اللہ نے قرآن بھیجا، اور ایک ایسا رسول تمہارے پاس بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کے واضح اور صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ تاکہ وہ مومنوں اور نیک کام کرنے والوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آئے۔ جو شخص ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ نے ان کو بہت ہی اچھی روزی عنایت فرمائی ہے۔ (حقانی ۲/۷ ۱۱)

اللہ کا علم و قدرت

۱۲: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۠

اللہ وہی تو ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمینیں بھی۔ ان میں اس کے احکام نازل ہوتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا خالق ہے۔ جیسے ارشاد ہے

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ (نوح ۱۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اوپر نیچے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی اوپر نیچے پیدا کی ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا تو قیامت کے روز اُسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔

ان آسمانوں اور زمینوں کے اندر امرِ خداوندی اور قضائے الٰہی جاری اور نافذ ہے۔ آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان، سب کے لئے تکوینی احکام اور شرعی ہدایات ہیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور علم کے لحاظ سے اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر: ۴/۳۸۸)

سورۃ التحریم

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شانِ نزول میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مباح چیز یعنی شہد اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام التحریم ہو گیا۔ اس کو سورۃ المحرم، سورۃ لم تحرم، سورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲۸/۱۴۵)

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۰ کلمات اور ۱۰۶۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علماء کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۸/۱۳۵)

اس سورت میں بعض ایسے فطری جذبات کا بیان ہے جن کے باعث عائلی زندگی کا اعتدال و توازن ختم ہو سکتا ہے یا اس سے تفریق و جدائی کی بھی نوبت آ سکتی ہے۔ ایک خاص واقعے کا بھی ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف سے پیش آیا تھا اور اس کی مناسبت سے بعض احکام و ہدایات کا بھی بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کی ممانعت، اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آتشِ جہنم سے بچانے کی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔

رکوع ۲: سچی توبہ اور کفار پر سختی کی تاکید اور فرعون کی بیوی کی خصوصیات مذکور ہیں۔

حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت

۱، ۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

اے نبی (ﷺ)! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا، آپ اس کو حرام کیوں کرتے ہیں (کیا) آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

تحِلَّةَ: حلال کرنا، کھولنا، قسم کا کفارہ ادا کرنا۔ مصدر ہے۔

اَیْمَانِکُمْ: تمہاری قسمیں۔ واحد یمین۔

شانِ نزول: صحیحین میں حضرت عطا کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ عبید بن عمیرؓ نے کہا کہ میں نے خود سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے، میں نے اور ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مشورے سے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے آپ (ﷺ) کی طرف سے کچھ مغافیر (ایک قسم کا گوند) کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو اس بی بی نے (مشورے کے مطابق) وہی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے زینب بنتِ جحشؓ کے پاس شہد کا شربت پیا تھا۔ آئندہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۳۳۵)

تشریح: ان آیات میں اس واقعے کا ذکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو قسم کے ذریعے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ نے یہ کام ازواجِ مطہراتؓ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا اور اس معاملے میں ان کو راضی کرنا آپؐ پر لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے شفقت و عنایت کے طور پر فرمایا کہ اپنی ازواج کی دل جوئی کے لئے آپ اپنے اوپر ایک حلال چیز کو حرام کیوں کر لیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال بنانے اور قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھالے تو وہ کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ اللہ ہی تمہارا کارساز اور مددگار ہے اور وہی ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن سے تمہاری اصلاح ہو۔ اس کا ہر کام اور حکم حکمت سے پُر ہے۔ (مظہری: ۳۳۶-۹/۳۳۸)

آپ ﷺ کے ایک راز کا افشا

۳ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اور جب نبی (ﷺ) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات پوشیدہ طور پر کہی۔ پھر جب اس بیوی (حفصہؓ) نے وہ بات (دوسری بیوی عائشہؓ کو) بتا دی تو اللہ نے وہ (بات) نبی پر ظاہر کر دی اور نبی نے کچھ بات تو (اس بیوی کو) بتا دی اور کچھ ٹال گئے۔ پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر کر دی تو کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے اس نے بتایا جو بڑا جاننے والا (اور) بڑا خبر رکھنے والا ہے۔

اَسَرَّ: اس نے آہستہ سے بات کی، اس نے سرگوشی کی، اس نے چھپایا۔ اسرار سے ماضی۔

نَبَّأَتْ: اس عورت نے خبر دی، اس نے آگاہ کیا۔ تنبئۃ سے ماضی۔

تشریح: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی کہ میں نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اس بیوی سے یہ بھی فرما دیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو تا کہ حضرت زینبؓ کو اس سے رنج نہ پہنچے تو اس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دی کہ اس نے آپ کا راز فاش کر دیا تو آپ ﷺ نے اس بیوی سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا لیکن اس کو پوری بات نہیں بتائی۔ یہ آپ کا حسنِ خلق تھا۔ اگر آپ پوری بات بتا دیتے تو ان کو زیادہ شرمندگی ہوتی۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کر دیا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا تو حضرت حفصہؓ نے کہا کہ آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ ﷺ کا راز فاش کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی اطلاع اس اللہ نے دی جو علیم و خبیر ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہؓ کے راز فاش کرنے پر آپ ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا تھا مگر اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو ان کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز پڑھنے والی اور بہ کثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری: ۳۳۹،۳۴۰/۹)

حضرت عائشہ و حفصہؓ کو توبہ کی تاکید

۴۔۵: إِن تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا ۖ وَإِن تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ۝ عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ۝

اگر تم اللہ سے توبہ کرو (تو یہی بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں۔ اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً ان کا کارساز اللہ اور جبرائیل اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں۔ اگر نبی تم سب کو طلاق دے دیں تو بہت جلد ان کا رب تمہارے بدلے میں ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو مسلمان، ایمان والیاں، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں (بعض) بیوہ اور (بعض) کنواریاں (ہوں گی)۔

صَغَتْ: وہ جھک گئی، وہ مائل ہو گئی۔ صَغْوٌ اور صَغْیٌ سے ماضی۔

ظَهِيرٌ: پشت پناہی کرنے والا، مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

قٰنِتٰتٍ: فرماں بردار عورتیں، اطاعت گزار عورتیں۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل۔

تٰٓئِبٰتٍ: توبہ کرنے والیاں، باز آنے والیاں۔ تَوْبَةٌ سے اسم فاعل۔

سٰٓئِحٰتٍ: سیاحت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ سِیَاحَةٌ سے اسم فاعل۔

ثیبٰت: شادی شدہ عورتیں۔ بیوہ عورتیں، لوٹ آنے والیاں۔ واحد ثیبۃ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر تم دونوں نے اللہ سے توبہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا اور تم پیغمبر کی مرضی کے خلاف باہم تعاون کرتی رہیں تو یہ دیکھو کہ اس میں صرف تمہارا ہی نقصان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ آپ ﷺ کا مولیٰ اور رفیق تو اللہ ہے اور جبرائیل امین اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔

آپ ﷺ کی ازواج کا گمان تھا کہ اگر ہمیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو شاید ہم جیسی دوسری عورتیں نہ ملیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو ان کا رب ان کو تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرما دے گا کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ ایسی عورتیں اللہ کی فرمانبردار، پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں، نماز پڑھنے والیاں، گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، اللہ کی عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی اور ان میں سے کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، ۸/۴۹۹-۵۰۱)

آتشِ جہنم سے بچاؤ کا حکم

۶-۷۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جس پر سخت دل، تند خو فرشتے مقرر ہیں۔ جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو (بھی) حکم دیا جاتا ہے وہ اس کو بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو! آج بہانے نہ بناؤ۔ تمہیں اسی کی سزا دی جا رہی ہے جو تم کرتے تھے۔

اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارا رب تم سے دور
کر دے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری
ہیں۔ اس دن اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں
کرے گا۔ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔
وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے نور کو پورا کر دے اور ہماری
مغفرت فرما دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

نصوحًا: سچی، خالص، صاف، پکی۔ نُصح سے ماخوذ ہے۔

یُخزی: وہ ذلیل کرے گا، وہ اس کو رسوا کرے گا۔ اِخزاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرو۔ اپنے کئے پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ آئندہ ایسی خطاؤں اور گناہوں کے نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرو۔ وہ بڑا غفور و رحیم اور قادر مطلق ہے۔ چاہے تو گناہوں پر گرفت فرمائے اور چاہے معاف فرما دے۔ اس لئے امید ہے وہ تمہارے گناہ سچی توبہ سے معاف فرما دے گا اور اپنے فضل اور مہربانی سے تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ہر قسم کی راحت اور ہر طرح کی نعمت موجود ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کو شرمندہ نہیں کرے گا بلکہ ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا اور پل صراط پر ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ اس وقت یہ لوگ منافقوں کا نور بجھتا ہوا دیکھ کر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو آخر تک قائم رکھ اور ہماری تمام خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کفار پر سختی کی تاکید

۹، ۱۰۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۗ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا
فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۝

فرعون کی بیوی کی فضیلت

۱۱، ۱۲: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اللہ مومنوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات دے اور (اللہ) عمران کی بیٹی مریم کی (مثال بیان فرماتا ہے) جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچا جانا اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

اَحْصَنَتْ: اس نے حفاظت کی وہ پاک دامن رہی اس نے بچایا۔ احصان سے ماضی۔

القٰنِتِیْنَ: فرماں بردار، عبادت گزار، خاموش۔ قنوت سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ روئے زمین کے تمام لوگوں میں فرعون سب سے زیادہ سرکش تھا لیکن اس کی سرکشی اور کفر نے بھی اس کی بیوی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے۔ وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آگئے اور اس سے متاثر ہو کر فرعون کی بیوی آسیہ ایمان لے آئیں۔ جب فرعون کو ان کے اسلام کی اطلاع ملی تو وہ ان کو طرح طرح سے تکلیفیں دینے لگا۔ حضرت آسیہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! اپنے پاس جنت میں میرے لئے ایک مکان بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کی ایذا رسانی اور اس کے کفر و شرک سے محفوظ رکھ اور مجھے ان لوگوں سے نجات دے جنہوں نے کفر و معصیت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی ہے، کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں۔ ہم نے اپنے فرشتے جبرائیل کے ذریعے اُن میں روح پھونکی۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی صورت میں آ کر اپنے منہ سے اُن کے گریبان میں پھونک ماردی۔ اسی پھونک سے وہ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت مریم علیہا السلام اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو حق ماننے والی تھیں۔ وہ اطاعت شعار، عبادت گزار اور پوری طرح فرماں بردار تھیں۔ اس طرح یہ دونوں عورتیں یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران دنیا میں مومن عورتوں کے لئے نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان و تقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔

احمد، صحیحین، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل مرد تو بہت ہیں، کامل عورتیں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے، اور کوئی نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید (عربوں کا معروف اور عمدہ کھانا) کی برتری۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ زوجہ فرعون تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی صرف یہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

(ابن کثیر: ۳۹۳،۳۹۲/۴، مظہری: ۹/۳۴۷)

خوش خبری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کافروں کو عذاب کی تہدید اور مومن و کافر کی مثال کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے بارے میں کافروں کے سوال کا جواب مذکور ہے۔

موت و حیات سے اعمال کو جانچنا

۱۔۲: تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾

بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔ وہ غالب ہے، بخشنے والا ہے۔

تشریح: وہ ذات بڑی عظمت و برکت والی ہے جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی سلطنت و حکمرانی ہے اور اس کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کی قدرت اور گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی اس کی سلطنت سے باہر نکل سکتا ہے۔ اسی نے تمہارے اعمال کو جانچنے کے لئے موت و حیات کو پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں معدوم سے موجود کیا یعنی پیدا کیا، اس کے بعد موت دی، پھر مرنے کے بعد زندہ کیا۔ جیسے ارشاد ہے:

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

(اے کافرو!) تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، پھر اس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر (قیامت کے دن) وہ تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (البقرہ: ۲۸)

یہ موت و حیات کا یہ سلسلہ اس لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس دنیاوی زندگی میں یہ جانچ لے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں اور کس کے برے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں ان اعمال کے

رُجُوْمًا: پتھر مارنا۔ واحد رَجْمٌ۔

السَّعِیْر: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سعرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: اسی عظمت و برکت والی ذات نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنایا۔ سو اے مخاطب! کیا تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی کمی اور بے قاعدگی دیکھتا ہے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ بار بار دیکھنے سے آسمانوں کی تخلیق میں کسی جگہ کچھ عدم تناسب دکھائی دے جائے گا تو پھر خوب غور سے دیکھ لے۔ کیا کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر بار بار دیکھ لے۔ تیری نگاہ ناکام و نامراد اور عاجز و تھکی ہوئی تیری طرف واپس آجائے گی۔ ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے، ستاروں سے آراستہ کیا ہے، اور ہم ہی نے ان شیاطین پر برسانے کے لئے شہاب ثاقب بنا دیئے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے ان شیاطین کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے مجرمین کو اللہ کے عذاب سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

کفار کی حسرت و ندامت

۶۔۱۱: وَلِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ إِذَا أُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّهِیَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ یَأْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْ أَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا جوش کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو اس سے جہنم کے دارو غے پوچھیں

اللہ سے ڈرنے والوں کو خوشخبری

۱۲-۱۵ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝

جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں تو اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو۔ بے شک وہ دلوں کی بات بھی خوب جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین خوب باخبر ہے۔ اُسی نے زمین کو تمہارے لئے پست (فرش) بنایا تاکہ تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اسی کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

مناکبھا: اُس کے راستے۔ اس کے کندھے۔ واحد منکب۔

النشور: زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونا۔ مصدر۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ کو دیکھا نہیں مگر اس پر اور اس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے ہیں اور اللہ کے خوف سے اس کی نافرمانی کا کوئی کام نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے گناہ معاف فرما دے گا اور ان کو بڑا ثواب اور بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اے لوگو! تمہارا چپکے چپکے باتیں کرنا یا بلند آواز سے بولنا علم الٰہی میں دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے خوب واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تو دلوں میں آنے والے خیالات و خطرات سے بھی واقف ہے۔ کیا خالق بھی بے خبر ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے جس نے سینوں کو اور سینوں کے اندرونی خیالات کو بلکہ ہر چیز کو پیدا کیا وہ بھی اسرار سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت ہی لطیف، باریک بین اور مخلوق کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ایسا مسخر کر دیا کہ وہ سکون سے ٹھہری ہوئی ہے اور ہلتی جلتی نہیں۔ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس میں چشمے جاری کر دیئے تاکہ تم اس سے پھل اور

بچھا دی ہیں اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے تاکہ تم آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ جو اس نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ یاد رکھو دوبارہ زندہ ہو کر تمہیں اسی کی طرف لوٹنا اور میدانِ حشر میں جمع ہونا ہے۔

کافروں کو عذاب کی تہدید

۱۶ ـ ۱۹ ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِىَ تَمُوۡرُۙ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِى السَّمَآءِ اَنۡ يُّرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ كَيۡفَ نَذِيۡرِ ۝ وَلَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ۝ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقۡبِضۡنَ ؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍۢ بَصِيۡرٌ ۝

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ پھر وہ (زمین) لرزنے لگے۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ آسمان والا تم پر پتھر برسا دے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔ اور ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پر پھیلائے (اڑتے ہوئے) نہیں دیکھا جو کبھی اپنے پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ ان کو رحمٰن کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ بے شک ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے۔

یَخْسِفَ- وہ دھنسا دے گا۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

تَمُوْرُ: وہ لرزتی ہے، وہ تھرتھراتی ہے، وہ پھٹتی ہے۔ مَوْرٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا- پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

نَکِیْرِ۔ میرا عذاب، بدل ڈالنا۔

یَقْبِضْنَ: وہ سمیٹتی ہیں، وہ بند کرتی ہیں، وہ سکیڑتی ہیں۔ قَبْضٌ سے مضارع۔

یُمْسِکُھُنَّ: وہ ان کو روکتا ہے، وہ ان کو تھامتا ہے۔ اِمْسَاکٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ دنیا میں طرح طرح کے عذاب بھیجنے پر قادر ہے لیکن وہ اپنے حلم و لطف کی بنا پر ایسا

بھلا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا۔ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں۔ اگر وہ (اللہ) اپنا رزق روک لے تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے گا۔ بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔ بھلا جو شخص اندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہوگا یا وہ جو سیدھا ایک ہموار راستے پر چلا جا رہا ہے۔

جُندٌ: لشکر، فوج۔ جمع جُنُودٌ۔

غُرُورٍ: فریب، دھوکہ، جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

لَجُّوا: انہوں نے اصرار کیا، وہ اڑے رہے، وہ جمے رہے۔ لجاجٌ سے ماضی۔

عُتُوٍّ: سرکشی کرنا، نافرمانی کرنا۔ مصدر ہے۔

نُفُورٍ: نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا۔ مصدر ہے۔

مُكِبًّا: منہ کے بل گرتا ہوا، اوندھا۔ اِكْبَابٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو رزق پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کی تردید میں فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے، نہ روزی پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی مصیبت سے بچا سکتا ہے۔ کوئی لشکر یا جتھا بھی نہیں جو اللہ کے مقابلے میں ان مشرکین کی حمایت کر سکے اور اللہ کے بھیجے ہوئے عذاب کو دفع کر سکے۔ یہ لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا رزق روک لے تو کوئی بھی اسے جاری نہیں کر سکتا۔ رزق دینے اور روکنے، پیدا کرنے اور فنا کرنے، مدد کرنے اور مصیبت ٹالنے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے لیکن یہ کفار اپنی کج روی اور سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

پھر فرمایا کہ کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ناہموار راستے پر اوندھا ہو کر منہ کے بل گرتا پڑتا ہو۔ نہ اسے راستہ دکھائی دیتا ہے اور نہ اسے منزل کا پتا ہے بلکہ حیران و پریشان راستہ بھولا ہوا اور بھٹکا ہوا ہے۔ اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ جو دنیا میں پیروں سے چلاتا ہے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟ (مظہری: ۱۰/۲۷)

۔اس کے برعکس مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف اور سیدھے راستے پر آدمیوں کی طرح سیدھا کھڑا ہو کر صحیح اور اچھی چال سے چل رہا ہو اور وہ راستے کو بھی جانتا ہو۔ ظاہر ہے ایسا ہی شخص منزل مقصود تک پہنچے گا۔ قیامت کے روز کافروں کا یہی حال ہوگا کہ وہ اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مومن عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

قیامت کا علم

۲۳۔۲۷: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ○

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) وہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب وہ اس وعدے (کے وقت) کو قریب آتا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور (ان سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

اَنْشَاَ: اس نے پیدا کیا، اس نے پرورش کی۔ اِنشاءٌ سے ماضی۔

اَفْـِٕدَةَ: دل، قلوب۔ واحد فؤاد۔

ذَرَاَ: اس نے پیدا کیا۔ اس نے پھیلایا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

زُلْفَةً: نزدیک، قریب، درجہ، گھڑی۔

سِيْۗـــــَٔتْ: وہ بدشکل کر دی گئی۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے۔ تمہیں رشد و ہدایت اور نصیحت کی باتیں سننے کے لئے کان دیئے، قدرت الٰہی کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں اور غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے دل دیئے لیکن ایسے شکر گزار بہت کم ہیں جو ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر یہ شکر گزار نہیں ہیں اور ناشکرے ہیں اس پر بھی قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتے تو پھر آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور اس کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا۔ پھر اس پراگندگی اور انتشار کے بعد ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو جمع کر کے اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ جس طرح اس نے تمہیں زمین میں ادھر ادھر پھیلایا ہے اسی طرح وہ سب کو سمیٹ کر اکٹھا کر لے گا۔ جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے گا۔

پھر فرمایا کہ کافر مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے اسی لئے وہ دوسری زندگی کو مذاق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو بتائیے کہ وہ قیامت کب آئے گی جس کی آپ ہمیں خبر دے رہے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم تو صرف علام الغیوب ہی کو ہے۔ میرا کام تو صرف تمہیں اس دن کی ہولناکیوں سے خبردار کرنا ہے۔ سو میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ اب تو تم جلدی مچا رہے ہو مگر جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو بڑے بڑے سرکشوں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور وہ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔

اللہ پر ایمان و بھروسہ

۲۸ ـ ۳۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک

مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۞ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَاءٍ مَّعِينٍ ۞

کرے یا ہم پر مہربانی کرے تو وہ کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ رحمان ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے، سو عن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے۔

يُجِيرُ: وہ حفاظت کرتا ہے، وہ پناہ دیتا ہے۔ اِجَارَةٌ سے مضارع۔

غَوْرًا: خشک ہونا، جذب ہونا، نیچے چلے جانا۔ مصدر بمعنی فاعل۔

مَعِيْنٍ: بہتا ہوا، آب رواں، جاری، چشمہ۔ عَيْنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکوں کو کہہ دیجئے کہ تم جو میری اور میرے ساتھیوں کی موت کے متمنی ہو، اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، اور نہ اس سے تمہاری نجات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا جو عذاب کافروں اور منکروں پر ہونے والا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اسی طرح اس کے جو انعامات اور مہربانیاں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں ان کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ عذاب الٰہی سے بچنے کی صورت تو یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرو، اللہ اور اس کے رسول پر خلوص دل سے ایمان لاؤ، اس کے احکام بجالاؤ اور منہیات سے رک جاؤ۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ رحمٰن تو وہی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور جس پر ہم نے بھروسہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے۔ تم اس دولت سے محروم ہو، نہ تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ بھروسہ اس لئے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آخرت کی فلاح و بہبود کس کو حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے تمام اسباب اسی ذات واحد کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس پانی ہی کو لے لو جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر زمین چشموں اور کنوؤں کے پانی کو روک لے اور اس کو نکلنے ہی نہ دے، اگرچہ تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو اللہ کے سوا کون اس پر قادر ہے جو تمہیں بہنے والا اور جاری پانی دے سکے۔ وہی اپنے فضل و کرم سے صاف و شفاف پانی زمین پر جاری کرتا ہے جس سے بندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

سورۃ القلم

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ "قلم" سے ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام القلم ہے۔ اس کو سورۃ "ن" بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۲ آیتیں، ۳۰۰ کلمات اور ۱۲۵۶ حروف ہیں۔ حسن بصری، عکرمہ، عطا و جابر کا یہ قول ہے کہ یہ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات، مشرکین و منکرین کے شبہات و اعتراضات کا جواب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آپ کا خلق عظیم اور ایک کافر کے اوصاف مذکور ہیں۔ پھر اہل مکہ اور باغ والوں کی آزمائش کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کفار کی خوش فہمی کا جواب اور اہل ذوق کی سجدے سے محرومی کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا تیز غضب میں آنا مذکور ہے۔

آپ (ﷺ) کا خلق عظیم

۱ تا ۷۔ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿١﴾ مَآ أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ﴿٢﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿٣﴾ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿٥﴾ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ﴿٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٧﴾

ن، قسم ہے قلم کی اور اس کے لکھنے کی، آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانے

نہیں اور آپ کے لئے تو بے انتہا اجر ہے اور یقیناً آپ کا خلق عظیم الشان ہے۔ سو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

یَسْطُرُوْنَ: وہ لکھتے ہیں۔ سَطْرٌ سے مضارع۔

مَمْنُوْنٍ: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسم مفعول۔

مَفْتُوْنُ: فتنہ، جنون، دیوانہ۔ فَتْنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: یہاں قلم سے مراد عام قلم بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں قلم تقدیر، فرشتوں اور انسانوں کے قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب داخل ہیں اور اس سے خاص قلم تقدیر بھی مراد ہو سکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قلم تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات اور مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں۔ پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے۔ اس دوسرے قلم کا ذکر سورۂ علق میں (علّم بالقلم) آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے رب کی نعمت اور فضل سے دیوانے نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم و حکمت اور عقل و دانائی کے مالک ہیں۔ جس شخص کو فضل الٰہی سے عقل و حکمت، دانائی اور دوسرے کمالات حاصل ہوں اس کو دیوانہ کہنے والا خود دیوانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یسطرون کے لفظ سے دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے اس کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو۔ ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں دیوانے ہوتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہ مشرکین مکہ آپ ﷺ کے جس کام کو جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے مقبول عمل ہے اس پر تو آپ کو ایسا اجر عظیم ملنے والا ہے جو دائمی ہوگا اور کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ کہیں کسی مجنون و دیوانے کو عمل پر اجر ملتا ہے۔ بلاشبہ آپ تو خلق عظیم کے مالک ہیں کیونکہ آپ نہایت تکلیف دہ باتیں برداشت کر لیتے ہیں جو دوسرے لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ بہت جلد آپ بھی دیکھ لیں گے اور

گا اور مشرکین بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں لوگ اسلام قبول کر کے آپ کی اتباع و محبت کو سرمایۂ سعادت سمجھنے لگے اور بہت سے بدبخت ایسے تھے جن کو توفیق نہیں ہوئی وہ آخرت میں تو رسوا ہوں گے ہی دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ حقیقت میں کافر ہی دیوانے ہیں کیونکہ یہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور راہِ حق سے بھٹک جانا ہی دیوانگی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بھی خوب واقف ہے جو کمالِ عقل کی وجہ سے کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہوئے ہیں۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع۔ ۵۲۱-۵۲۲/۸)

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسنِ خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا ہو اور دن بھر روزہ رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جس کا خلق سب سے اچھا ہو۔

(مظہری: ۱۰/۳۴)

ایک کافر کے اوصافِ رذیلہ

۸-۱۶ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ۝

سو آپ (ﷺ) تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا نرم پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آئیں جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت ہو، طعنے باز، چغل خور ہو، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، گناہ گار ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ بدذات ہو (یہ

سب) اس لئے کہ وہ مال و اولاد رکھتا ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔

تُدْهِنُ: تو نرمی کرتا ہے، تو سستی کرتا ہے، تو ڈھیلا پڑتا ہے۔ اِدْهَانٌ سے مضارع۔

مَهِيْنٍ: ذلیل، حقیر، بے عزت۔ هَوْنٌ سے صفت مشبہ۔

هَمَّازٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا۔ هَمْزٌ سے مبالغہ۔

مَشَّاءٍ: بہت زیادہ چلنے والا۔ مَشْیٌ سے اسم مبالغہ۔

نَمِيْمٍ: چغلی۔ جمع نَمَائِمُ۔

عُتُلٍّ: سخت مزاج، بدخو۔ عَتْلٌ سے مبالغہ۔

زَنِيْمٍ: زنا کار، بے نصیب، بدذات۔

نَسِمُهٗ: ہم اس کو داغ لگائیں گے۔ وَسْمٌ سے مضارع۔

خُرْطُوْمٍ: ناک، سونڈ۔ جمع خَرَاطِيْمُ۔

تشریح: آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانئے، یہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ تبلیغ دین میں کچھ نرم پڑ جائیں اور ان کو شرک و بت پرستی سے روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی آپ پر طعن و تشنیع اور آپ کو تکلیفیں دینا چھوڑ دیں گے، ان مکذبین کی غرض محض آپ کو ان کے بتوں کے بارے میں نرم کرنا ہے، ایمان لانا اور حق و صداقت کو قبول کرنا نہیں۔ آپ کسی ایسے شخص کی بھی بات نہ مانیں جو خوب قسمیں کھانے والا، حقیر و ذلیل انسان ہو، طعن و تشنیع کرنے والا اور لوگوں پر عیب لگانے والا ہو، چغل خوری کرتا پھرتا ہو اور بڑا اچھے کام سے لوگوں کو روکتا ہو، حد سے زیادہ ظالم و سرکش اور بکثرت گناہ کرنے والا ہو، بہت قسمیں کھانے والا، کج خلق اور بخیل ہو اور ان سب صفات رذیلہ کے ساتھ وہ ایسا شخص ہو جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو۔ اس شخص کا غرور و تکبر اور سرکشی اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا تھا۔ اس کا غرور اور سرکشی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتیں تو وہ ان کو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں بتاتا۔ اس بدبخت کو اپنی سرکشی میں یہ تک احساس نہ رہا کہ دنیا میں کسی کا دولت مند یا کثیر الاولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی بات حق ہے اور وہی کامیاب ہے۔ اصل عزت و کامیابی تو انسان کے اخلاق و عادات اور کردار کی خوبی

ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہم اسے اس قدر رسوا کر دیں گے کہ اس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ایک ایسے جانور کو جسے کوئی نشان زدہ کر دے تو وہ جانوروں کے مجمع میں ایک نگاہ میں پہچان لیا جاتا ہے۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا صفات ولید بن مغیرہ کی ہیں۔

اہلِ مکہ اور باغ والوں کی آزمائش

۱۷۔۲۲: إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

بے شک ہم نے باغ والوں کی طرح ان کی آزمائش کی ہے جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا پھل ضرور توڑ لیں گے اور انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے رب کی طرف سے اس (باغ) پر ایک آفت پھر گئی اور وہ (باغ) کٹی ہوئی کھیتی کی مانند ہو گیا۔ پھر وہ صبح کو ایک دوسرے کو پکارنے لگے، اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح سویرے چلو۔

لَیَصْرِمُنَّھا: البتہ وہ ضرور اس کے پھل توڑ لیں گے۔ صَرْمٌ سے مضارع۔

صَرِیْم: کٹی ہوئی کھیتی، توڑا ہوا (پھل)۔ صَرْمٌ سے مفعول کے معنی میں۔

حَرْثِکُمْ: تمہاری کھیتی۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں ان کافروں کی مثال بیان فرمائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو جھٹلاتے تھے۔ جس طرح ایک مخصوص باغ والوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کر کے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے دوچار کر لیا اسی طرح یہ کافر بھی اللہ کی نعمت یعنی آپ کی رسالت کا انکار کر کے اس کی ناراضگی کے مستحق ہو گئے۔ سو ہم نے باغ والوں کی طرح اہل مکہ کو بھی آزمائش میں ڈال دیا۔

ہم نے باغ والوں کو اس وقت قحط میں مبتلا کیا جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم صبح

ہوتے ہی فقراء و مساکین کو خبر ہونے سے پہلے پہلے باغ کے پھل توڑ لیں گے اور کھیتی کاٹ لیں گے۔ اپنے منصوبے پر ان کو اتنا یقین تھا کہ ان شاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ جب رات کو وہ سوئے ہوئے تھے تو آپ کے رب کی طرف سے اس باغ پر ایک آسمانی آفت آئی اور اس کو جلا کر رات کی تاریکی کی مانند سیاہ کر گئی اور وہاں درختوں اور کھیتی کے بجائے صاف زمین رہ گئی۔ پھر علی الصبح اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کو آوازدے کر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنی ہے تو سویرے سویرے چلو۔

اعترافِ حماقت

۲۳۔۳۳: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

پھر وہ چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تمہارے پاس اس (باغ) کے اندر کوئی محتاج نہ آنے پائے اور وہ اپنے آپ کو قادر سمجھ کر سویرے ہی لپکتے ہوئے چلے۔ پھر جب اس کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ یقیناً ہم راہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں سے جو بہتر تھا، اس نے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے۔ ہم تو اب اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح عذاب آتا ہے اور آخرت کا

كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ۝ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ۝ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ۝ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝

بے شک پرہیزگاروں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھ لیتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی ہوئی ہو) جو تم پسند کرتے ہو۔ کیا ہم نے تمہارے لئے قیامت تک باقی رہنے والی قسمیں کھائی ہیں کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے۔ کیا ان کے معبود ہیں۔ سو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے معبودوں کو لے آئیں، اگر سچے ہیں۔

تَخَيَّرُوْنَ: تم پسند کرتے ہو، تم اختیار کرتے ہو۔ تَخَيُّرٌ سے مضارع۔

زَعِيْمٌ: ذمے دار، ضامن، کفیل والا۔ زَعْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: پرہیزگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے باغ ہیں جن کے اندر ہر قسم کی راحت و آسائش اور ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے قلب و دماغ میں ان کا تصور گزرا۔ ظاہر ہے کہ یہ کفار و مجرمین ان نعمتوں سے محروم ہوں گے۔ مشرکین مکہ نے غرور و تکبر سے اپنے دل میں یہ خیال پختہ کر رکھا تھا کہ اگر قیامت کے روز مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش و عنایت ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہم پر ان سے زیادہ مہربان ہوگا کیونکہ اس نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں دنیا میں بھی عیش و آرام دے رکھا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بات تو عقل سلیم اور فطرت کے خلاف ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم یہ فیصلہ کیسے کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم دلیل کے طور پر دکھا سکو یا ایسی کوئی قابل اعتبار کتاب ہے جس کو سند کے طور پر پیش کر سکو اور اس میں وہی کچھ لکھا ہوا ہو جو تم چاہتے ہو اور جو تم کہہ رہے ہو یا تم سے ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد

اتباع کرنے والوں ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ آپ ان مکذبین کے معاملے میں مچھلی والے نبی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح تنگ دلی اور غصے کا اظہار نہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر دل برداشتہ ہو کر غصے میں بستی سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا کی بلکہ پیشین گوئی بھی کر دی تھی۔ جب قوم پر عذاب نازل نہ ہوا اور آن کی بات غلط ثابت ہوگئی تو قوم کے سامنے جانے سے کترائے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو بیچ سمندر میں پہنچ کر ٹھہر گئی، نہ آگے چلتی تھی اور نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے اپنے عقیدے کے مطابق کہا کہ کشتی میں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے اس لئے کشتی نہیں چلتی۔ پھر ملاحوں نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ اسی وقت اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ پھر آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کی تسبیح پڑھی اور اس کی برکت سے ان کی دعا قبول ہوئی اور اس مصیبت سے نجات پائی (مزید تفصیل سورۂ یونس اور سورۂ الصّٰفّٰت میں دیکھئے)۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور مہربانی ان پر نہ ہوتی تو وہ اسی چٹیل میدان میں برے حال میں پڑے رہتے جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے اور وہ کمالات و کرامات باقی نہ رہتے جو محض اللہ کی مہربانی سے اس ابتلا کے وقت میں بھی باقی رہے مگر یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان کی توبہ قبول کی، ان کو اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا اور ان کو پھر سے نیک اور برگزیدہ لوگوں میں سے بنا دیا۔ اور ان کے مراتب و درجات مزید بلند کر دیئے۔ یہ مشرکین مکہ آپ کو غضب ناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے ہٹا دیں۔ جب وہ اللہ کا قرآن اور ذکر الٰہی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں، حالانکہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے پیغام نصیحت ہے اور فلاح کا ذریعہ ہے۔ اس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور نصیحتوں سے لبریز ہے۔ بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً ایسا کہنے والے ہی دیوانے ہیں۔

حق ہونے والی کیا ہے۔ ثمود اور عاد نے کھڑ کھڑا دینے والی کو جھٹلایا تھا، سو ثمود
تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد تند و تیز ہوا سے ہلاک
ہوئے، جو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط رہی (اے مخاطب) تو
اس قوم کو اس طرح گرے ہوئے دیکھتا گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ کیا
تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے۔

الحاقۃ: حق ہونے والی (قیامت)، ثابت ہونے والی، نہ ٹلنے والی مصیبت۔ حق سے اسم فاعل۔

القارعۃ: قیامت، بڑا حادثہ، کھڑ کھڑا دینے والی۔ قرع سے اسم فاعل۔

صرصر: نہایت تند و تیز آندھی، سخت ٹھنڈک۔ جمع صراصر۔

عاتیۃ: تیز، نافرمان، سرکش، حد سے نکل جانے والی۔ عتوٌ سے اسم فاعل۔

حسوما: لگاتار، پے در پے، جڑ کاٹنے والی، منحوس۔ مصدر بھی ہے اور حسمٌ سے اسم فاعل بھی۔

صرعی: زمین پر گرے ہوئے۔ بیہوش۔

اعجاز: (درختوں کے) تنے۔ واحد عجزٌ۔

خاویۃ: کھوکھلے۔ گرے ہوئے۔ خواءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ ان ہی میں سے حاقہ (حق اور ثابت) اور قارعہ (کھڑ کھڑانے والی) بھی ہیں۔ قیامت چونکہ حق ہے، امر واقعہ ہے اور اس کے وقوع میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، اس لئے اس کو حاقہ کہا گیا یا اس وجہ سے اس کو حاقہ کہا گیا کہ اس روز تمام امور کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ پس قیامت ایسی ہولناک چیز ہے کہ کوئی بھی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے قیامت کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین و آسمان، چاند، سورج، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کوٹ کر رکھ دے گی اور تحت سے تحت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔ سو دیکھ لو دونوں کا انجام کیا ہوا۔ پس ثمود کو تو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کر دیا گیا جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا اور عاد کے لوگ اس دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے (من اشد منا قوۃ ۔ حم السجدہ ۱۵) ہماری شدید ٹھنڈی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں، جن کے سر اوپر سے کٹ گئے ہوں۔ یہ ہوا ان پر

لگاتار سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رہی اور یہ قوم بھی صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹادی گئی کہ ان کا نام بھی باقی نہ رہا۔ (حقانی ۲۰۳/۷، ۲۲۶/۷، مظہری ۴۸، ۵۰/۱۰)

قیامت کی منکر قوموں کا انجام

۹-۱۲۔ وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں الٹ دی گئیں انہوں نے بھی خطائیں کیں۔ سو انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑا۔ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ ہم اس کو تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

مؤتفکٰت: الٹی ہوئی۔ مقلوب۔ ائتفاک سے اسم فاعل کی جمع مؤنث۔

رابیۃ: سخت۔ بلند۔ تیز۔ ربوٌ سے اسم فاعل۔

تعیہا: وہ اس پر نگاہ رکھے۔ وہ اس کو یاد رکھے۔ وعی سے مضارع۔

واعیۃ: یاد رکھنے والی۔ محفوظ کان۔ نگہداشت رکھنے والی۔ وعی سے اسم فاعل۔

تشریح: عاد و ثمود کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے بھی کئی خطا کار قومیں آ چکی تھیں جیسے قوم نوح، قوم شعیب اور قوم لوط جن کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں۔ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ان کو جھٹلایا آخر اللہ نے سب کو بہت سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب پانی کا طوفان آیا تو ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی انسان بھی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ تو ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکرین کو غرق کر کے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر کے پانی میں غرق ہونے سے بچا لیا تاکہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعے سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے

رہیں اور معقول بات سن کر سمجھنے اور یاد رکھنے والے بھی اس کو یاد رکھیں کہ جس طرح دنیا میں فرماں برداروں کو نافرمانوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے ہولناک حادثہ میں بھی فرماں برداروں اور نافرمانوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معاملہ ہوگا۔ (عثمانی ۲۳/۲ - ۲، مظہری: ۵۰/۱۰)

قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا

۱۳-۱۸۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝

پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں دونوں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا، پھر اس دن وہ بالکل کمزور ہو جائے گا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آٹھ (فرشتے) آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

دَكَّةً: ایک دم ریزہ ریزہ کر دینا، توڑنا۔ مصدر برائے مرۃ۔

وَاهِيَةٌ: سست، کمزور۔ وَهْیٌ سے اسم فاعل۔

اَرْجَائِهَا: اس کے کنارے۔ واحد رَجَاۃٌ۔

تشریح: جب صور میں جو ایک سینگ کی مانند ہوگا، ایک پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اٹھا لیا جائے گا اور زمین اپنی قوت و مضبوطی اور پہاڑ اپنی عظمت و پختگی کے باوجود کوٹ پیٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، تو اس وقت دنیا ختم ہو جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ جو آسمان آج اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس میں کہیں ذرا

سارا آسمان پھٹ کر اس روز بہت نازک اور کمزور ہو جائے گا۔ جس وقت وہ درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چڑھ جائیں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ پھر جوابدہی کے لئے تم اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور کسی کی کوئی بڑی بات تو کیا کوئی معمولی سے معمولی حرکت بھی چھپی ہوئی نہ رہے گی۔ سب منظر عام پر آ جائے گی۔

اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا

۱۹-۲۴۔ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوشی سے) کہے گا لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ (ایک دن) مجھے حساب ملنا ہے۔ پس وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا، عالی شان جنت میں جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ زمانے میں کئے تھے۔

هَاؤُمُ: تم لو، تم پکڑو۔ اسم فعل۔

قُطُوفُهَا: اس کے پھل۔ اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ۔

دَانِيَةٌ: نزدیک، جھکنے والی۔

هَنِيئًا: خوش گوار، پچتا ہوا، مزیدار۔ ھَنَاءٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: قیامت کے روز جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی کے مارے اپنا اعمال نامہ ہر ایک کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا اور کہے گا کہ میرے رب نے مجھ پر کیا عظیم انعام و احسان فرمایا ہے۔ میں تو پہلے ہی سے گمان رکھتا تھا کہ میرے اعمال کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے نوازے گا۔ اسی لئے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا تھا۔

پھر فرمایا کہ جس کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا وہ خوشی اور عیش و آرام کے ساتھ نہایت بلند اور عظیم المرتبت باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور پھل اس پر جھکے ہوئے ہوں گے تاکہ ان کو حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اس حالت میں اہل جنت سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں اللہ کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھائی تھیں اس لئے آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوشی سے خوب سیر ہو کر کھاؤ پیو۔ اب نہ یہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان سے پیٹ میں کسی گرانی کا اندیشہ ہے۔ یہ سب تمہارے گزشتہ زمانے میں کئے ہوئے ان اعمال کا صلہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دنیا میں کرتے تھے۔

اعمال نامے کا بائیں ہاتھ میں ملنا

۲۵۔۲۹ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾

اور جس کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت ہی میرا کام تمام کر دیتی۔ میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی مجھ سے جاتی رہی۔

القَاضِيَةَ: ختم کر دینے والی، کام تمام کر دینے والی۔ قضاۃ سے اسم فاعل۔

سُلْطَانِيَهْ: میری حکومت، میری قوت، میرا غلبہ۔

تشریح: جس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پشت کے پیچھے کر کے اس کا نامۂ اعمال اس میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال بد اور ان کا برا انجام دیکھ کر حسرت و پشیمانی کے عالم میں کہے گا، کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لئے تمام کر دیتی اور میرا نام و نشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب و ہلاکت کی نوبت ہی نہ آتی۔ افسوس میرا وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت اور اولاد و خدام بھی کچھ کام نہ آئے، جن پر مجھے بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ جو بھی مصیبت آئے گی، میں اپنی دولت، اولاد اور خدام کے ذریعے اس سے بچ جاؤں گا۔ آج ان میں سے

بھی حرکت نہ کر سکے۔ آیت میں گز سے مراد فرشتے کا گز ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ دوزخ کے اندر کافر کی داڑھ کوہِ احد کے برابر اور اس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے بقدر ہوگی۔

(مظہری: ج ۱۰، ص ۵۵)

پھر فرمایا کہ اس کو یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس کے احکام کا انکار کرتا تھا۔ نہ اللہ کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ بندوں کے حقوق پہچانتا تھا۔ فقیر و محتاج کو خود تو کیا کھلاتا دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ سو ایسے نافرمان کے لئے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کے واسطے کھانے کی کوئی چیز ہے سوائے دوزخیوں کے دھوون کے اور ان میں سے بہتی ہوئی پیپ کے جس کو خطاکاروں اور مجرموں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔ (عثمانی: ۷۲۴، ۷۲۵/۲)

عظمتِ قرآن

۳۸-۴۷۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝

میں ان چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم یقین کرتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (لیکن) تم بہت کم سمجھتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر یہ (نبی) ہمارے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ اور ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

بے شک یہ (قرآن) پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے

ہیں کہ تم میں سے بعض (اس کو) جھٹلانے والے ہیں۔ اور بے شک یہ (قرآن)

کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے اور بے شک یہ (قرآن) یقیناً حق

ہے۔ سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔

تشریح: یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کا ذریعہ ہے۔ جس شخص میں ادنیٰ درجے کا بھی خوف خدا ہوگا وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ

لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تو ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا کا

ذریعہ ہے اور جو بے ایمان ہیں وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ (حم السجدہ: ۴۴)

چونکہ دنیا میں اس قرآن کی بہت کم لوگ قدر کرتے ہیں اس لئے ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھٹلاتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ تکذیب ان مکذبین کے لئے باعث حسرت و ندامت ہوگی۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے بلاشبہ یہ قطعی اور یقینی امر ہے۔ اس میں کسی کو کسی بھی طرح کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان و یقین نہیں رکھتا تو آپ اس سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ آپ تو اپنے رب عظیم کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہیے۔ اس سے سب غم دور ہوں گے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۵۴۸/۸، ابن کثیر: ۴۱۷/۴)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو لفظ زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں اور رحمٰن کو محبوب ہیں (وہ یہ ہیں) سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو "سبحان اللہ العظیم وبحمدہ" کہتا ہے اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت بو دیا جاتا ہے۔ (مظہری، ۵۹/۱۰)

طرف چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ سو آپ (ان کی مخالفت پر) صبر جمیل کیجئے۔ بے شک ان کی نگاہ میں وہ (دن) دور ہے اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مانگنے والے نے اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مانگا تھا۔ نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا النضر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا:

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

اگر یہ (قرآن) حق ہے اور آپ اللہ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔

اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا۔ اب آگے اس عذاب کی حقیقت کا بیان ہے جو اس نے اپنے منہ سے مانگا تھا۔ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہوگا خواہ اسی دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں جگہ۔ اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور یہ اس اللہ کی طرف سے ہے جو بڑے اونچے درجوں والا ہے۔ اس کی عظمت و برتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کرتے ہوئے اس کی بارگاہ تک چڑھتے ہیں۔ جس عذاب کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ کافروں پر اس روز واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے لئے تو یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور مومنوں کے لئے بہت مختصر۔

احمد، ابو یعلیٰ، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی کہ وہ کس قدر طویل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دن مومن کے لئے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جو فرض نماز پڑھتا تھا اس کے لئے اتنے وقت سے بھی آسان (کم) ہوگا۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۹۱)

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ مومنوں کے لئے قیامت کا

دن اتنا ہوگا جتنا ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔ (مظہری ج ۱۰، ص ۹۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تمسخر اور استہزاء کرنے والوں کا رویہ بے شک نہایت تکلیف دہ ہے اور اس پر رنج و غم کا ہونا فطری امر ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل نہ ہوں اور نہ حرف شکایت زبان پر لائیے بلکہ آپ ﷺ تو خوبی کے ساتھ صبر کیجئے۔ بے شک یہ لوگ تو قیامت کو دور ہی نہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں۔ نہ تو عذاب خداوندی کے آنے میں کوئی دیر ہے اور نہ قیامت کے آنے میں۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۸/۵۵۵-۵۵۵، مظہری ۱۰: ۲۰-۲۳)

قیامت کے احوال

۸-۱۸: يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہوں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) وہ ان کو دکھائے جائیں گے۔ گنہگار اس دن کے عذاب کے بدلے میں اپنی اولاد کو دینا چاہے گا اور اپنی بیوی اور بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور سب اہل زمین کو تاکہ اس کو نجات مل جائے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال ادھیڑ ڈالے گی۔ وہ اس کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔

اَلْمُهْل: تیل کی تلچھٹ، پیپ، پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

اَلْعِهْن: رنگین اون۔ جمع عُہُون۔

یفتدی: وہ فدیہ دیتا ہے، وہ بدلے میں دیتا ہے۔ اِفْتِدَاءٌ سے مضارع۔

فصیلتہ: اُس کا کنبہ، اُس کا قبیلہ۔ جمع فصائل۔

لظیٰ: دہکتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ۔ مبالغے کے طور پر صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نزّاعۃ: اُدھیڑنے والی، اُتارنے والی۔ نَزْعٌ سے مبالغہ۔

الشّوٰی: سر کی کھال، اطرافِ بدن یعنی ہاتھ، پیر وغیرہ۔ واحد شَوَاۃٌ۔

اوعیٰ: اُس نے حفاظت سے رکھا۔ اِیْعَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جس عذاب کو یہ مشرکین و منکرین طلب کر رہے ہیں وہ ان پر اُس دن آئے گا جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے، جیسے ارشاد ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعۃ: ۵)

اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

اُس دن پریشانی اور بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست کسی کو نہیں پوچھے گا حالانکہ سب ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے، ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، دوسرے کا حال پوچھنے کا ہوش بھی نہ رہے گا۔ وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ہر گناہ گار تمنا کرے گا کہ کاش آج وہ عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو فدیے میں دے دیتا یا اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے ٹھکانا دیتا تھا فدیہ میں دے دیتا حتیٰ کہ اگر اس کے امکان میں ہوتا تو روئے زمین کے سب لوگوں کو بطور فدیہ دے دیتا اور اپنے آپ کو اس عذاب سے بچا لیتا۔ غرض وہ تمام محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے فدیے میں دینے پر تیار ہوگا لیکن کوئی چیز اس کے کام نہ آئے گی۔ کوئی بدل اور عوض قبول نہ کیا جائے گا۔

پھر فرمایا ہرگز نہیں! یقیناً اس کو ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو سخت بھڑکنے اور شعلے والی ہوگی اور سر کی کھال تک کھلا کر کھینچ لائے گی اور ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دے گی۔ وہ آگ ہر اس شخص کو پکارے گی جس نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ موڑا ہوگا اور جو مال کی محبت میں اس کو خوب سمیٹ سمیٹ کر جمع رکھتا تھا۔ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ مسکین و محتاج کی مدد کرتا تھا۔ اس کے برعکس مومن اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور ان کی شفاعت بھی کریں گے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے واضح حق کے

لئے اتنا نہیں جھگڑو جتنا قیامت کے روز مومن اپنے دوزخی بھائیوں کی رہائی کے لئے اللہ سے جھگڑیں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔

(مظہری ۱۰/۲۸۳، ۲۸۴)

مومنین کے اوصاف

۱۹۔۲۸: إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝

بے شک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر ان نمازیوں کے جو اپنی نماز کے پابند ہیں اور جن کے مال میں (حق داروں کا) حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا اور جو قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اُن کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

هَلُوعًا: کم ہمت، بہت بے صبرا، لالچی۔ ہلع سے مبالغہ۔

جَزُوعًا: پریشان ہونے والے، مضطرب ہونے والے۔ جزع سے صفت مشبہ یا مبالغہ۔

مَنُوعًا: بہت منع کرنے والا، بڑا بخیل، بڑا کنجوس۔ منع سے مبالغہ۔

مُشْفِقُوْنَ: ڈرنے والے۔ اشفاق سے اسم فاعل۔

مَأْمُوْنٍ: بے ڈر کیا ہوا، بے خوف کیا ہوا۔ امن سے اسم مفعول۔

تشریح: انسان بہت ہی بے صبرا اور کم ہمت پیدا کیا گیا ہے اور اس کا حوصلہ اور ظرف نہایت ہی تنگ واقع ہوا ہے۔ اس کی کم ہمتی اور بے صبری کا یہ عالم ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آ جاتی

توقع ہے کہ اس کو نعمت کے باغوں میں داخل کر لیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بے شک ہم نے انہیں ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ بھی جانتے ہیں۔

مُھْطِعِیْنَ: دوڑ کر آنے والے، آمنڈ کر آنے والے۔ اِھْطَاعٌ سے اسم فاعل۔

عِزِیْنَ: جماعت در جماعت، گروہ در گروہ۔ واحد عِزَۃٌ۔

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ خود آپ کو دیکھ رہے ہیں اور جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ ان کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کے کھلے معجزے بھی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ دین اسلام کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن سن کر بدکتے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر آپ ﷺ سے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ امید رکھتے ہیں کہ ان کو جنت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہی پڑا تو وہاں بھی ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے۔ اس کے ہاں اندھیر نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی کو ایمان و عمل صالح کے بغیر جنت میں داخل نہیں کرے گا۔

بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ خود بھی جانتے ہیں اور وہ منی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ لہٰذا اس طرح پیدا کیا ہوا انسان اس لائق نہیں کہ اس کو بہشت کے باغات ملیں۔ یہ نعمتیں تو ایمان و عمل صالح کے ذریعے پاک و صاف اور مکرم و محترم ہو کر ہی مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں۔ (عثمانی ۲/۷۱۲ ـ ابن کثیر ۴/۴۲۳،۴۲۲)

کفار کو تھوڑے دن کی مہلت

۴۰ ـ ۴۴۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

سورۃ النوح

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کا بیان ہے اس لئے یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیات، ۲۲۳ کلمات اور ۹۲۹ حروف ہیں۔ ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید کا اثبات اور شرک و بت پرستی کی تردید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قوم نوح کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

۱-۴: إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خبردار کریں قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو،

اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (تاکہ) وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔ یقیناً اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ کاش تم سمجھتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ ان کی بت پرستی و نافرمانی کے نتیجے میں ان پر آنے والے دردناک عذاب سے پہلے ہی وہ ان کو خبردار کر دیں۔ اگر وہ شرک و نافرمانی سے توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف رجوع کر لیں گے تو اللہ کا عذاب ان سے اٹھ جائے گا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے صاف صاف لفظوں میں خبردار کرتا ہوں۔ اللہ سے ڈرو، شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے احکام بجا لاؤ۔ جو کام اس نے تم پر حرام کئے ہیں ان سے بچو، گناہ کے کاموں سے اجتناب کرو، میری رسالت کی تصدیق کرو اور دین و اطاعت الٰہی کے بارے میں جو کچھ میں حکم دوں اس کو مانو۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہاری خطاؤں اور غلط کاریوں پر جس عذاب سے وہ تمہیں ہلاک و برباد کرنے والا ہے اس کو بھی تم سے ہٹا دے گا اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا تاکہ تم اپنی طبعی عمر پوری کرو۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا عذاب آنے سے پہلے نیک اعمال کر لو اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ روکے نہیں رکتا اور نہ اس میں ایک لمحے کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ کاش تم یہ باتیں سمجھتے۔ (ابن کثیر ۴/۴۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت

۵ ـ ۷. قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے تو انہوں نے

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے اوپر کپڑے ڈال لئے اور وہ
(کفر پر) اڑے رہے اور انتہائی تکبر کرتے رہے۔

اَصَابِعَهُمْ: ان کی انگلیاں۔ واحد اِصْبَعٌ۔

اسْتَغْشَوْا: انہوں نے اوڑھ لئے۔ انہوں نے لپیٹ لئے۔ اِسْتِغْشَاءٌ سے ماضی۔

ثِيَابَهُمْ: ان کے کپڑے۔ ان کی پوشاک۔ واحد ثَوْبٌ۔

اَصَرُّوا: انہوں نے اصرار کیا۔ اِصْرَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میں نے تیرے حکم کی پوری سرگرمی سے تعمیل کی اور اپنی قوم کو دن رات تیری توحید و بزرگی کی طرف بلاتا رہا۔ میں جتنا ان کو دین کی طرف بلاتا اتنا ہی یہ ایمان و طاعت سے بھاگتے رہے اور حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب میں نے ان سے کہا کہ آؤ ایمان و توحید کی بات سنو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے تو انہوں نے میری دعوت کو سننے کے بجائے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے منہ کپڑوں سے چھپا لئے تاکہ وہ پہچانے نہ جائیں اور نہ کوئی حق بات ان کے کانوں میں پڑے۔ وہ اپنے کفر و شرک اور عناد و ضد پر جمے رہے اور حق کی اتباع کو حقیر جان کر نہایت غرور اور تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ یہی حال کفارِ قریش کا تھا کہ وہ اللہ کا کلام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور ان کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو۔ اور جب یہ پڑھا جائے تو شور و غل کرو تاکہ تم غالب رہو۔ (حٰم السجدہ: ۲۶)

علی الاعلان دعوت و تبلیغ

۸ـ۱۲۔ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

آسمان و چاند و سورج کی تخلیق

۱۳۔۲۰ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت پر اعتقاد نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح اوپر تلے سات آسمان بنائے اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا اور سورج کو (روشن) چراغ بنایا اور اللہ ہی نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقے سے اگایا اور پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹائے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کر کھڑا کرے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔

وَقَارًا: وقار، عزت، بزرگی۔ مصدر و اسم۔

أَطْوَارًا: طرح طرح سے، کئی بار۔ واحد طَوْرٌ۔

طِبَاقًا: اوپر تلے، تہ بہ تہ۔ مصدر بمعنی صفت۔

أَنْبَتَكُمْ: اس نے تم کو اگایا۔ اِنْبَاتٌ سے ماضی۔

بِسَاطًا: بچھونا، فرش۔

فِجَاجًا: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔ واحد فَجٌّ۔

تشریح: اے میرے پروردگار! میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے امید نہیں رکھتے کہ وہ تمہاری عبادت کی قدردانی اور تمہارا اکرام کرے گا، حالانکہ اسی نے تمہیں مختلف طور سے مختلف حالات میں پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو کس طرح ایک کے

کافروں میں سے کسی بسنے والے کو بھی زمین پر چلتا پھرتا باقی نہ چھوڑ۔ اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور جو نسل ان سے پیدا ہوگی وہ بھی ان ہی جیسی بدکار اور ناشکری ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور سب کو غرق کر دیا سوائے ان لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جو کافروں میں شامل تھا وہ بھی نہ بچ سکا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھ کر پانی سے بچ جاؤں گا حالانکہ وہ پانی نہیں تھا بلکہ عذاب الٰہی تھا۔ اس سے کون بچ سکتا تھا۔ پانی نے اسے وہیں جا لیا جہاں کھڑا ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام سے باتیں کر رہا تھا (واقعے کی مزید تفصیل سورۂ ہود میں دیکھئے)۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ہر اس شخص کو بھی بخش دے جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آ جائے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش دے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ پھر فرمایا کہ ان کافروں کی ہلاکت و تباہی اور نقصان میں اضافہ فرما۔ وہ اسی قابل ہیں کہ انہیں پوری طرح ہلاک اور برباد کر دیا جائے اور وہ تباہ و حسرت میں برباد رہیں۔

سورۃ الجن

وجہ تسمیہ: اس سورت میں جنات کا قرآن کریم سن کر اس کی حقانیت پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوت ایمان دینا مذکور ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الجن ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۷۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھانجے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ سب علما کا یہی قول ہے کہ یہ مکیہ ہے۔ اس میں بھی مضمون توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے۔ جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، دیگر معجزات رسالت ﷺ اور دلائل قدرت کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۱۴۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، ان کے فرقوں اور ایمانیات کے دعوتی مضامین کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مساجد میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت اور اللہ کے سوا کسی کو قیامت کے مقررہ وقت کا علم نہ ہونا مذکور ہے۔

جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا

۱-۵　قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ وَّ اَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۝ وَّ اَنَّهُ كَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝

کر لیا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے داروں اور شعلوں (شہاب ثاقب) سے بھرا ہوا پایا۔ اور اس سے پہلے ہم (وہاں کی) باتیں سننے کے لئے بہت سے مقامات میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کو کوئی تکلیف دینا مقصود ہے یا ان کا رب انہیں راہ ہدایت پر لانا چاہتا ہے۔

رَهَقًا: بدمزاجی، سرکشی، تکبر۔ مصدر ہے۔

مُلِئَتْ: وہ بھر دی گئی۔ مَلْأٌ و مِلْأَةٌ سے ماضی مجہول۔

رَصَدًا: تیار، گھات لگانا، نگہبان۔ مصدر بمعنی اسم فاعل۔

تشریح: یہ بھی نہایت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جب بھی کسی جنگل بیابان میں جاتے تو وہ فوراً اپنے بچنے کے لئے وہاں کے جن سردار کی پناہ طلب کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی جنگل میں پڑاؤ ڈالتے تو کہتے کہ ہم اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں آتے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح کہنے کے بعد وہ تمام جنات کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان ان کی پناہ لیتے ہیں تو ان کی سرکشی اور بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو بری طرح ستانا شروع کر دیا۔ آج بھی انسان جنوں سے ڈرتا ہے۔ پہلے جنات انسان سے اسی طرح ڈرا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان پہنچتا تھا وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب اہل شرک نے ان سے پناہ مانگنی شروع کی اس وقت سے جنوں کو پتہ چل گیا کہ انسان تو خود ان سے ڈرتا ہے۔ اس لئے ان کی جرأت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو ڈرانا اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔

پھر فرمایا کہ مسلمان جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اس خیال میں تھے کہ جو رسول پہلے آ چکے وہ آ چکے اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا اور نہ قیامت ہوگی اور نہ حشر و نشر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کسی رکاوٹ کے بغیر آسمان کے

ہم ان کو آزمائیں اور جو شخص اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے گا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔

غدقا: پانی کا بہت ہونا، کثیر، وافر۔ مصدر ہے۔

صعدا: کٹھن، سخت، المناک، مشکل کام۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہ بھی وحی آئی ہے کہ اگر جن و انس اسلام اور اس فطرت پر قائم رہیں گے جس پر اللہ نے ان سب کی تخلیق کی ہے تو ہم ان پر کثرت سے بارشیں برسائیں گے اور ان کو خوب فراخی اور وسعت سے رزق دیں گے تاکہ رزق کی اس وسعت و فراخی سے ہم ان کی آزمائش کریں کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر کون ہدایت پر جما رہتا ہے اور ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور کون کفرانِ نعمت کر کے پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ (الاعراف: ۹۶)

اور ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

اور اگر یہ لوگ توریت، انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان کے رب کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا تو یہ اپنے اوپر اور اپنے نیچے سے خوب کھاتے۔ (المائدہ: ۶۶)

آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ہم ان پر رزق کے دروازے کھول دیتے تاکہ یہ خوب مست ہو جائیں، اللہ کو بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ جب اس (دن) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ سو بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی میں کم ہیں۔

لِبَدًا: لبدۃ کی جمع۔ ہجوم۔ بھیڑ۔ واحد لِبْدَۃٌ۔

یُجِیْرَنِیْ: وہ مجھ کو پناہ دے گا۔ اِجَارَۃٌ سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا: پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسم ظرف۔

تشریح: مساجد کے نام سے خاص اللہ کی عبادت کے لئے جو جگہیں بنائی جاتی ہیں وہاں اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم دیا ہے کہ اس کی مسجدوں کو شرک سے پاک رکھو۔ وہاں کسی اور کا نام نہ پکارو اور نہ کسی اور کو اس کی عبادت و اطاعت میں شریک کرو۔

جب آپ کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آپ (ﷺ) پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآن کریم سننے کے لئے اور کفار و مشرکین تمسخر و عداوت سے آپ پر ہجوم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے لئے تلاوت قرآن فرماتے ہیں تو جنوں کے غول کے غول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ جمع ہوتے ہیں۔

آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت میں مجھ پر ہجوم کیوں کرتے ہو۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات نہیں کہتا۔ میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی چیز میں بھی کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا، نہ اس کی ذات و صفات میں اور نہ اس کے حقوق و افعال میں۔ میں تو اسی کی پناہ میں ہوں اور اسی پر میرا توکل اور بھروسہ ہے۔ میں تمہارے نفع و نقصان اور ہدایت و گمراہی کا مالک نہیں بلکہ اپنا نفع و ضرر بھی میرے اختیار میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ کے ہاتھ سے بچا لے اور نہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بھاگ کر میں پناہ حاصل کر سکوں۔ میرا کام تو صرف اللہ کا پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا ہے سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب خوب سمجھ لو کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اس کے لئے جہنم کی

آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔ قیامت کے دن جب یہ
مشرکین جن کو اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس وقت ان کو معلوم
ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی میں کم تھے۔

قیامت کا علم

۲۵ ـ ۲۸ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ
فَلَا يُظْهِرُ عَلٰي غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ
مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ
رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے
وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرے رب نے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی
ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ سو وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا،
سوائے اپنے کسی پسندیدہ رسول کے۔ پھر اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان مقرر
کر دیتا ہے تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ
ان کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا
ہے۔

امداً: مدت دراز، وقت، لمبی مدت۔

احصیٰ: اس نے احاطہ کیا، اس نے گن لیا۔ احصاء سے ماضی۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جس قیامت کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے مجھے اس
کے واقع ہونے کا علم نہیں بلکہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور۔ اللہ
تعالیٰ نے قیامت کے مقررہ وقت کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔ یہ ان غیب میں سے ہے جن کو
اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ غیب کی تمام باتوں کا جاننے والا صرف اللہ ہے۔ وہ اپنے بھیدوں کی پوری خبر کسی
کو نہیں دیتا۔ ہاں جن کو وہ اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے ان کو وحی کے ذریعہ اس قدر بتا دیتا ہے کہ جس قدر

اُن کی شان اور منصب کے لائق ہو اور وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اُن کو بتایا جاتا ہے اور اُس وحی کے ساتھ فرشتوں کا زبردست پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی کامل طرح محفوظ رہے اور جب اللہ کا رسول اس وحی کو بیان کرے تو اس میں شک وشبہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ یہاں تک کہ وہ جان لے اور دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اللہ کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی نہیں ہوئی۔ ہر چیز اس کی نگرانی میں ہے۔ کسی کی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ اس پہرے کو توڑ سکے۔ اللہ نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے جو ان کے پاس ہیں اور اس نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ اس سے کوئی بھی چیز اس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں۔ وہی عالم الغیب ہے اور اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ (حاشیہ ۴۴۳ تا ۴۴۴/۲)

سورۃ المزمل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایہا المزمل اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اسی لئے اس کا نام المزمل ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۰ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۳۸ حروف ہیں۔ حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زید کے قول کے مطابق یہ پوری سورت مکی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ واصبر علی ما یقولون سے اس کی دو آیتیں مدنی ہیں اور ثعلبی کہتے ہیں کہ ان ربک یعلم انک تقوم سے آخر سورت تک مدینے میں نازل ہوئی۔

(مواہب الرحمٰن ۲۹/۱۵۵،۱۵۴)

اس میں قرآن الٰہی کی عظمت اور قیام اللیل کی تاثیر اور برکت کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین مکہ کی بے رخی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان کی گستاخی کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیام اللیل کی تاثیر، برکت اور بچوں کو بوڑھا کر دینے والے دن کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قیام اللیل کے حکم میں تخفیف مذکور ہے۔

قیام اللیل کا حکم

۱ تا ۴: يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجئے مگر تھوڑی سی رات، آدھی رات یا

اس سے کچھ کم یا اس (نصف) سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے۔

اَلْمُزَّمِّلُ: کپڑے میں لپٹنے والا، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ تَزَمُّلٌ سے اسم فاعل۔

رَتِّلْ: تو خوب صاف صاف پڑھ، تو خوب کھول کھول کر پڑھ۔ تَرْتِیلٌ سے امر۔

تشریح: یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ ابتدا میں جب وحی کی دہشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر آ کر فرمایا زملونی زملونی۔ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا گیا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی نام سے مخاطب کیا کہ اے چادر میں لپٹنے والے! اپنی طبیعت و ہمت کے لحاظ سے رات کے آخری نصف حصے یا کم و بیش میں اٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ اگر اتفاقاً یا عذر سے کسی رات کو نہ اٹھ سکو تو کوئی مضائقہ نہیں اور نماز میں حسن صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیا کریں تاکہ اس کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے میں آسانی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔ قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے تلاوت کے وقت اس کی عظمت و ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے۔ تہجد کی نماز صرف آپ ﷺ پر واجب تھی۔ اُمت پر واجب نہیں مستحب ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ اور ترتیل کر۔ تیری منزل اس آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھتا تھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ (سننے میں) اتنی توجہ کسی چیز کی طرف نہیں کرتا جتنی اس خوش آواز نبی کی طرف کرتا ہے جو بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو۔ (مظہری: ۱۰۲۔۱۰۳/۱۰)

رات کی عبادت کی فضیلت

۵۔۹: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً

بے شک نفس کو زیر کرنے کے لئے رات کو اٹھ کر عبادت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ نفس پر بہت شاق ہے۔ اس سے نیند اور آرام جیسی خواہشات پامال ہوتی ہیں۔ تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ اس وقت دل اور زبان ایک ہو جاتے ہیں۔ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ دل میں اتر جاتی ہے جبکہ دن میں یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ دن میں ویسی فارغ البالی نہیں ہوتی جیسی رات میں ہوتی ہے۔ نیز تہجد کا وقت اللہ رب العزت کے آسمان دنیا پر نزول کرنے اور اپنے بندوں پر خاص عنایت و رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے اس لئے یہ وقت خاص روحانی برکات کا حامل ہے۔ لہٰذا عبادت، مناجات، ذکر و تسبیح اور دعا یکسوئی کے ساتھ رات کے اسی حصے میں ہو سکتی ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے، تو ہمارا رب نیچے والے آسمان پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں، کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں"۔

مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اس ساعت میں کوئی مسلمان اللہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرے تو اللہ اس کو ضرور عطا فرماتا ہے۔ (مظہری: ۱۰۸، ۱۰۹/۱۰)

بے شک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سے مشاغل ہوتے ہیں، مثلاً تبلیغ دین، لوگوں کو احکام الٰہی سے آگاہ کرنا اور ان کے مطابق عمل کی تلقین و تربیت وغیرہ۔ اس لئے آپ قیام اللیل کے علاوہ بھی دن رات اسی کی طرف متوجہ رہئے اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے اسی کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ کارساز۔

(حقانی: ۲۵۔ ۲۷۹/۷، ابن کثیر: ۴۳۳۔ ۴۳۷/۴)

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے تم کو بھی دے گا۔ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

(مظہری: ۱۱۳/۱۰)

زمین اور پہاڑوں کا کانپنا

۱۰ - ۱۴ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

جو کچھ وہ (کافر) کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور خوبصورتی سے ان سے کنارہ کشی کر لیجئے۔ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو ناز و نعمت میں رہتے ہیں چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور حلق میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلوں کی مانند ہو جائیں گے۔

اُهْجُرْهُمْ: تو ان کو چھوڑ دے۔ تو ان کو الگ کر دے۔ هَجْرٌ سے امر۔

اَنْكَالًا: بیڑیاں۔ واحد نِكْلٌ۔

تَرْجُفُ: وہ کانپے گی، وہ ہلنے لگے گی، وہ لرزے گی۔ رَجْفٌ سے مضارع۔

كَثِيبًا: جمع کردہ ریت کا ٹیلہ، بالو کا ڈھیر۔ كَثْبٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

مَهِيلًا: بھربھرا، ریزہ ریزہ۔ هَيْلٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین مکہ کی طعن آمیز اور دل آزار باتوں کو نہایت صبر اور ہمت و استقلال سے برداشت کرتے رہیے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ نہ کسی کے سامنے ان کی بدسلوکی کی شکایت کی ضرورت ہے اور نہ آپ غیظ و غضب میں آ کر ان سے انتقام لینے کے درپے ہوں، بلکہ جہاں تک ہو سکے ان کی ہدایت و رہنمائی میں کوشش کرتے رہیے۔ حق و صداقت کو جھٹلانے والے یہ مکذبین و متکبرین جو دنیا میں عیش و آرام سے رہ رہے ہیں تو ان کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ آپ ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیجئے اور ان کو کچھ مہلت دیجئے، پھر میں

خود ان سے نمٹ لوں گا۔ یہ لوگ میری گرفت اور عذاب سے نہ دنیا میں بچ سکیں گے اور نہ آخرت میں۔ بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں اٹک جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی دردناک عذاب ہیں جیسے نہایت زہریلے اور ہیبت ناک سانپ وغیرہ جن کے زہر سے پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس عذاب کی ابتدا اس دن سے ہوگی جب زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ زلزلے سے ڈھیلے ہو کر زمین پر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کے ایسے تودے کی مانند ہو جائیں گے جس پر قدم نہ جم سکے۔

بچوں کو بوڑھا کر دینے والا دن

۱۵۔۱۹: إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ ٱلرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ ٱلْوِلْدَٰنَ شِيبًا ۝ ٱلسَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ۝

ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سختی سے پکڑ لیا۔ سو اگر تم کفر کرو گے تو اس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (ہدایت کا) راستہ اختیار کرلے۔

وَبِيلًا: سخت، بھاری۔ وَبْلٌ سے صفت مشبہ۔

شِيبًا: بڑھاپا۔ واحد اَشْيَبُ۔

مُنفَطِرٌ: پھٹ جانے والا۔ اِنْفِطَارٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے مشرکین مکہ! جس طرح ہم نے ایک مستقل شریعت اور کتاب دے کر حضرت موسیٰ علیہ

کی بجائے تہائی رات میں تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ روایات میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاؤں راتوں کو نماز میں کھڑے رہنے سے سوج جاتے تھے اور پھٹ گئے تھے۔

رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وہی ایک خاص انداز سے کبھی رات کو گھٹا دیتا ہے اور دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو گھٹا دیتا ہے اور رات کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو نیند اور غفلت کے وقت رات کا آدھا، تہائی اور دو تہائی رات کی پابندی کرنا آسان نہیں تھا جبکہ وقت کا اندازہ کرنے کے لئے گھڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے بعض صحابہ پوری رات کھڑے رہتے تھے کہ کہیں تہجد میں ایک تہائی رات سے کم ہی نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس حکم میں تخفیف فرما دی کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نہ نبھا سکو گے اس لئے اب تمہاری راحت و سہولت کے پیش نظر اجازت دی جاتی ہے کہ جس کو تہجد میں اٹھنے کی توفیق ہو وہ اتنی نماز پڑھ لے جتنی آسانی سے پڑھ سکتا ہو۔ اس میں قرآن بھی جتنا دل چاہے پڑھ لے۔ اب وقت یا مقدار کی کوئی قید نہیں۔

تخفیف کی حکمت

۲۰: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہوں گے اور بعض روزی کی تلاش میں ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے اس میں سے پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے

پاؤ گے تو اللہ کے پاس (جا کر) اس کو بہتر اور اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا
پاؤ گے اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: اس تخفیف کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ کوئی بھی انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ مسافر بھی ہوں گے جو روزی اور علم وغیرہ کی تلاش میں مختلف علاقوں کا سفر کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اس لئے ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ تم آسانی سے جس قدر بھی قرآن پڑھ سکو، اسی قدر پڑھ لیا کرو۔ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیتے رہو۔ یعنی اللہ کے راستے میں صدقہ و خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور پورا پورا بدلہ دے گا اور خوب جان لو کہ تم جو بھی نیکیاں اپنے لئے آگے بھیجو گے یقیناً تم ان کو اللہ کے ہاں پاؤ گے کیونکہ وہ بہت ہی بہتر اور عظیم اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔ انسان اپنی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور خطائیں کرتا ہے اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت (پابندی) کی جائے خواہ وہ کتنا تھوڑا ہی ہو۔

سورۃ المدثر

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مدثر" یعنی کپڑا اوڑھنے والے کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ اسی لئے اس کا نام سورۃ المدثر ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۶ آیتیں، ۲۵۵ کلمات اور ۱۰۱۰ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علماء کا قول ہے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۱۹۹)

اس سورت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت کی ذمے داریاں پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ واضح کیا گیا کہ مجرمین کو ان کے کفر و نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی اور مومنین کو انعامات الٰہی سے سرفراز کیا جائے گا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: لوگوں کو آخرت کے بارے میں خبردار کرنے کی تاکید اور کفرانِ نعمت کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: اہل جنت کے سوال کرنے پر اہل دوزخ کا جواب۔

انذار کا حکم

۱۔۷۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَٱصْبِرْ ۝

اے کپڑے میں لپٹنے والے، اٹھیے اور لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کیجئے اور اپنے رب کی راہ میں صبر کیجئے۔

نفس کو باطل عقائد و خیالات اور اخلاق رذیلہ سے پاک رکھیے۔ بہر حال آیت میں ظاہری و باطنی طہارت کی تاکید ہے۔

۴۔ والرجز فاھجر: بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس کا حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہئے۔

۵۔ ولا تمنن تستکثر: کسی شخص پر اس نیت سے احسان نہ کیجئے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس نیت سے تحفہ دینا کہ وہ بدلے میں اس سے زیادہ دے گا، مذموم و مکروہ ہے۔

۶۔ ولربک فاصبر: صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں۔ اس لئے صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر قائم رکھئے اور صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع و فزع اور شکوہ و شکایت سے بچے۔ اس لحاظ سے یہ ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے۔

(معارف القرآن: ج ۸، ص ۶۱۰، ۶۱۲)

کافروں پر یومِ قیامت کا سخت ہونا

۸۔۱۰: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک سخت دن ہوگا (جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

نُقِرَ: وہ پھونکا جائے گا۔ نَقْرٌ سے ماضی مجہول۔

عَسِیْرٌ: سخت، مشکل، بھاری۔ عُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: پھر جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی تو وہ دن کافروں کے لئے بہت ہی سخت اور دشوار ہوگا اور کسی طرح آسان نہ ہوگا بلکہ اس کی دشواری بڑھتی ہی جائے گی۔ اس کے

برخلاف اس دن اگر مومنوں پر سختی ہوئی بھی تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کر دی جائے گی۔ اس لئے آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیے اور منکرین و مخالفین کی عداوتوں اور سازشوں کو خاطر میں نہ لائیے۔

احمد و ترمذی نے بہ سند قوی حضرت زید بن ارقم کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام پاؤں، صور والا تو صور منہ میں لئے پیشانی جھکائے کانوں کو حکم خدا کی طرف متوجہ کئے موجود ہے کہ کب اس کو (صور پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے"۔ یہ بات صحابہ پر شاق گزری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھو۔

(مظہری: ج ۱۰، ص ۱۴۹)

ولید کا غرور و تکبر

۱۱-۲۵: ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا ۝ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۝ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۝ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

آپ (ﷺ) مجھے اور اسے چھوڑ دیجئے، جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور میں نے اسے کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے اور اس کو سب طرح کا سامان مہیا کر دیا۔ پھر بھی وہ اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ میں قریب میں اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا۔ اس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی۔ وہ غارت ہو اس نے کیسی (بات) تجویز کی۔ پھر غارت ہو اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر اس نے دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو نقل ہوتا آ رہا ہے۔ یہ تو بس آدمی کا کلام ہے۔

وَحِيْدًا: تنہا، اکیلا، جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو۔ (مظہری، ج ۱۰، ص ۱۲۷)۔ وَحْدٌ و وَحْدَةٌ سے صفت مشبہ۔

مَمْدُوْدًا: پھیلا ہوا، کثرت سے دیا ہوا۔ مَدٌّ سے اسم مفعول۔

شُهُوْدًا: گواہ، حاضرین، بیٹھنے والے۔ واحد شاهد۔

مَهَّدْتُ: میں نے مہیا کیا، میں نے بچھایا۔ تَمْهِيْدٌ سے ماضی۔

عَنِيْدًا: عناد رکھنے والا، مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

أُرْهِقُهُ: میں اس کو چڑھاؤں گا، میں اس کو سخت مشقت میں مبتلا کروں گا۔

عَبَسَ: اس نے تیوری چڑھائی، اس نے منہ بنایا، وہ ترش رو ہوا۔ عَبْسٌ و عُبُوْسٌ سے ماضی۔

بَسَرَ: اس نے منہ بسورا، اس نے منہ بنایا۔ بُسُوْرٌ سے ماضی۔

يُؤْثَرُ: وہ ترجیح دیتا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے۔ اِيْثَارٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس (ولید بن مغیرہ) کی پرواہ نہ کیجئے جس کو میں نے تنہا کسی شریک کے بغیر پیدا کیا، میں آپ ﷺ کی طرف سے اس کے لئے کافی ہوں۔ پیدائش کے وقت اس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ اور تنہا دنیا میں آیا تھا۔ ہر انسان ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے، نہ مال و اولاد ساتھ لے کر آتا ہے اور نہ لشکر و سامان۔ اس شخص کو بھی یہ مال و اولاد، کنیز و غلام، نوکر چاکر اور ہر طرح کا آرام و آسائش وغیرہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا سے دنیا ہی میں ملا ہے۔ اس لئے اس کو اس پر غرور و تکبر زیب نہیں دیتا۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس کی ہوس اور خواہش نفس پوری نہیں ہوتی اور چاہتا ہے کہ اس میں مزید اضافہ ہو اور جو کچھ اس کو دنیا میں ملا ہوا ہے وہ سب آخرت میں بھی مل جائے لیکن اب ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ آخرت تو کیا وہ تو دنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیسا ذلیل و خوار ہوتا ہے کیونکہ یہ ہماری آیتوں کو جاننے کے باوجود جھٹلاتا اور ان کو جادو کہتا ہے اور یہ بہت ہی بغض و عناد رکھنے والا ہے۔ میں بہت جلد اس کو ایسے سخت عذاب سے ڈھانک دوں گا جو ہر عذاب سے بڑھ کر ہوگا کیونکہ یہ قرآن کے بارے میں خوب سوچ سوچ کر گفتگو کرتا ہے اور بار بار غور و فکر کر کے پیشانی پر بل ڈال کر اور منہ بنا کر حق و صداقت سے منہ موڑ کر صاف صاف کہتا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ انسانی قول اور جادو ہے جو پہلے لوگوں کے منتروں سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ

ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے اُن کی تعداد کافروں کے لئے آزمائش بنائی ہے تا کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور مومنوں کا ایمان بڑھے اور تا کہ اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں اور تا کہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا غرض ہے۔ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو لوگوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

يَرْتَابَ: وہ شک کرتا ہے، وہ شبہ کرتا ہے۔ ارْتِيَابٌ سے مضارع۔

جُنُوْد: لشکر، فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

تشریح: دوزخ کے نگراں فرشتوں کی تعداد ۱۹ سن کر مشرکین تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ ہم تو ہزاروں ہیں۔ اُنیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ ان کو ہرانے کے لئے تو ہمارے زیادہ سے زیادہ ۱۹۰ آدمی کافی ہوں گے۔ ان میں سے ایک جو بڑا مغرور تھا کہنے لگا میں تو اکیلا سترہ کو کافی ہوں گا، جو دو بچیں گے ان کا تم مل کر تیا پانچہ کر لینا۔ مشرکین کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو ہم نے دوزخ کی نگرانی پر مقرر کیا ہے وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ نہ تم انہیں ہرا سکو گے اور نہ تھکا سکو گے۔ وہ کسی پر رحم نہیں کھاتے بلکہ پوری پوری سزا دیتے ہیں۔ اُن کی قوت کا یہ حال ہے کہ صرف ایک فرشتے نے قوم لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اُٹھا کر پٹخ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کا ذکر تو تمہاری امتحان کے لئے ہے۔ اس سے ایک طرف تو کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری طرف اہل کتاب کا یقین پختہ ہو گیا کہ اس رسول کی رسالت

حق ہے کیونکہ ان کی کتاب میں بھی تعداد لکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے اہل ایمان کا ایمان بھی مزید پختہ ہوا اور اہل کتاب اور مومنوں کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہا۔ البتہ جن لوگوں کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری ہے وہ پوچھ بیٹھے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگ شک و شبہے میں پڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں۔ اس کے لشکروں کی صحیح تعداد اور ان کی کثرت کا کسی کو علم نہیں۔ وہی خوب جانتا ہے۔ یہ جہنم جس کا حال تم نے ابھی سنا ہے سب لوگوں کے لئے سراسر باعث عبرت و نصیحت ہے۔

اہل دوزخ سے سوال

۳۲ ـ ۴۲۔ كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝

ترجمہ: قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی جب وہ روشن ہو جائے کہ یقیناً وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز ہے، لوگوں کو ڈرانے والی ہے، ہر اس شخص کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے، سوائے دائیں طرف والوں کے کہ وہ جنتوں میں ہوں گے اور گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں پہنچایا۔

اَسْفَرَ: وہ روشن ہوا۔ اِسفار سے ماضی۔

رَهِينَةٌ: گروی رکھی ہوئی، پھنسا ہوا، گروی۔ رَہْن سے علیہ صفت بمعنی مفعول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے چاند کی، رات کے جانے کی اور صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرمایا کہ بے شک وہ جہنم جس پر ۱۹ فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے وہ زبردست اور بڑی بھاری

بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو بنی آدم کو ڈرانے اور خبردار کرنے والی ہے۔ سو تم میں سے جو چاہے آگے بڑھ کر سعادت و فلاح اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کر کے جنت اور اس کی نعمتیں حاصل کر لے اور جو چاہے شقاوت و بدی کا راستہ اختیار کر کے جہنم حاصل کر لے۔ پس جو جیسا کرے گا وہ ویسا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بھلائی کا راستہ اختیار کرے اور چاہے برائی کا راستہ اختیار کرے۔

ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے نتائج قیامت کے روز ہی سامنے آئیں گے۔ اس دن ہر شخص اپنے اعمال میں بندھا ہوا ہو گا لہٰذا قیامت کے روز کوئی بھی اپنے کفر و شرک، بد اعمالیوں اور گناہوں کی سزا سے نہیں بچ سکے گا مگر دائیں طرف والے اس سے مستثنیٰ ہوں گے، یعنی جن لوگوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ جنت کے بالا خانوں میں نہایت آرام و سکون سے بیٹھے ہوئے اہلِ جہنم کو بدترین عذابوں میں مبتلا دیکھ کر ان سے پوچھیں گے کہ تم تو بڑے عقل مند تھے، اپنی عقل و دانائی کے باوجود تم اس ہلاکت و تباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے۔

اہلِ دوزخ کا جواب

۴۳۔۵۱: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث کرتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ پھر کسی سفارش کرنے والے کی سفارش ان کے کام نہ آئے گی۔ پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے (ڈر کر) بھاگ رہے ہیں۔

نَخُوْضُ: ہم بحث کرتے ہیں، ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

کے لئے یہ تحریر ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو نصیحت کرتے ہیں، اس کو سنو۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ

اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ ہم پر ایسی کتاب نازل کرادیں جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں۔ (الاسراء: ۹۳)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ

وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔ (الانعام: ۱۲۴)

خبردار! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ان کی یہ بے ہودہ خواہش اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو وہ واقعی ایمان لے آئیں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہی نہیں اور نہ ان کو آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا کا یقین ہے۔ یہ قرآن تو سراسر پیغام نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب کو پہنچا دیا۔ اب جس کا دل چاہے اس کو قبول کرے اور جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ اس کو وہی قبول کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے گا اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرما دے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا تو اللہ اس کے دل میں کفر پیدا کر دے گا۔ اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اپنے لطف و کرم اور مہربانی سے اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ (عثمانی: ج ۲، ۷۵۴، ۷۵۵)

احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت هو اهل التقوی کے بارے میں فرمایا "تمہارے رب نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں کہ میرا شریک قرار دینے سے اجتناب کیا جائے اور کسی کو میرا سا بھی نہ بنایا جائے اور میں اس بات کا اہل ہوں کہ جو تقویٰ رکھے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائے تو میں اس کی بخشش کردوں"۔ (مظہری: ۱۰/۱۳۵)

سورۃ القیامہ

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے اور اس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قسم کھائی ہے۔ اسی لئے اس کا نام سورۃ قیامہ ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۴۰ آیتیں، ۱۶۴ کلمات اور ۶۵۲ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ بالاتفاق یہ سب کے نزدیک مکی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (مواہب الرحمن ۲۹/۲۳۰)
اس میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے جو اس دن لوگوں پر گزریں گے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ کی قدرت کاملہ اور آخرت کے حالات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: انسان کی حقیقت اور انجام کا ذکر ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۱ - ۵۔ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝

قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے ایسے نفس کی جو (برائی پر) ملامت کرے۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔ کیوں نہیں۔ ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور درست کر دیں بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آگے کو بھی نافرمانی کرتا رہے۔

لَوَّامَۃ: بہت ملامت کرنے والا۔ لَوْمٌ سے مبالغہ۔

عِظَامَہٗ: اس کی ہڈیاں۔ واحد عظمٌ۔

نُّسَوِّیَ: ہم برابر کرتے ہیں، ہم ٹھیک ٹھاک کرتے ہیں۔ تَسْوِیَۃٌ سے مضارع۔

بَنَانَہٗ: اس کی پوریں، اس کی انگلیوں کے سرے۔ واحد بنانۃٌ۔

یَفْجُرَ: وہ نافرمانی کرتا ہے، وہ کھلے عام گناہ کرتا ہے۔ فُجُوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے منکرین کے اس قول کی تردید میں کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی مانے یا نہ مانے قیامت ضرور قائم ہوگی اور مرنے کے بعد تمہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، تمہارے اچھے برے اعمال کا حساب ہوگا، اور تمہیں اس کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ نفس لوامہ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بد اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ اگر اس نے اچھے کام کئے ہوں گے تو نفس سے کہے گا کہ تو نے اس سے زیادہ نیک کام کیوں نہیں کئے اور اگر برے کام کئے ہوں گے تو کہے گا کہ تو نے برے کام کیوں کئے۔

اگر انسان یہ سوچ رہا ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کی ہڈیوں کو جو ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو چکی ہیں، جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے تو یہ اس کی محض خام خیالی ہے۔ ہم تو اس پر بھی پوری طرح قادر ہیں کہ اس کی ہڈیوں اور جسم کے منتشر اجزا کو متفرق مقامات سے جمع کر کے اس کو دوبارہ کھڑا کر دیں اور اس کی انگلیوں کی پوریں بھی ٹھیک ٹھیک بنا دیں۔ جب ہم انگلیوں کی پوروں جیسی نازک اور باریک ہڈیوں کو جوڑ کر درست کر سکتے ہیں تو پھر تمام اجزا اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے۔

جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو محال جانتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ کوئی بہت مشکل بات ہے یا اس سلسلے میں اللہ کی قدرت کے دلائل و نشانات صاف اور واضح نہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی جو عمر باقی رہ گئی وہ اس میں بے فکری سے فسق و فجور کرتا رہے۔ اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب و کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو پھر فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے وہ دل میں ایسا خیال ہی نہیں آنے دیتا جس سے اس کے عیش و لذت میں خلل پڑے۔

قیامت کے دن جائے پناہ نہ ملنا

۶ ـ ۱۵ ۔ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ۝ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّأُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ۝ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ۝

وہ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب آئے گا؟ پھر جب آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند جمع کر دیے جائیں، اُس دن انسان کہے گا کہ کہاں ہے بھاگ کر جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ اُس روز صرف آپ (ﷺ) کے رب کے پاس ٹھکانا ہوگا۔ اُس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا (پیچھے) چھوڑ آیا بلکہ انسان اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا اگرچہ اپنے حیلے پیش کرے گا۔

أَيَّانَ: کب۔ حرف استفہام زمان۔

بَرِقَ: وہ خیرہ ہوگئی، وہ چندھیا گئی، وہ پتھرا گئی۔ بَرْقٌ سے ماضی۔

خَسَفَ: وہ بے نور ہوا، وہ گہن میں آیا۔ خُسُوفٌ سے ماضی۔

وَزَرَ: پناہ کی جگہ، پناہ گاہ۔

مَعَاذِيرَهُ: اُس کے عذر، اُس کے بہانے۔ واحد مَعْذِرَۃٌ۔

تشریح: پھر انسان بطور تمسخر اور استہزا سوال کرتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں بلکہ وہ تو اتنی ہولناک ہوگی کہ اس وقت آنکھیں حیرت سے پتھرا جائیں گی اور گہن لگنے کی طرح چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور چاند اور سورج کو بے نور کر کے لپیٹ دیا جائے گا یعنی آسمان و زمین کا تمام نظام جو شمس و قمر کی گردش پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جائے گا۔ وہ ایسا ہیبت ناک دن ہوگا کہ آدمی بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگے گا اور کہے گا کہ پناہ کی جگہ کہاں ہے جہاں میں اس بدحواسی اور ہول سے نکل کر جا چھپوں۔ اس وقت اس کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے جواب ملے گا کہ آج کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ آج نہ کوئی تجھے بچا سکتا ہے اور نہ پناہ دے سکتا ہے۔ آج سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۞

اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ (الشوریٰ: ۴۷)

آج ہر شخص کو اس کے اگلے پچھلے، اچھے برے اور چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کر دیا جائے گا بلکہ اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ تو اپنے آپ کو خوب جانتا ہے اور اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے۔ اس وقت وہ عذر، حیلے اور بہانے کرے گا لیکن سب بے سود۔ (حقانی: ۵۸/۷)

آپ (ﷺ) کے سینے میں قرآن محفوظ کرنا

۱۶۔۱۹: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۞ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۞ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۞ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۞

آپ (ﷺ) اس (قرآن) کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ پھر جب ہم اس کو پڑھنے لگیں تو آپ بھی اس کو اسی طرح پڑھیں۔ پھر اس کو کھول کر بیان کرا دینا (بھی) ہمارے ذمے ہے۔

شانِ نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات وحی کو یاد رکھنے کے لئے اپنی زبان اور لبوں کو حرکت دیتے تھے (یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دہراتے تھے) اور یہ عمل آپ ﷺ پر سخت گزرتا تھا جس کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری: ۱۳۹/۱۰)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو اس کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ کو جلدی کرنے اور محنت و مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں، اس وقت آپ ﷺ تو

بس سنتے رہیں۔ پھر جب جبرائیل علیہ السلام پڑھ چکیں تو ان کی تلاوت کردہ آیات کو آپ بھی پڑھیں تاکہ وہ آپ کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ بلاشبہ اس قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع کرنا پھر آپ کی زبان پر اس کا ورد کرا دینا اور اس کی تفسیر و بیان اور اس کے معنی و مطالب واضح کرانا سب ہمارے ذمے ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ

اور اے نبی! جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس مفید اور عجیب قرآن کو آپ پر بتدریج نازل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کو جبرائیل علیہ السلام سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جب فرشتہ آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں۔ قرآن کریم کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم لے چکے ہیں۔ اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

حصولِ دنیا میں انہماک

۲۰۔۲۵: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

ہرگز نہیں بلکہ تم تو دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس دن اداس ہوں گے اور خیال کر رہے ہوں گے کہ ان پر کمر توڑ دینے والی مصیبت آنے کی۔

نَاضِرَۃٌ: بارونق، تروتازہ۔ نَضْرٌ و نَضْرَۃٌ سے اسم فاعل۔

نَاظِرَۃٌ: دیکھنے والی، انتظار کرنے والی۔ نَظَرٌ سے اسم فاعل۔

باسِرَۃٌ: پریشان، اُداس، بے رونق۔ بَسْرٌ و بُسُوْرٌ سے اسم فاعل۔

فَاقِرَۃٌ: کمر توڑ دینے والی ہر مصیبت۔ فَقْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: انسان اس بات سے خوب واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ حشر و نشر اور تخلیق پر قادر ہے اور قیامت کے دن کوئی عذر و معذرت اس کو نفع نہ دے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ دنیا کی محبت میں خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہوا و ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو نابینا کر رکھا ہے اسی لئے وہ آخرت سے غافل اور بے پروا ہیں، حالانکہ قیامت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے۔ اس دن بہت سے لوگ تو ایسے ہوں گے جن کے چہرے تر و تازہ، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور ان کی آنکھیں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اس دن بہت سے چہرے اُداس اور بے رونق ہوں گے۔ انہیں یقین ہوگا کہ ان پر اب کوئی سخت مصیبت اور اللہ کی پکڑ آنے والی ہے اور انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

احمد، ترمذی اور دار قطنی وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں کو، بیویوں کو، سامان و آسائش کو، خدمت گاروں کو اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی راہ کے بقدر دیکھا کرے گا اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ جنتی ہوگا جو صبح و شام اللہ کا دیدار کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آپ کی خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا "بلاشبہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ جہاں تک ہو سکے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو۔

مرتے وقت جدائی کا احساس ہونا

۲۶۔۳۰: كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝

ہرگز نہیں۔ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے، اور وہ (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف ہی جانا ہوتا ہے۔

التراقی: گلے کی ہڈی، ہنسلی۔ واحد ترقوۃ۔

راق: جھاڑ پھونک کرنے والا، منتر پڑھنے والا۔ رُقیۃ سے اسم فاعل۔

التفت: وہ لپٹ گئی۔ اِلتفات سے ماضی۔

الساق: پنڈلی، ٹانگ کا وہ حصہ جو ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان ہے۔ جمع سوق۔

المساق: چلنا، ہانکنا۔ سَوق سے مصدر میمی۔

تشریح: جب انسان کی روح سمٹ کر گلے تک پہنچ گئی اور سانس حلق میں رکنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا آخرت کا سفر شروع ہو گیا ہے۔ ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی۔ لوگ ظاہری علاج اور تدبیروں سے مایوس ہو جاتے ہیں اور جھاڑ پھونک والوں کو تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت مرنے والے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب عزیز و اقارب اور محبوب چیزوں سے جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

بعض اوقات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن یعنی ٹانگوں سے روح کا تعلق ختم ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لئے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ بعض سلف نے یہاں پنڈلی کو سخت مصیبت کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ مل گئی کیونکہ مرنے والے کو اس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ ایک سختی تو اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست احباب اور مال و اسباب وغیرہ چھوڑنے کا رنج و غم ہے اور دوسری سختی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے جس کی کیفیت کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔ پس اب بندے کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔

انسان کی کم بختی

۳۱۔۳۵: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ۝ ثُمَّ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى ۝

نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی لیکن تکذیب کی اور منہ موڑا پھر اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف روانہ ہوا۔ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔

یَتَمَطّٰى: وہ اترا کر چلتا ہے، وہ غرور سے اکڑتا ہے۔ تَمَطِّی سے مضارع۔

اَوْلٰى: زیادہ قریب، بہت لائق، زیادہ مستحق، تباہی ہو، کم بختی ہو۔ وَلْیٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: افسوس کہ انسان سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں نہیں جوڑیں گے اور قیامت کے روز اس کو زندہ کر کے نہیں اٹھائیں گے، اسی لئے اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر یقین نہیں کیا اور نہ اپنے رب کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ اس کے برعکس اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور غرور و تکبر کرتے ہوئے ان سے منہ موڑا۔ پھر وہ اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا گویا کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے کر آرہا ہے۔ اے بدنصیب انسان! اب تیری کم بختی آ گئی۔ ایک مرتبہ نہیں چار مرتبہ۔ دنیا میں بھی تیری بربادی ہو اور مرنے کے وقت بھی تیری ہلاکت ہو۔ جب قبر سے اٹھایا جائے اس وقت بھی تیری تباہی ہو اور جہنم میں داخل ہوتے وقت بھی تو تباہ و برباد ہو۔ پہلا اور دوسرا اَوْلٰی دنیوی تباہی کے لئے ہے یعنی دنیوی زندگی میں اور مرتے وقت تیری تباہی ہوگی۔ تیسرا اور چوتھا اَوْلٰی آخرت کی تباہی کے لئے ہے یعنی حشر کے وقت اور جہنم میں داخلے کے وقت تیری تباہی ہوگی۔ (عثمانی: ۷۵۹، ۷۶۰/۲، مظہری: ج ۱۰، ص ۱۳۵، ۱۳۶)

انسان کی حقیقت و انجام

۳۶۔۴۰: أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى ۝ أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۝

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا۔ پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا۔ پھر اللہ نے اس کو پیدا کیا اور اعضا درست کئے۔ پھر اس سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا۔ کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔

سُدًی: بے کار، بے قید، مہمل۔ واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عَلَقَةً: جمے ہوئے خون کی ایک شکل، خون کا لوتھڑا۔

تشریح: کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ اس کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے گا، نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا، نہ مرنے کے بعد اس کو زندہ کیا جائے گا، نہ اس سے نیک و بد کا حساب لے کر اس کو جزا یا سزا دی جائے گی۔ حالانکہ اس کی پیدائش کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی کی پابندی کرے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰریٰت: ۵۶)

اور میں نے جن و انسان اپنی عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ انسان حشر کا کیسے انکار کرتا ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہونا کیسے کس طرح ناممکن قرار دیتا ہے۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو چالیس روز کے بعد خون کا لوتھڑا ہوا۔ پھر اسے بوٹی بنا دیا، پھر ہڈیاں بنیں اور پھر ان کو گوشت پہنایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر کے اس میں روح پھونک کر اس کو انسان کامل بنا دیا۔ پھر اسی نطفے سے دو قسمیں مرد اور عورت پیدا کئے اور ان میں سے ہر ایک کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہلی مرتبہ سب کو اپنی حکمت و قدرت سے بنایا اس پر قادر نہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر دے۔ بے شک وہ قادر ہے۔ (حقانی ۱۱/۲۷۰، مظہری ۱۰/۱۴۳)

احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص سورۃ والتین آخر تک پڑھے یعنی الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو بلٰی وانا علٰی ذٰلک من الشّٰھدین (ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں) کہے اور جو شخص سورۃ قیامت الیس ذٰلک بقٰدر علٰی ان یحیی الموتٰی تک پڑھے تو وہ بلٰی کہے، اور جو سورۃ والمرسلٰت فبای حدیث بعدہ یؤمنون تک پڑھے وہ اٰمنا باللہ کہے"۔ (روح المعانی ۲۹/۱۵۰)

اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راہ بھی سمجھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

امشاج: ملے ہوئے، مخلوط۔ واحد مشیج

تشریح: بیشک انسان پر ایک زمانہ ایسا گزر چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ کوئی اسے جانتا اور پہچانتا نہ تھا بلکہ وہ فراموش کردہ اور متروک الذکر تھا۔ ہم نے نطفے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے مختلف قسم کی غذاؤں اور ان کے جوہر اور خلاصے سے پیدا کیا اور عجیب و غریب طریقے کے الٹ پھیر کرنے کے بعد ہم اسے موجودہ شکل و صورت میں لے آئے۔ اب وہ کانوں سے سنتا ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا دوسرے سب حیوانات اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں۔

بیشک ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیج کر کتابیں نازل کر کے اور معجزات و دلائل کے ذریعے انسان کے لئے اللہ کی خوشنودی، حق و ہدایت کا خوب واضح، صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے۔ اب انسان پر ہے کہ وہ چاہے تو ہماری ہدایت کا شکر کرے اور اس کو قبول کرے اور چاہے اس نعمت کا کفران کر کے ناشکری کرے۔ اب اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: ۱۰)

ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔

مسند احمد میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر عمل نہ کریں گے اور نہ میرے طریقے پر چلیں گے۔ پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلم میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے۔ اے کعب! وہ گوشت پوست جنت میں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو؟ وہ تو جہنم ہی میں جانے کے قابل ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۵۵۴)

ابرار پر اللہ کا خاص انعام

۴۔۶ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

بے شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے البتہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ (جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے۔

اَغْلٰلًا: طوق، ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ

كَاْسٍ: ایسا جام جو لبالب بھرا ہوا ہو۔ جمع كُئُوْسٌ

يُفَجِّرُوْنَ: وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ نکال کر لے جائیں گے۔ تَفْجِيْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مخلوق میں سے جو بھی اللہ کے احکام کا انکار کرتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے اور اپنے کفر و معصیت پر قائم رہتا ہے تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے زنجیریں، طوق اور شعلوں والی دہکتی ہوئی تیز آگ تیار کر رکھی ہے۔ وہ اسی لائق ہیں کہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے، ہمیشہ دہکتی ہوئی آگ میں جلتے رہیں۔ ان کے برعکس نیک اور فرماں بردار لوگوں کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں کافور نامی چشمے کا پانی ملا ہوا ہوگا۔ اس کا ذائقہ بھی اعلیٰ ہوگا اور خوشبو بھی بہت عمدہ۔ یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پئیں گے۔ ان کو اس چشمے تک آنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنے باغوں اور مکانوں میں بیٹھے بیٹھے ہی جس طرف چاہیں گے اسی طرف اس کی شاخ پہنچ جائے گی۔ چشمہ ان کے حکم کے تابع ہوگا۔

ابرار کے اوصاف

۷۔۱۲ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا

جنت کی نعمتیں

۱۳-۱۸ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۞ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۞ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۞ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۚ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۞

وہ لوگ اس میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی کی شدت اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان پر چاندی کے برتنوں اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا۔ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جن کو (خدام) نے ٹھیک اندازے سے بھرا ہوگا۔ ان کو وہاں وہ جام پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ اس (جنت) میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

اَرَآئِکُ: بہت سے تخت، مسہریاں۔ واحد اَرِیْکَۃٌ

زَمْهَرِيْرًا: جاڑا، سخت سردی۔

قُطُوْفُهَا: اس کے پھل، اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ

قَوَارِيْرَا: شیشے کے برتن۔ واحد قَارُوْرَۃٌ

فِضَّۃٌ: چاندی۔ اسم جنس۔

زَنْجَبِيْلًا: ادرک، سونٹھ، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

سَلْسَبِيْلًا: بہتا ہوا صاف پانی، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

تشریح: اہل جنت نہایت آرام و اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیے لگائے ہوئے جنت کے باغوں میں ہوں گے جہاں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی بلکہ وہاں کا موسم ہمیشہ معتدل رہے گا۔ وہاں آرام و راحت اور نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہوگا کہ جنت کے درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور اس کے پھلوں کے خوشے لٹک کر نیچے

کر دیئے جائیں گے تاکہ اہل جنت جو پھل بھی لینا چاہیں تو بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں، یعنی پھل ان کے اتنے قریب ہوں گے کہ چاہے وہ کھڑے کھڑے توڑیں یا بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے، ان کو درختوں پر چڑھنے اور اس کے لئے تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بس ہاتھ بڑھا کر توڑا اور کھا لیا۔

ایک طرف تو خوش و خرم، باادب، خدمت شعار، فرماں بردار خادم، جام لب تک بھرے ہوئے چاندی کی کشتیوں میں لئے کھڑے ہوں گے اور دوسری طرف شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوری برتن ہوں گے۔ یہ بڑے صاف، شفاف اور چمکدار ہوں گے، شیشے کی مانند اور صفائی میں چاندی کی مانند ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ اہل جنت کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی یہ جام ٹھیک اسی اندازے کے مطابق بھرے ہوئے ہوں گے تاکہ پینے والے کے نہ کچھ بچے اور نہ کم پڑے۔
ایک جام شراب تو وہ تھا جس میں کافور کی آمیزش تھی اور دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ سونٹھ دنیا کی سونٹھ نہیں بلکہ جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں اور یہ جام سے عالی مقام مقربین کے لئے ہیں۔ (مظہری ص ۱۹۴، ۱۹۵ ج ۱۰)

اہلِ جنت کے خدام

۱۹-۲۰　وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اگر تو ان کو دیکھے تو سمجھے گا کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور جب تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو تجھے (ہر طرف) نعمت ہی نعمت اور بڑی بادشاہت نظر آئے گی۔

مَنثُورًا۔　بکھرا ہوا، بکھیرا ہوا۔ نَثْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ خوبصورت نو عمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے۔ یہ جنتی خدمت گار ہمیشہ نو عمر ہی رہیں گے اور نہ بوڑھے ہوں گے بلکہ ان کا حسن و جمال ہمیشہ قائم رہے گا اور وہ لطافت و صفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ دیکھنے والا ان کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ گویا زمین پر خوبصورت موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اے مخاطب! جنت کا حال یہ ہوگا کہ جب تو وہاں نظر ڈالے گا تو دیکھے گا کہ وہاں بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے۔ وہاں کا چپہ چپہ راحت و سرور اور

نعمت و نور سے معمور ہے۔ وہاں اہلِ جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ نہ ان کو ان نعمتوں میں کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان کے فنا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اس دنیا میں نہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ وہاں کی سلطنت کی شان و شوکت کا کوئی تصور ہو سکتا ہے۔

اہلِ جنت کا لباس اور زیور

٢١-٢٢ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

ان جنتیوں پر باریک سبز ریشم اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں شرابِ طہور پلائے گا (ان سے کہا جائے گا) یہ تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا، باریک ریشمی کپڑا۔

خُضْرٌ: سبز، ہرے۔ واحد اَخْضَرُ

اِسْتَبْرَقٌ: دبیز ریشمی کپڑا، دیبا۔

حُلُّوْا: ان کو پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے ماضی مجہول۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ

تشریح: اہلِ جنت کا لباس سبز رنگ کا باریک نہایت نرم اور چمکدار ریشم کا ہوگا۔ نیز ان کے لئے قیمتی، دبیز ریشمی کپڑے بھی ہوں گے تاکہ وہ باریک اور دبیز قسم کے لباس استعمال کریں۔ اس کے علاوہ ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے بھی ان کو مزین کیا جائے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے (ہاتھ کے) زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

(مظہری: ١٠/ص ١٦٠)

ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ان کا رب ان کو شرابِ طہور پلائے گا جو مذکورہ دونوں قسم کی

شرابوں کے علاوہ ہوگی یعنی شراب طہور کا فوراً اور سونٹھ کی آمیزش والی شرابوں سے مختلف ہوگی۔ اس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ گرانی نہ بدبو۔ اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے۔ اس کے پینے کے بعد جو پسینہ آئے گا اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔ پھر ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔ یہ سن کر اہل جنت اور زیادہ خوش ہوں گے۔ (عثمانی: ج ۲ ص ۳۶۵)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۲۳-۲۶۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝

بیشک ہم نے آپ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے۔ آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور ان میں سے کسی گنہگار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیتے رہئے اور رات کے کچھ حصے میں اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کرتے رہئے۔

تشریح: مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن جادو ہے، کوئی جن آپ کو سکھاتا ہے۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن جادو نہیں بلکہ جامع ہدایت اور وحی حق ہے اور بلاشبہ اللہ ہی نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ اس کے احکام بتدریج نافذ ہوں اور لوگوں پر گراں نہ گزریں۔ اگر پوری کتاب ایک ہی دفعہ میں نازل کر دی جاتی تو اس کے تمام احکام بھی اسی وقت نافذ ہو جاتے جو لوگوں پر بھاری پڑتے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے توریت کے احکام کو دیکھ کر اس کا انکار کر دیا تھا یہ لوگ بھی قرآن کے منکر ہو جاتے۔ اگر یہ لوگ بتدریج احکام نازل فرمانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں تو آپ بھی اپنے رب کے حکم پر جمے رہئے، اپنے فریضہ تبلیغ و دعوت میں لگے رہئے اور کفار و مشرکین میں سے کسی کی بات نہ مانئے بلکہ آپ تو صبح شام اللہ کو یاد کرتے رہئے اور رات کے طویل حصے میں نماز، اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہئے۔

(عثمانی: ج ۲ ص ۷۶۵ - مواہب / ج ۲۹ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

منکرین کے کفر کا سبب

۲۷-۲۸ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝ نَّحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ أَسْرَهُمْ ۚ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۝

بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور انہوں نے ایک سخت دن کو اپنے پیچھے چھوڑ رکھا ہے۔ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ و بند مضبوط کئے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے میں ان ہی جیسے اور لے آئیں۔

شَدَدْنَا: ہم نے مضبوط کیا، ہم نے قوت دی۔ شَدٌّ سے ماضی

اَسْرَهُمْ: ان کی جوڑ بندی، ان کی قید۔

شِئْنَا: ہم نے چاہا۔ مَشِیْئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: یہ مشرکین و منکرین جو آپ کی ہدایت اور نصیحت قبول نہیں کرتے اس کا سبب دنیا کی محبت ہے۔ دنیا کی راحت و لذت چونکہ جلد حاصل ہو جاتی ہے اس لئے یہ اسی کو پسند کرتے ہیں اور اسی کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور قیامت کے اس ہولناک دن سے غافل اور منہ موڑے ہوئے ہیں جو ان کے سامنے آنے والا ہے بلکہ ان کو اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سو یہ ظالم دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر اپنے خالق و مالک کو بھولے ہوئے ہیں حالانکہ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جسم کے تمام جوڑ مضبوط کئے ہیں کہ یہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور سرکش ہو کر آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ہم ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ان ہی کی مثل لوگوں سے بدل دیں جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيرًا ۝

اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو سمیٹ لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء: ۱۳۳)

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ۝

اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے، اور یہ بات اللہ کے لئے ذرا مشکل نہیں۔ (الفاطر: ۱۶، ۱۷)

پیغامِ نصیحت

۲۹۔۳۱　إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾

یقیناً یہ ایک نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے رب (تک پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے اور تم جب ہی چاہو گے جب اللہ چاہے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: یہ ایک پیغامِ نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ دنیا کو پہنچا دیا ہے۔ جس کا دل چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کر لے اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کر لے۔ کسی مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی نفع یا ضرر پیدا کر سکے اس لئے تم میں بھی یہ قدرت نہیں کہ تم اپنے لئے کوئی نفع پیدا کر لو۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اللہ چاہے گا کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ہدایت کے اسباب میسر کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنی کج روی اور گمراہی پر قائم رہیں اور حق کو تسلیم نہ کریں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ بس موت آنے کی دیر ہے۔ جیسے ہی جسم سے روح نکلے گی ان ظالموں کو اپنا انجام نظر آ جائے گا اور جس عذاب کا یہ انکار کرتے تھے اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

(مواہب الرحمٰن: ج ۲۹، ص ۲۹۰، ۲۹۱)

سورۃ المرسلات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا المرسلٰت کے لفظ سے ہوئی ہے جس کے معنی چلنے والی ہواؤں کے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المرسلٰت ہو گیا۔ اس کا ایک نام سورۃ العرف بھی ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۰ آیات، اور ۸۱۶ حروف ہیں۔ حسن، عکرمہ اور جابر نے کہا کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ اس میں ایک آیت واذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون مدنیہ ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید، آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کا مفصل بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن/ج ۲۹ص ۲۹۳ ۔ روح المعانی/ج ۲۹ص ۱۶۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کے احوال، تخلیق انسانی میں قدرت الٰہی کی نشانیاں اور منکرین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: پرہیزگاروں کا حال مذکور ہے۔

قیامت کا یقینی طور پر آنا

۱ ۔ ۷: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝

اور قسم ہے چلتی ہوئی خوشگوار ہواؤں کی پھر ان (ہواؤں) کی جو تیز چلتی ہیں اور ان کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں پھر ان کی جو (بادلوں) کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو وحی اتار کر لاتے ہیں، حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لئے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔

عُرْفًا: نرمی، نیکی۔ پے در پے جمع عُرف و اعراف۔

العٰصِفٰتِ: آندھیاں، تیز چلنے والی ہوائیں۔ واحد عاصفۃ۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل

المُلْقِیٰتِ: ڈالنے والیاں (دل میں) مراد ملائکہ یا ہوائیں۔ واحد مُلْقِیَۃٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ کسی نے ان پانچوں قسموں کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو، بعض مفسرین نے پہلی چار قسموں سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے اور بعض نے پہلی تین سے ہوائیں اور آخری دو سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ ابن کثیر کے مطابق ان میں سے ابتدائی تین صفتیں ہواؤں کی ہیں اور آخری دو فرشتوں کی صفات ہیں۔ اس طرح ہواؤں کی قسم بھی ہوگی اور فرشتوں کی قسم بھی ہوگی۔ پس ان آیتوں کے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں جس سے بارش ہونے لگتی ہے، اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر وحی اور قرآن کو القا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔ سو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً حق ہے اور ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا تاکہ مجرموں کو حقیقتاً ان کی بداعمالیوں کی پوری سزا دی جائے اور مومنوں کو ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع/ ج ۸، ص ۶۲۵، حقانی/ ج ۲، ص ۲۹۸)

قیامت کے احوال

۸۔۱۵ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝

پھر جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا کس دن کے لئے ان چیزوں میں دیر ہے۔ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم فیصلے کا دن کیسا ہے۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

طُمِسَتْ: وہ (ستارے) بے نور کر دیئے جائیں گے، وہ مٹا دیئے جائیں گے۔ طَمْسٌ سے ماضی مجہول۔

فُرِجَتْ: وہ (آسمان) پھاڑ دیا جائے گا، وہ کھولا جائے گا۔ فَرْجٌ سے ماضی مجہول۔

نُسِفَتْ: وہ اڑائے جائیں گے، وہ ریزہ ریزہ کئے جائیں گے۔ نَسْفٌ سے ماضی مجہول۔

اُقِّتَتْ: اس کا وقت مقرر کیا گیا۔ تَوْقِيْتٌ سے ماضی مجہول۔

اُجِّلَتْ: وقت مقرر کیا گیا، تاخیر کی گئی۔ تَاجِيْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اس دن ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور رسولوں کو اپنی اپنی امت پر شہادت دینے کے لئے قبروں سے باہر لایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کس دن کے لئے ان امور کو اٹھا رکھا ہے۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا دو ٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس کو ایک خاص وقت کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس کی ہیبت، وحشت اور ہولناکی کی کوئی حد نہیں۔ اس روز مکذبین کو سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ جس چیز کی انہیں کوئی امید نہ تھی وہ یکایک اپنی ہولناک صورت میں آ پہنچے گی اور وہ حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع۔ مواہب الرحمٰن)

تخلیقِ انسانی میں قدرت کی نشانیاں

۱۶۔۲۳

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝

کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر پچھلوں کو بھی ہم انہی کے ساتھ کر دیں گے۔ ہم گناہگاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے

پیدا نہیں کیا پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم) میں رکھا، ایک مقررہ وقت تک۔ پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیا خوب اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

مَهِین: ذلیل، حقیر، بے عزت۔ مَهَانَۃٌ سے صفت مشبہ۔

قَرَار: قرار، آرام کی جگہ، ٹھکانا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

تشریح: کیا ان منکرین و مکذبین کو یہ معلوم نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو رسولوں کی تکذیب کرنے پر ہلاک کر چکے ہیں، پھر ان کے بعد اور امتیں آئیں۔ انہوں نے بھی رسولوں کی اسی طرح تکذیب کی تو ہم نے انہیں بھی غارت کر دیا۔ اگر یہ مشرکین مکہ بھی اپنے کفر و تکذیب پر قائم رہے تو ہم ان کو بھی پہلے والوں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دیں گے۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے چلے آئے ہیں۔

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا اور کیا تمہیں ٹھہرنے کی ایک محفوظ جگہ میں نہیں رکھا یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفے نے نہایت محفوظ طریقے سے نشو و نما پائی، اعضا کی ساخت ہوئی، شکل و صورت بنی اور اس میں روح ڈالی اور ایک مقررہ مدت تک وہ وہیں رہا یعنی ۶ تا ۹ مہینے۔ ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے۔ اگر پھر بھی تم اس آنے والے دن کو نہیں مانو گے یعنی قیامت کو تو یقین جانو کہ قیامت کے دن تمہیں بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا۔

زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی

۲۵۔۲۸ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں اور مردوں کو اور ہم نے اس (زمین) میں بلند پہاڑ بنا دیے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

كِفَاتًا: سمیٹنے والی، اکٹھا کرنے والی۔

رَوَاسِی: جمے ہوئے، پہاڑ، بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

شٰمِخٰت: بلند ہونے والیاں، تکبر کرنے والیاں۔ شُمُوْخٌ سے اسم فاعل۔

فُرَاتًا: بہت شیریں اور ٹھنڈا پانی، پیاس بجھانے والا۔

تشریح: کیا یہ تمام چیزیں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور منکرین کا یہ کہنا نہایت لغو ہے کہ مرنے کے بعد جب وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی کہ وہ زندگی میں تمہیں اپنی پشت پر چلاتی ہے اور موت کے بعد تمہیں اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ پھر ہم نے اس زمین میں مضبوط، وزنی اور بلند پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ یہ ہلے جلے نہیں بلکہ اپنی جگہ ساکن رہے اور تم اطمینان و سکون سے اس پر چلتے پھرتے رہو اور ہم نے تمہیں بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا نہایت زود ہضم، میٹھا اور خوشگوار پانی پلایا۔ ان نعمتوں کے باوجود اگر تم تکذیب ہی کرتے رہے تو یاد رکھو وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب تم حسرت و افسوس کرو گے اور وہ کچھ کام نہ آئے گا۔

مشرکین کا انجام

۲۹-۳۴ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ لَا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(ان سے کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس (دوزخ) کی طرف چلو۔ اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ گھنی چھاؤں اور نہ شعلے سے بچاتا ہے۔ یقیناً وہ محل جیسے بڑے بڑے انگارے برسائے گی گویا وہ زرد اونٹ ہیں۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

اِنْطَلِقُوْا: تم چلو۔ اِنطلاق سے امر۔

شُعَبٍ: شاخیں، پھانکیں، قبیلے۔ واحد شُعْبَة

لَهَبٌ: آگ بھڑکنا، شعلہ۔ مصدر ہے۔

جِمٰلَتٌ: کئی اونٹ۔ واحد جَمَلٌ

صُفْرٌ: زرد، پیلا۔ صُفْرَۃ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جو کفار و مشرکین دنیا میں قیامت، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو جھٹلاتے تھے، قیامت کے

بھی آ جائے جو دوزخ پر ۱۹ فرشتوں کی تقرری کا سن کر کہتا تھا کہ سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا باقی دو سے تم نمٹ لینا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ

اے جن و انس کے گروہ اگر تم آسمان و زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ۔ (الرحمٰن: ۳۳)

یاد رکھو! آج کوئی سرکش و متکبر اور منکر و مکذب میری پکڑ سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی نافرمان اور شیطان میرے عذاب سے نجات پا سکتا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴ ص ۴۶۰۔ ۴۶۲)

پرہیزگاروں کا حال

۴۱۔۴۵ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

بیشک پرہیزگار (اس کی رحمت کے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں گے۔ مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

تشریح: اس سے پہلے بدکاروں کی سزاؤں کا بیان تھا اب نیک لوگوں کی جزا کا بیان ہے کہ دنیا میں جو لوگ پرہیزگار رہتے تھے، اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے تھے، فرائض و واجبات کی پابندی کرتے تھے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہتے تھے قیامت کے روز وہ نہایت راحت و سکون کے ساتھ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ جنت کے گھنے، ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں اطمینان و آرام سے رہیں گے۔ قسم قسم کے پھل اور میوے ان کے لئے موجود ہوں گے۔ جب بھی اور جس پھل کو جی چاہے گا وہ ان کے پاس آ موجود ہوگا۔ نہ وہاں کوئی روک ٹوک ہوگی اور نہ کسی کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان نعمتوں کے ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ پھر ان کی خوشی کو دوبالا کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اے میرے بندو! تم خوشی خوشی اور خوب سیر ہو کر بلا روک ٹوک کھاؤ پیو۔ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں۔ البتہ جھٹلانے والوں کی آج بڑی ہلاکت و تباہی ہے۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۶۲)

منکرین کی چند روزہ عیش

۴۶ - ۵۰ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

(اے کافرو! دنیا میں) تھوڑا سا کھالو اور برت لو، بے شک تم گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو نہیں جھکتے۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ آخر اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تشریح: ان مجرمین و مکذبین کو جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت میں مست تھے اور جنہوں نے آخرت کو فراموش کر رکھا تھا، دنیا ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ تم دنیا میں کچھ کھا پی لو اور اس کی لذتوں سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو۔ پھر بہت جلد یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تمہیں بھی موت آ لے گی۔ پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ قیامت کے روز منکرین و مکذبین سخت نقصان اور پورے خسارے میں ہوں گے۔

دنیا کی زندگی میں ان منکرین کا ایسا سرکش و نافرمان رویہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ تم آ کر نماز ادا کرو اور اللہ کے سامنے جھکو تو حقارت اور تکبر کے ساتھ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن ان جھٹلانے والوں کے لئے بڑی ہلاکت اور مصیبت ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ قرآن پر بھی ایمان نہیں لاتے جس کے دلائل نہایت واضح اور روشن ہیں تو پھر کس کلام کو مانیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے اس کے جواب میں آمنت باللہ وبما انزل کہنا چاہئے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۶۱)

وہ آپس میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اس عظیم خبر کے متعلق، جس
میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ اس خبر کے بارے میں بہت جلد
جان لیں گے اور یقیناً انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

عَمَّ: کس چیز سے۔ یہ اصل میں عن اور ما سے مرکب ہے۔ ما استفہامیہ اور ما خبریہ میں فرق کرنے کے لئے الف حذف کر دیا گیا۔

یتساءلون: وہ باہم سوال کرتے ہیں۔ وہ باہم پوچھتے ہیں۔ تساؤل سے مضارع۔

النبا: خبر، خبر دینا، اطلاع، واقعہ۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ جمع انباء۔ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

شان نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو لوگ (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ اس پر عم یتساءلون عن النبا العظیم نازل ہوئی۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۱۷۱)

تشریح: اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اس کے کلام میں استفہام سوال کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اس کی عظمت اور ہولناکی کو ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی، ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے میں بتایا اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو وہ آپس میں پوچھنے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے ہولناک واقعے کی خبر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، قیامت کا قائم ہونا اور اس میں لوگوں کے اعمال کا حساب و کتاب اور جزا و سزا کا تعین ناممکن اور محال تھا۔ اس لئے ان میں سے کچھ لوگ تو نبا عظیم کے بالکل منکر ہو گئے اور کچھ تردد میں پڑ گئے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین و منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال تحقیق کے طور پر نہیں بلکہ بطور تمسخر پوچھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا ان میں اتنی استعداد و صلاحیت ہے کہ یہ اس عظیم خبر کو سمجھ سکیں جس کے بارے میں بحث و تمحیص کر رہے ہیں۔ پھر تاکید کے لئے یہ مضمون دو مرتبہ فرمایا کہ وہ بحث و تمحیص اور سوال و جواب سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں بلکہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب مرنے کے بعد دوسرے عالم کے احوال ان پر ظاہر ہوں گے اور وہ وہاں کے ہولناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز

ہے اور ان کے بحث و مباحثے اور اختلاف کی کیا حیثیت تھی۔ لیکن اس وقت کا جاننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا، کیوں کہ وہ عمل کرنے کی جگہ نہیں بلکہ بداعمالیوں کی سزا پانے کی جگہ ہے۔ ابھی دنیا میں ان کے پاس وقت اور مہلت ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر قیامت کی ہولناکی سے بچ سکتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ کے عظیم آثار

۶-۱۶۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور تمہیں جوڑا جوڑا بنایا، اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا باعث بنایا اور رات کو پردے کی چیز بنایا، اور ہم نے دن کو (حصول) معاش کے لئے بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، تاکہ اس (بارش) سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (اگائیں)۔

مِهٰدًا: بچھونا، ٹھکانا۔ فرش۔ جمع مُهُدٌ و اَمْهِدَةٌ

اَوْتَادًا: میخیں، کھونٹیاں۔ واحد وَتَدٌ

سُبَاتًا: آرام، راحت، تھکان دور کرنا۔ قطع کرنا۔ مصدر ہے۔ جس کے معنی موندنے اور قطع کرنے کے ہیں۔ نیند بھی انسان کے تمام رنجوں، غموں اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب و دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

مَعَاشًا: معاش کا وقت، روزی کا وقت، کمائی کرنا۔ عَيْشٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

وَهَّاجًا: جگمگاتا ہوا، بہت روشن (مراد سورج)، بہت چمکدار، ایسی روشنی جس میں گرمی بھی ہو۔ وَهْجٌ سے مبالغہ۔

۴۔ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا: اور ہم نے نیند کو تمہارے بیداری کے اعمال قطع کرنے والی چیز بنا دیا تاکہ تمہارے جسمانی اعضا کو آرام و سکون مل جائے۔ انسان کی ساری محنتوں کا مدار اسی نیند پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت پوری مخلوق کے لئے عام ہے۔ امیر و غریب، بادشاہ و مزدور، عالم و جاہل، مومن و کافر اور جانوروں کے لئے یہ دولت مفت اور بلا محنت ہی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس کو جبری بنا دیا ہے۔ آدمی نا چاہتے ہوئے بھی سونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی دن بھر کی تھکان دور ہو جاتی ہے اور وہ نیند کے بعد بیدار ہونے پر پھر سے تازہ دم ہو کر کام کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔

۵۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا: اور ہم نے رات کو لباس یعنی چھپانے کی چیز بنا دیا۔ عموماً نیند اس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ماحول پرسکون ہو اور شور و غل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس نے تمہیں نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ پورے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں، مثلاً رات کی تاریکی، تمام انسانوں اور جانوروں پر ایک وقت نیند طاری ہوتا۔ اگر دوسرے کاموں کی طرح نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتے تو نیند کے وقت کسی کو بھی سکون میسر نہ آتا۔

۶۔ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا: اور ہم نے دن کو حصول معاش کا سبب بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے بندوں کے لئے جو رزق مقرر کیا ہے بندے اس کے حصول کے لئے دن میں محنت اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ اگر ہمیشہ رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو وہ اپنی غذائی ضروریات کیسے پوری کرتا۔ اسی طرح اگر دن ہی دن رہتا تو آدمی ہر وقت بھاگ دوڑ میں ہی رہتا اور آرام و سکون نہ ملتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و قدرت سے زمین اور آفتاب کی گردش کو اس انداز سے مقرر فرما دیا کہ دن اور رات اپنے مقررہ وقت پر آتے جاتے ہیں اور آدمی کا سکون و عافیت برقرار رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی معاش بھی حاصل کرتا ہے اور آرام و سکون بھی۔

۷۔ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے جن پر گردش زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اسی طرح قائم ہیں اور اس کی صناعی اور کاریگری پر دلیل ہیں۔

۸۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا: اور ہم نے ایک روشن چراغ یعنی سورج بنا دیا جس میں روشنی اور حرارت دونوں موجود ہیں۔ دن کے وقت اس کی روشنی سے ہر شخص اور ہر جاندار بلکہ نباتات بھی نفع اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روز صور میں پھونک ماری جائے گی جو سینگ کی شکل کا ہوگا۔ اس وقت تمام مردے زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے اور گروہ در گروہ اس مقام پر آ جائیں گے جہاں حساب و کتاب ہوگا۔ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکے جانے کے بعد تمام عالم فنا ہو جائیں گے۔ دوسری مرتبہ پھونکے جانے کے بعد آسمان و زمین پھر سے قائم ہو جائیں گے اور مردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ یہاں دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝

اور (جب) صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق بیہوش ہو کر گر پڑے گی، سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بیہوشی سے محفوظ رکھے، پھر (جب) دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو (دفعتاً) سب (ہوش میں آ کر) ایک دم کھڑے ہو کر (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔ (الزمر۔ ۶۸)

اس روز ہر امت اپنے نبی کے ساتھ آئے گی، جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ (الاسراء۔ ۷۱)

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بے حقیقت ہو جائیں گے اور ان کو زمین سے اٹھا کر فضا میں ریت کے ذروں کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔ جس طرح چمکتی ہوئی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہوتا ہے اسی طرح دور سے وہ پہاڑ نظر آئیں گے حالانکہ حقیقت میں وہ پہاڑ نہیں ہوں گے بلکہ ریت کے ڈھیر ہوں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ

اور تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو اور جان رہے ہو کہ وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلتے پھرنے لگیں گے۔ (النمل۔ ۸۸)

اور ارشاد ہے:

حَمِیْمًا: بہت ہی گرم پانی، کھولتا ہوا پانی۔ جمع حمائم۔

غَسَّاقًا: پیپ، کچ لہو، دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والا خون، انتہائی ٹھنڈا بدبودار پانی۔ غسق سے مبالغہ۔

وِفَاقًا: موافق، پورا پورا، مکمل۔ مصدر بمعنی اسم فاعل۔

اَحْصَیْنٰهُ: ہم نے اس کو محفوظ کر دیا، ہم نے اس کو گن لیا، ضبط کر لیا۔ احصاء سے ماضی۔

تشریح: بلاشبہ جہنم سرکش اور نافرمان لوگوں کی گھات میں ہے اور یہی ان کے لوٹنے اور رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں جہنم سے مراد پل صراط ہے جہاں مومنوں کو ثواب دینے والے اور مجرموں کو عذاب دینے والے فرشتے انتظار کر رہے ہوں گے۔ ثواب کے فرشتے اہل جنت کو ان کے مقام تک پہنچا دیں گے اور عذاب کے فرشتے اہل جہنم کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ طاغین سے یا تو وہ کافر مراد ہیں جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر گئے اور کفر ان کا مذہب ہو گیا یا مسلمانوں کے وہ گمراہ فرقے مراد ہیں جو قرآن و سنت کی حد سے نکلے ہوئے ہیں، اگرچہ انہوں نے صراحتاً کفر اختیار نہیں کیا۔

یہ لوگ دوزخ میں مدتوں پڑے رہیں گے جہاں ان کو نہ ٹھنڈک کی راحت ملے گی اور نہ پینے کو کوئی خوشگوار چیز، بلکہ ان کو پینے کے لئے نہایت گرم پانی اور دوزخیوں کی پیپ ملے گی جس میں خون ملا ہوا ہوگا اور جو نہایت ٹھنڈی ہوگی کہ دوزخی اس کو پی نہ سکیں گے۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے اسی طرح غساق ٹھنڈک کی شدت سے ان کو جلا دے گا۔

جس طرح دنیا میں کافروں کو حساب و کتاب کا یقین ہی نہ تھا اور وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر و انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے تھے، اسی طرح آخرت میں ان کا عذاب بھی بڑھتا ہی رہے گا اور یہ سزائیں ان کے اعمال کے مطابق ہوں گی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں۔ سو اے اہل دوزخ اب تم دوزخ میں اس عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔ ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔ (مظہری ۱۰/ ۱۷۳، ۱۷۴، ابن کثیر ۴/ ۴۶۴، ۴۶۵)

جنت کی نعمتیں

۳۱-۳۴۔ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝

پرہیزگاروں کو جنت میں جو بدلہ ملے گا بظاہر وہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہوگا مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا، اس کا فضل و کرم اور اس کا انعام و احسان ہوگا۔ اور یہ عطا اور احسان ایسا بھرپور ہوگا کہ اس کے بعد کوئی تمنا اور خواہش باقی نہ رہے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں اور مخلوقات کا پالنے والا ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں۔ وہی رحمٰن ہے۔ اس کے رحم نے سب چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کوئی لب کشائی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ

جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا۔ (ہود ۱۰۵)

عظمت و جلالِ خداوندی

۳۸-۴۰۔ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۝ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ۝

جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس کے جس کو رحمٰن اجازت دے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔ اس دن (کا آنا) یقینی ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے۔ بیشک ہم نے تمہیں ایک نزدیک آنے والے عذاب سے خبردار کر دیا ہے۔ اس دن ہر شخص (ان اعمال کو) دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔

اَذِنَ　　اس نے حکم دیا، اس نے اجازت دی۔ اِذْنٌ سے ماضی۔

صَوَابًا:　　ٹھیک بات، حق، درست۔

مَآبًا: واپس ہونے کی جگہ، لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: جس روز روح یعنی جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوئے ہوں گے، اس روز کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بات نہ کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا خواہ روح و ملائکہ ہوں یا انبیا علیہم السلام یا ولی اور سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے بولنے یا شفاعت کرنے کی اجازت دی ہو اور وہ بات بھی ٹھیک اور حق کہے۔ البتہ اس کو بھی کسی کافر کی شفاعت کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ کسی کی مجال ہوگی کہ وہ بارگاہ الٰہی میں کسی کافر کے حق میں کوئی لفظ کہہ سکے۔

جس دن یہ کیفیت ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس کا آنا یقینی اور برحق ہے۔ اس کے آنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جو چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرماں برداری اور ہدایت کا راستہ اختیار کر کے سیدھا اپنے رب کے پاس جا پہنچے۔ بیشک ہم نے تمہیں عذاب قریب یعنی آخرت کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس دن ہر شخص اپنے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، خواہ یہ دیکھنا اس طرح ہو کہ جب اعمال نامہ ہاتھ میں آئے گا تو اس وقت اپنے اعمال کو اس میں دیکھے یا حشر کے دن اس کے تمام اعمال مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے۔ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ یوم سے مراد موت کا دن ہو اور اعمال کو دیکھنے سے قبر و برزخ کو دیکھنا مراد ہو۔

قیامت کے روز کافر اپنی شامت اعمال کو دیکھ کر کہیں گے کہ کاش وہ مٹی ہوتے اور پیدا ہی نہ ہوتے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کو ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ پھر ان جانوروں سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اب مٹی بن کر حساب و کتاب اور عذاب جہنم سے بچ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے۔ اگر اس سے بچ گیا تو اس کے بعد والی منزلیں آسان ہیں اور اس سے نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔

(مظہری/ج ۱۰، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۵)

سورة النازعات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ النازعات سے ہوئی ہے۔ جس کے معنی ہیں روح کو بدن کی رگ رگ سے کھینچ کر نکالنا۔ یہ سورت اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کو سورة الساہرة اور سورة الطامہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)

تعارف وخلاصہ: اس میں دو رکوع، ۴۶ آیات، ۱۷۹ کلمات اور ۷۵۳ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔
(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۵۳۔ روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)
اس میں عقیدۂ توحید کا بیان، رسالت کا اثبات، بعث بعد الموت اور حشر ونشر کے دلائل و شواہد مذکور ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے بارے میں منکرین قیامت کے سوال کا جواب اور روزِ محشر کی حاضری اور وہاں کی کچھ کیفیات کا بیان تھا۔ اس سورت میں خاص طور پر اس بے چینی، اضطراب اور بدحواسی کا ذکر ہے جو قیامت کے روز لوگوں پر طاری ہوگی۔ نیز جزا وسزا اور مومنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا گیا ہے۔

فرشتوں کی پانچ صفات

۱۔۵۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

اور قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں اور بند کھول دینے والوں کی اور تیزی سے تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی اور ہر کام کا انتظام کرنے والوں کی (قیامت ضرور آئے گی)۔

النّٰزِعٰتِ: سختی سے کھینچنے والیاں، سختی سے نکالنے والیاں، وہ فرشتے جو کافروں کی جانیں سختی کے ساتھ
ان کے بدنوں سے کھینچتے ہیں۔ نَزْعٌ و تَنَزُّعٌ سے اسم فاعل۔ واحد نازِعَۃٌ

النّٰشِطٰتِ: گرہ کھولنے والے، بند کھولنے والے۔ اس سے مراد رحمت کے وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی
روح آسانی سے نکالتے ہیں۔ نَشْطٌ سے اسم فاعل۔ واحد ناشِطَۃٌ

السّٰبِحٰتِ: تیرنے والیاں، کشتیاں، وہ فرشتے جو اس روانی کو لے کر اس طرح سہولت اور تیزی سے
چلتے ہیں گویا کہ تیر رہے ہیں۔ سَبْحٌ سے اسم فاعل۔ واحد سابِحَۃٌ

المُدَبِّرٰتِ: تدبیر کرنے والیاں، انتظام کرنے والیاں، فرشتوں کی وہ جماعت جو اللہ کی طرف سے
کائنات کے انتظام پر مامور ہے۔ تَدْبِیْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُدَبِّرَۃٌ

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق قیامت کی حقانیت بیان کرنے کے لئے سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایسی پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کا تعلق انسان کی موت اور حالت نزع سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی موت بھی قیامت ہی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

اذا مات احدکم فقد قامت قیامتہ۔ (کشف الخفاء)

جب تم میں سے کسی کی موت واقع ہو گئی تو گویا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔

وہ پانچ صفات یہ ہیں۔

۱۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا: اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر روح نکالتے ہیں۔ اس سے مراد عذاب کے وہ فرشتے ہیں جو کافروں کی روح سختی سے نکالتے ہیں۔ چونکہ نزع کے وقت کافر کی روح برزخ کا عذاب دیکھ کر گھبرا جاتی ہے اور اس کے بدن میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے اس لئے فرشتے کافر کے بدن میں گھس کر اس کو سختی کے ساتھ کھینچ کر نکال لیتے ہیں جس سے اس کو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف سے مراد روحانی تکلیف ہے، یعنی اس کی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکل جاتی ہے لیکن یہ آسانی ہمارے دیکھنے کی حد تک ہے ورنہ اس کی روح پر جو سختی ہوتی ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بند کھولنے والے ہیں۔ یہاں وہ فرشتے مراد ہیں جو مومنوں کی روح آسانی اور نرمی سے نکالتے ہیں، گویا کہ وہ مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں مومن کی روح اس کے جسم سے نکل کر عالم برزخ کے ثواب اور نعمتوں

کی طرف جلد سے جلد جانا چاہتی ہے، کیونکہ وہ ان کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کے حصول کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی آسانی سے مراد روح کی آسانی ہے۔ اگر کسی نیک آدمی کی روح نکلنے کے وقت اس کے جسم پر سختی کے آثار نظر آئیں تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعتاً اس پر سختی ہو رہی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے روشن چہروں والے فرشتے جنتی کفن اور خوشبو لے کر آتے ہیں اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل۔ فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آجاتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ۔ ملک الموت اس کو لے لیتا ہے مگر وہ فرشتے پھر بھی اس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضے میں لے کر اس کو جنتی کفن اور خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے بہترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔

اور جب کوئی کافر دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل۔ یہ سن کر روح بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جیسے خاردار سیخ کو تر اون سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر نکال لیتا ہے۔ پھر وہ فرشتے ٹاٹ لے کر پھر اس کو ملک الموت سے لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار جیسی بدبو نکلتی ہے۔ (مظہری، ج ۱۰، ص ۱۸۶،۱۸۵)

۳۔ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرنے والے ہیں یعنی وہ فرشتے جو روح کو تیزی سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔

۴۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔ پھر سبقت کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یہ فرشتے روح کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ پھر جب اس روح کو جنت یا جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے تو اس حکم کی تعمیل میں بہت جلدی کرتے ہیں۔

۵۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ پھر اللہ کے حکم کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس روح کو راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان مہیا کرتے ہیں اور جس روح کو عذاب و تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے عذاب کے اسباب کا انتظام کرتے ہیں۔ روح

بارے میں بتایا جاتا تھا کہ تو وہ تمسخر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں چلے جانے اور جسم اور ہڈیوں کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر یہ دوسری زندگی تو ہمارے لئے بڑے خسارے کی ہوگی۔ کیونکہ اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ جس کام کو یہ لوگ بڑا بھاری اور ناممکن خیال کرتے ہیں وہ ہمارے لئے بہت ہی معمولی کام ہے۔ ادھر ایک آواز دی گئی یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا اور سب اگلے پچھلے زندہ ہو کر حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ جیسے کہ سوتے ہوئے لوگوں کو جگا دیا گیا ہو۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

۱۵-۲۶۔ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوًى ۝ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن
تَزَكَّىٰ ۝ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ۝ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝
فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ۝ فَقَالَ أَنَا
رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۝ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ۝

کیا آپ کو (حضرت) موسیٰ کی خبر پہنچی جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں ان کو پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ پھر اس سے کہو کیا تو اپنی اصلاح چاہتا ہے اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ دکھاؤں تاکہ تجھ میں اللہ کا خوف پیدا ہو۔ سو (حضرت موسیٰ نے) اس کو بڑی نشانی دکھائی۔ پھر بھی اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر وہ الٹ ہٹ کر (موسیٰ کے خلاف) کوشش کرنے لگا کہ میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ پھر اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ بے شک خوف

خدا رکھنے والوں کے لئے اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے۔

حدیث: بات، خبر، قصہ۔ جمع احادیث

الواد: دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان، وادی، راستہ۔ یہاں مقدس وادی طویٰ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔ جمع اودیۃ

طویٰ: وادیٔ طویٰ، وہ مقام جہاں مدین سے واپس آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام کیا تھا۔ اسی مقدس وادی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔

حشر: اس نے اکٹھا کیا، اس نے جمع کیا۔ حشرٌ سے ماضی۔

نکال: ایسا عذاب جو باعث عبرت ہو، سزا۔ اسم ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین ومنکرین کی طرف سے تکذیب وانکار اور ایذا رسانی صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ آپ سے پہلے جو انبیائے علیہم السلام گزرے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جاتی رہی اور ان کو بھی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر سے کام لیتے رہیے۔ جب فرعون اپنے کفر وانکار میں حد سے بڑھتا چلا گیا تو اس کی قوت اور کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا۔ یہ مشرکین مکہ مال ودولت اور قوت وکثرت میں فرعون کے برابر نہیں اس لئے ان کو اس واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کے معاملات سے عبرت حاصل کرے۔

ایک روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طویٰ کی مقدس وادی میں پکار کر ان سے کلام کیا اور ان کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دو۔ بلاشبہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو کفر ونافرمانی اور غرور وتکبر کی گندگی سے پاک ہو کر راہ راست پر آنا نہیں چاہتا؟ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھے اس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت پیدا ہو جائے گی اور تیری زندگی سنور جائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانے کے ساتھ ساتھ فرعون کی اصلاح بھی تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اسے دعوت ایمان دی، اور حجت قائم کرنے کے لئے اس کو عظیم الشان معجزے

دکھائے جو واضح طور پر حضرت موسیٰ کی صداقت ظاہر کرتے تھے لیکن اس نے تکذیب و نافرمانی کی اور وہ حق سے منہ موڑ کر حق کے خلاف ساحروں کو جمع کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ پھر اس نے حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانے کے لئے بے شمار ساحر جمع کر لئے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ میں ہی تمہارا سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں اور میں ہی سب پر غالب ہوں۔ مجھ سے اوپر تمہارا کوئی رب نہیں۔ یہ موسیٰ کہاں سے آ گیا؟ اس کو کس نے بھیجا؟

فرعون اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ دنیا میں یہ سزا ملی کہ اس کو پانی میں غرق کر دیا اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ وہاں جہنم اس کی منتظر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ بیشک اس قصے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کا سامان ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف و خشیت ہو۔

قدرتِ کاملہ کے دلائل

۲۷-۳۳۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

کیا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا جس کو اس (اللہ) نے بنایا۔ اس نے اس کی اونچائی خوب بلند کی اور اس کو ٹھیک ٹھیک بنایا اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ اسی نے (زمین سے) پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا (یہ سب) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے ہے۔

سَمْكَهَا: اس کا ابھار، اس کی چھت، اس کی بلندی۔

اَغْطَشَ: اس نے ڈھانپ دیا، اس نے تاریک بنایا۔ اغطاش سے ماضی۔

ضُحٰىهَا: اس کی دھوپ، اس کی روشنی، چاشت کا وقت، اس کا دن۔

دحٰھا: اس نے اس کو بچھایا یا اس نے اس کو پھیلایا۔ اس نے اس کو ہموار کیا۔ دحوٌ سے ماضی

مرعٰھا: اس کی چراگاہ، سبزہ۔ رعی سے اسم ظرف۔ مکان۔

ارسٰھا: اس نے اس کو گاڑ دیا۔ اس نے اس کو قائم کر دیا۔ اس نے اس کو جما دیا۔ ارساءٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آسمان و زمین کی موجودات کی تخلیق تمہاری تخلیق سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ انسان تو کائنات مادی کا جز ہے اور ساری کائنات کی تخلیق سے جزئی طور پر آسان ہوتی ہے۔ پھر انسان تو پہلے ہی تخلیق ہو چکا ہے اس لئے قیامت کے روز اس کا دوبارہ تخلیق کرنا تو پہلی تخلیق کے مقابلے میں بہت ہی آسان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن ۵۷)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ضرور قادر ہے اور وہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (یٰس: ۸۱)

جس ذات کسی چیز کو ابتداء میں پیدا کر سکتی ہے اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو کسی قسم کے آلات، مشینری اور دیگر سامان وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کا صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ "ہو جا" بس وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یعنی کسی چیز کی تخلیق کے لئے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

بے شک جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (یٰس ۸۲)

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان کو وسیع اور بلند و بالا بنایا۔ زمین سے اس کی بلندی لاکھوں کروڑوں میل ہے۔ نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے اور نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ نہ اس میں کہیں کوئی شگاف ہے اور نہ ٹیڑھا ترچھا پن بلکہ وہ خوب کشادہ، مضبوط، صاف، بالکل برابر، ہموار اور مرتب و منظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے ستارے جڑ دیئے جو اندھیری راتوں میں خوب چمکتے ہیں۔ اسی نے رات کو تاریک اور دن کو روشن اور نور والا بنایا۔ پھر آسمان کو سنوارنے اور سجانے کے بعد اس کے نیچے زمین کو ہموار کر کے بچھا دیا اور انسانوں اور کل جانداروں کے فائدے کے لئے اس سے دریا اور چشمے جاری کر کے سبزہ پیدا کر دیا۔ پھر پہاڑوں کو زمین پر خوب مضبوط گاڑ دیا تاکہ وہ ڈگمگائے نہیں اور انسان اور کل جاندار اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ جانور بھی انسان ہی کے فائدے کے لئے ہیں کیونکہ وہ ان میں سے بعض کا گوشت کھاتا ہے، بعض پر سواری کرتا ہے اور ان سے باربرداری کا کام لیتا ہے، اور دنیا میں اپنی زندگی نہایت سکون و اطمینان سے بسر کرتا ہے۔

پس چاند اور سورج کا طلوع و غروب ہونا، دن رات کا تبدیل ہونا اور ستاروں کی گردش وغیرہ کا سارا انتظام فلکیات ایسا محکم و منظم ہے کہ دیکھنے والا اس کے صانع اور خالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سو جس ذات نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم مخلوق کو پیدا کیا ہے اس کے لئے مرنے کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیوں اور منتشر و متفرق جسمانی اجزا کو جوڑ کر دوبارہ پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں جب کہ وہ اس کو ایک بار پیدا بھی کر چکا ہو۔

(ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۶۸، ۴۶۹۔ عثمانی / ج ۲، ص ۷۷۸، ۷۷۹)

دوزخ کا منظر عام پر آنا

۳۴۔۳۶۔ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿۳۶﴾

جب وہ بڑا ہنگامہ (قیامت کا دن) آئے گا تو اس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے کر دی جائے گی۔

الطَّامَّۃ: بڑی مصیبت، بڑا حادثہ، قیامت۔ طَمٌّ سے اسم فاعل، طَمٌّ کا معنی ہے غلبہ۔ سمندر کو اسی

لئے طامّہ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ عرب ناقابلِ برداشت مصیبت کو الطامۃ کہتے ہیں۔ قیامت کو بھی طامہ اسی لئے کہتے ہیں کہ قیامت کا حادثہ تمام حوادث و مصائب پر غالب ہے، یعنی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

بُرِّزَتْ: وہ ظاہر کر دی گئی۔ تَبْرِیْزٌ سے ماضی مجہول۔

الْجَحِیْمُ: دوزخ، دہکتی ہوئی آگ۔ جُحُوْمٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جس نے آسمانوں، زمین، چاند اور سورج، ستارے، دن، رات اور پہاڑوں اور سمندر کو تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے پیدا کیا اس منعمِ حقیقی کی قدرت کے اقرار کے ساتھ ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں اس کا شکر کرتے رہنا چاہئے ورنہ جب قیامت آئے گی تو اس دن انسان کو اپنے تمام اچھے برے اعمال جو وہ دنیا میں کر کے بھول گیا سب یاد آ جائیں گے اور ان اعمال کا نیک و بد نتیجہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اس وقت وہ اپنے انجام کو دیکھ کر کافی نصیحت حاصل کرے گا اور پچھتائے گا لیکن اس وقت کا نصیحت حاصل کرنا اور پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰی ﴿۲۳﴾ (الفجر۔ ۲۳)

اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب نصیحت کا کیا فائدہ۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز جہنم لوگوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی اور ہر شخص بلا کسی رکاوٹ کے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ کافروں کو اس منظر سے ہول اور اضطراب ہوگا۔ وہ اپنے نامۂ اعمال میں ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھ کر مایوس ہوں گے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی کو جو اس میں نہ آ گئی ہو، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے موجود پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف: ۴۹)

اس کے برعکس مومنین اپنے رب کی رحمت سے نجات کے امیدوار ہوں گے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

۳۷۔۴۱۔ فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ۝ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝

جس نے (دنیا میں) سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہش سے روکے رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

آثَرَ: اس نے ایثار کیا۔ اس نے ترجیح دی۔ اس نے پسند کیا۔ ایثار سے ماضی۔

الْهَوَىٰ: نفسانی خواہش، ناجائز رغبت۔ جمع اَهْوَاءٌ

شانِ نزول: ضحاک نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہ دو آیتیں حضرت مصعب اور ان کے کافر بھائی ابو عزیز کے حق میں نازل ہوئیں۔ بدر کے روز انصار نے ابو عزیز کو گرفتار کیا۔ اس نے کہا کہ میں (حضرت) مصعب کا بھائی ہوں۔ یہ سن کر انصار نے ان کے بند کھول دیئے اور اس کا اکرام کیا اور آرام سے سلا دیا۔ صبح کو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے (واقعہ) بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی مومنین ہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں۔ تم اپنے قیدی کو مضبوط باندھو۔ اس کی ماں کے پاس اہلِ بطحا میں سب سے زیادہ مال و دولت ہے۔ انصار نے ابو عزیز کو مضبوط باندھ دیا۔ آخر اس کی ماں نے فدیہ بھیج کر اس کو چھڑا لیا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں آیت فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ہے اور آیت وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں ابو جہل اور حضرت مصعب بن عمیر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی آیت نضر اور اس کے بیٹے حرث کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر و سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے میں مشہور تھے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۳۶، ۳۷۔ مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۰)

تشریح: قیامت کے دن سرکشوں، حد سے نکلنے والوں اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں ہے کہ جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو پیچھے ڈال دے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو پیچھے کر دے گا۔ سو تم فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کرو۔ (مظہری ا ج ۱۰، ص ۱۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا تو وہ دن رات عیش و آرام کے اسباب جمع کرنے میں لگا رہتا ہے خواہ وہ حرام سے حاصل ہوں یا حلال سے۔ پھر وہ جھوٹ کی پروا کرتا ہے نہ دھوکہ دہی سے بچتا اور ظلم و زیادتی سے رکتا ہے۔ بس ہر وقت مال و زر اور زمین و جائیداد بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔ نہ اس کو نماز روزے کی فرصت اور نہ کسی نیک کام کی مہلت۔ آخر اسی حال میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا جس سے اس کو کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔

اس کے برعکس جو شخص قیامت کے روز حساب و کتاب کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر رہا اور اس نے اس خیال کو دل میں پختہ کر لیا تو وہ نفسانی خواہشات اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور احکام الٰہی کے تابع رہے گا۔ ایسے پاک لوگوں کا ٹھکانا جنت ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور انہیں ہر قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ جو کبھی کم ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔

قیامت قائم ہونے کا وقت

۴۶،۴۲۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿﴾ فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ﴿﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ﴿﴾ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿﴾

لوگ آپ سے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھتے ہیں۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب ہی کی طرف اس کی انتہا ہے۔ آپ کا کام تو صرف اس کو ڈرانا ہے جو اس سے ڈرتا ہو۔ جس دن یہ اس کو دیکھ لیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح ہی رہے تھے۔

اَیَّانَ۔ کب۔ حرف استفہام زمانی۔

مُرْسٰی: رکنا، ٹھہرنا، بمعنی لنگر انداز ہونا، ارساء سے مصدر میمی۔

یَلْبَثُوْا وہ ٹھہرے تھے، وہ رہے تھے۔ لَبْثٌ سے مضارع

ضُحٰی۔ دن کی روشنی، دن چڑھے، چاشت کے وقت، صبح کے وقت۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ضحاک کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے استہزاء کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس پر آیت یسئلونک عن الساعۃ سے سورت کے آخر تک نازل ہوئی۔

طبرانی اور ابن جریر نے طارق بن شہاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے قیامت کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس پر آیت فیم انت من ذکرھا الی ربک منتھٰھا نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۰/ ص ۱۸۵ ۔ لباب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ آپ اس کو بیان کرنے کی فکر میں نہ پڑیں۔ یہ آپ کا کام نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کا صحیح اور معین وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ۳۴)

آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، بلکہ اس لئے بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کے حوادث اور مصائب سے ڈرائیں اور ان کی غفلت کو دور کر دیں۔ آپ کا ڈرانا صرف اسی کو نفع دے گا جو اس ہیبت ناک دن پر ایمان رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک روز اسے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اچھے برے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ سو جو لوگ قیامت کے آنے کا یقین رکھتے ہیں وہ اس کی تیاری کر لیں گے اور اس کے مصائب سے بچ جائیں گے۔ اور جو لوگ آپ کی بات نہیں مانیں گے بلکہ آپ کی مخالفت کریں گے اور قیامت کو جھٹلائیں گے تو وہ اس دن بہت بڑے نقصان اور سخت عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔ اس وقت ان کو اپنی دنیا کی زندگی بہت مختصر نظر آئے گی اور ان کو ایسا محسوس ہوگا کہ صرف صبح یا شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزرا ہے۔

سورۂ عبس

وجہ تسمیہ: اس کو سورۂ عبس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب عبوس یعنی ترش روئی تھی۔ اس کو سورۃ الصاخۃ، سورۃ السفرۃ اور سورۃ الاعمیٰ بھی کہتے ہیں۔
(حقانی / ج ۵، ص ۲۳۶، روح المعانی / ج ۳۰، ص ۳۹)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۴۲ آیات، ۱۴۰ کلمات اور ۳۳۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی وغیرہ نے کہا کہ یہ سورت بالاجماع مکیہ ہے۔ (مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۵)

اس میں رسالت کا اثبات، قیامت بعث بعد الموت اور دلائل قدرت کا بیان ہے۔

حصول علم کا شوق اور خشیت

۱۶۰۱۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝

اس نے ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا، (اس بات پر) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے) سنور جاتا یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی، لیکن جو (دین) کی پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں، حالانکہ اس کے درست نہ ہونے کا

ذمے داری آپ پر نہیں اور نہ آپ پر اس بات کا الزام ہے کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس جو شخص دل میں اللہ کا خوف و خشیت لئے ہوئے حصول علم دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا، اس کی طرف آپ توجہ نہیں دیتے۔ آئندہ ہرگز ایسا نہ کیجئے، کیوں کہ قرآن تو محض ایک نصیحت کی چیز ہے، سو جس کا دل چاہے اس کو قبول کرے اور یاد کرے اور جو اس کو قبول نہیں کرے گا وہ اپنے نفع و نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ قرآن مجید تو وہ ہے جو اس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جس میں دیگر صحف آسمانی مکتوب ہیں۔ خود اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول و مکرم ہے۔ عالی شان اور نہایت پاکیزہ ہے، اور فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہے، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے، کسی ناپاک مرد و عورت اور بے وضو کے لئے اس کو چھونا جائز نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (واقعہ: ۷۹)

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو مشقت کے باوجود پڑھتا ہے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۷۲، ۶۷۵، ۶۷۶، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۹، ۱۲۲)

بعث بعد الموت کے منکرین کی مذمت

۱۷۔۲۳۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ۝

خدا کی مار انسان بھی کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، اس کو ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی، پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو موت دی اور قبر میں رکھوا دیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔ ہرگز نہیں! (اللہ نے) اس کو جس چیز کا

حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا نہیں کیا۔

قَدَّرَ: اس نے اندازہ کیا، اس نے تجویز کیا، اس نے غور و فکر کیا۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی۔

اَنْشَرَ: اس نے زندہ کر دیا، اس نے اٹھایا، اس نے پھیلایا۔ اِنْشَارٌ سے ماضی۔

یَقْضِ: وہ پورا کرتا ہے، وہ ادا کرتا ہے، وہ تمام کرتا ہے۔ قَضَاءٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن المنذر نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں (اس وقت) نازل ہوئی جب اس نے کہا کہ میں ستارے کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ (لباب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس کو ناممکن و محال سمجھتے تھے، چناں چہ انسان کی اصلیت جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی ہے کہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور و سرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا وہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا۔ وہ اس پر غور کیوں نہیں کرتا کہ اللہ نے اس کو کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے پیدا کیا ہے؟ جس میں عقل و شعور، شکل و صورت، حسن و جمال اور فہم و ادراک کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سب کچھ اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ اسی نے رحم مادر کے اندر اس کے اعضا یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ اور جسم کو ایک خاص اسلوب اور بہترین انداز سے بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ اس کو احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی عطا کیا اور اس کی تقدیر مقرر فرما دی، یعنی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے چار باتیں لکھ دیں۔ ۱۔ عمل کی مقدار، ۲۔ عمر، ۳۔ رزق، ۴۔ شقی یا سعید ہونا۔ پھر اس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ تنگ ہونے کے باوجود آسان کر دیا اور سہولت کے ساتھ پیدائش ہو گئی، اور ماں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور کتابیں بھیج کر اس کے لئے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی ظاہر اور واضح کر دیا، جیسے ارشاد ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر ۳)

بے شک ہم نے انسان کے لئے صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے۔ اب چاہے وہ ہماری ہدایت کا شکر کرے (قبول کرے) اور چاہے ناشکری کرے۔ (اس نعمت کو ٹھکرا دے)

وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے خوب پانی برسا کر زمین کو جا بجا پھاڑا، اور اس میں اناج اگایا اور انگور اور سبزی اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے۔

صَبَبْنَا: ہم نے اوپر سے ڈالا، ہم نے اوپر سے بہایا، ہم نے برسایا۔ صَبٌّ سے ماضی۔

شَقَقْنَا: ہم نے پھاڑا، ہم نے چیرا۔ شَقٌّ سے ماضی۔

قَضْبًا: ترکاری، سبزی، وہ سبز چارہ جسے جانور کھاتے ہیں۔

حَدَآئِقَ: باغات، وہ باغ جس کی چاردیواری بنی ہوئی ہو، ہر وہ باغ جو گھنا، بھرا ہوا، گھیرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔

غُلْبًا: گنجان، گھنے درختوں والا باغ، کھجور کے بڑے بڑے پھل دار درخت۔ واحد غَلْبَاءُ

اَبًّا: گھاس، چارہ، زمین کا وہ سبزہ جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے جیسے گھاس وغیرہ، یہ بات جانور کے لئے ایسی ہی ہے جیسے انسان کے لئے پھل۔ جمع اَبُوْبٌ

تشریح: انسان کو آغازِ حیات سے آخرِ حیات تک اپنے اوپر گزرنے والے مختلف ادوار میں غور کرنا چاہئے پھر اپنی غذاؤں کو بھی دیکھے کہ ہم نے کس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کی روزی کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد زندہ ہونے کی دلیل ہے کہ جس طرح ہم نے خشک اور غیر آباد زمین سے تر و تازہ درخت اور پودے اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے غذا مہیا کی، اسی طرح گلی سڑی اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر تمہیں دوبارہ زندہ کر دیں گے۔

یہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ ہم ہی نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس پانی کو زمین میں پہنچایا جس سے زمین میں پڑے ہوئے بیجوں اور دانوں میں کونپلیں نکلیں، پودے بنے اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں غلہ پیدا ہوا، کہیں انگور اور کہیں سبزیاں، کہیں زیتون پیدا ہوا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے اور اس کا تیل بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور کہیں کھجور کے درخت اور گھنے باغات پیدا ہوئے، اور مزیدار پھل اور چارہ پیدا ہوا۔ یہ سب تمہاری زندگی قائم رکھنے، تمہیں فائدہ

پہنچانے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے۔ قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے۔ ان سب کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کر ہمہ تن اس کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جاتا مگر یہ اس کی انتہائی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ وہ ان چیزوں میں غور و فکر نہیں کرتا اور اپنی زندگی غفلت و نافرمانی میں گزار رہا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۷۲، ۴۷۳)

قیامت کے احوال

۳۳-۴۲۔ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۝ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

پھر جب وہ کان پھاڑنے والی (قیامت) آئے گی تو اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے (دور) بھاگے گا۔ اس دن ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی۔ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے اور شادماں۔ اور اس دن بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کافر و بدکار ہیں۔

الصَّآخَّةُ: بڑی سخت آواز، بہرا کر دینے والی آواز یعنی نفخ صور۔ وہ شور جو قیامت کے دن ہوگا اور بہرہ کر دے گا۔ صَخٌّ سے اسم فاعل۔

شَاْنٌ: حالت، مشغلہ، فکر، اہم معاملہ۔ جمع شُئُوْنٌ

مُّسْفِرَةٌ: چمکنے والی، روشن۔ اِسْفَارٌ سے اسم فاعل۔

تَرْهَقُ: وہ ڈھانکتی ہے، وہ چھا جاتی ہے، وہ چڑھ جاتی ہے۔ رَهَقٌ سے مضارع۔

قَتَرَةٌ: غبار (غم کا)، سیاہی، کدورت، بے رونقی۔

تشریح: جب قیامت آجائے گی اور صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن بدحواسی اور بے بسی کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان اپنے بھائی اور ماں باپ حتیٰ کہ اپنی بیوی اور اولاد سے بھی بھاگے گا۔ جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔ اس دن سب کا حال ایسا ہوگا کہ وہ ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ نہ دوست و احباب اور اقارب کی طرف توجہ ہوگی، اور نہ والدین کی طرف رخ کرے گا جو زندگی میں اسے محبوب تر تھے۔ الغرض دوست و اقارب سب ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھریں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ (اس روز لوگ) اولوالعزم پیغمبروں سے شفاعت کی خواہش کریں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا سے اپنی جان کے سوا اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں۔

وہ دن یوم الحساب ہوگا ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس روز بعض چہرے روشن، مطمئن، ہنستے ہوئے اور شگفتہ ہوں گے۔ اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ یہ جنتی لوگ ہوں گے۔ اس دن بعض چہرے غبار آلود ہوں گے۔ کفر و نافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی اور نحوست ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ کافر اور بدکار لوگ ہوں گے جو دنیا میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے۔ اب یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

نیک یا بد اعمال کئے تھے۔ ان بارہ نشانیوں میں سے چھ تو پہلی دفعہ صور پھونکے جانے کے وقت واقع ہوں گی جب دنیا ابھی آباد ہوگی اور ۶ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد واقع ہوں گی۔

چھ حوادث جو نفخۂ اول کے وقت ہوں گے

۱-۶۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

جب سورج بے نور ہو جائے، اور جب تارے ماند پڑ جائیں، اور جب پہاڑ چلائے جائیں (ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں آزاد (لاوارث) پھریں، اور جب وحشی جانور خلط ملط ہو جائیں، اور جب سمندر بھڑکائے جائیں۔

كُوِّرَتْ: وہ بے نور کیا گیا، وہ تاریک کیا گیا، وہ لپیٹا گیا، وہ بے رونق کیا گیا۔ تکویرٌ سے ماضی مجہول۔

انْكَدَرَتْ: وہ میلی ہوگئی، وہ بکھر گئی، وہ ٹوٹ کر گری، وہ منتشر ہوگئی۔ انکدارٌ سے ماضی۔

الْعِشَارُ: دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں۔ واحد عُشَرَاءُ۔

عُطِّلَتْ: وہ بیکار چھوڑ دی گئی، اس سے غفلت برتی گئی، اس سے نفع نہیں اٹھایا گیا۔ تعطیلٌ سے ماضی مجہول۔

حُشِرَتْ: وہ اکٹھی کی گئی، وہ جمع کی گئی، وہ خلط ملط کی گئی۔ حَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

سُجِّرَتْ: وہ بھڑکائے جائیں گے۔ وہ آگ سے پر کی گئی، وہ خالی کی گئی۔ تسجیرٌ سے ماضی مجہول

تشریح: ۱۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ: جب سورج بے نور ہو جائے گا۔ ان ۶ حوادث میں سے جو نفخۂ اول کے وقت واقع ہوں گے سب سے بڑا حادثہ سورج کا بے نور و بے کار ہو کر سمندر میں گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے۔ کیوں کہ دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر قائم ہے۔ یہ گویا دنیا کا چراغ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن شمس و قمر سمندر میں ڈال دیئے جائیں گے۔

۲۔ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ: اور جب آسمان کے سب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر سمندر میں یا زمین پر گر پڑیں گے۔ کلبی نے کہا کہ اس روز آسمان سے ستاروں کی بارش ہوگی اور کوئی تارہ بغیر گرے نہیں رہے گا۔

۳۔ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ: اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ جب سورج اور ستارے باقی نہ رہیں گے تو زمین بھی رخصت ہو جائے گی۔ اس لئے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔

۴۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: اور جب حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یونہی بیکار، بے مہار اور لاوارث ماری ماری پھریں گی اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔ عربوں کے نزدیک وہ اونٹنی جو بچہ دینے کے قریب ہو بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا۔ اس لئے وہ اس کی سخت نگہداشت کرتے تھے اور اسے کسی وقت بھی آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

۵۔ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ: جب یہ حادثات رونما ہو رہے ہوں گے تو اس وقت انسان تو کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہیں گے۔ اس لئے وحشی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اس وقت شہر اور آبادی میں آ کر جمع ہو جائیں گے اور انسانوں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے۔

۶۔ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: اور جب سمندر خشک کر دیئے جائیں گے یا کھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح ابال آ رہا ہوگا جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہے یا ان کو آگ لگا کر بھڑکا دیا جائے گا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ بعض سمندر بعض میں داخل ہو کر باہم مل جائیں گے یعنی میٹھے اور نمکین پانی مل کر گرم پانی کا ایک سمندر بن جائے گا۔

(حقانی/ص ۵۶-۵۹، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ج ۸، ص ۶۸۱)

۶ حوادث جو نفخۂ دوم کے بعد ہوں گے

۷۔۱۴ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا

الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۞ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۞ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۞

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ ملا دیے جائیں، اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں، اور جب آسمان کھل جائے (اور اس کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں) اور جب دوزخ دہکائی جائے، اور جنت قریب لائی جائے تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ (دنیا سے) کیا لیکر آیا ہے (نیکی یا بدی)

زُوِّجَتْ: اسے اکٹھا کیا جائے گا، اس کا جوڑ ملایا جائے گا۔ تزویج سے ماضی مجہول۔

الْمَوْءُدَةُ: زمین میں گاڑی ہوئی، زندہ دفن کی ہوئی۔ وَاْدٌ سے اسم مفعول۔

نُشِرَتْ: وہ کھولے جائیں گے، وہ پھیلائے جائیں گے۔ نَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

كُشِطَتْ: وہ (آسمان) کھول دیا جائے گا، اس کی کھال اتاری جائے گی، اس کا سرپوش ہٹایا جائے گا۔ كَشْطٌ سے ماضی مجہول۔

سُعِّرَتْ: وہ دہکائی گئی، وہ بھڑکائی گئی۔ تَسْعِيرٌ سے ماضی مجہول۔

أُزْلِفَتْ: وہ قریب کی جائے گی، وہ نزدیک کی جائے گی۔ إِزْلَافٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ۱۔ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ: اور جب حشر کے میدان میں موجود لوگوں کے جوڑے اور گروہ بنا دیے جائیں گے۔ یہ جوڑے اور گروہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے ہوں گے کہ کافر ایک جگہ اور مومن ایک جگہ۔ پھر کافروں کے بھی اعمال و عادات کے فرق سے مختلف گروہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح عقیدے اور عمل کے اعتبار سے مسلمانوں کے بھی مختلف گروہ ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کے ایک جیسے اعمال ہوں گے خواہ وہ اچھے اعمال ہوں یا برے وہ ایک جگہ کر دیے جائیں گے۔ مثلاً مسلمانوں میں علما ایک جگہ، عابد و زاہد ایک جگہ، جہاد کرنے والے ایک جگہ، کثرت سے صدقہ خیرات کرنے والے ایک جگہ وغیرہ۔ اسی طرح بداعمال لوگوں میں سے چور ڈاکو ایک جگہ، زناکار و فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔

۲۔ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ: اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل، دامادی کی عار، یا بھوک و افلاس کے خوف سے اپنی لڑکی کو زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حشر کے روز اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ درگور کر دیا گیا تھا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے تو یہی ظاہر ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سوال لڑکی کے قاتلوں سے ہو کہ تم نے اس کو کس جرم میں قتل کیا۔

۳۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ: اور جب اعمال نامے حساب کے لئے پھیلا دیئے جائیں گے یا لوگوں کو دے دیئے جائیں گے تاکہ سب لوگ اپنے اپنے اعمال اپنے اپنے اعمال نامے میں دیکھ لیں جو ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں نظر آ رہا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

اور قیامت کے دن ہم اس (نامۂ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ لے آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔ (اسراء ۱۳، ۱۴)

۴۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ: اور جب آسمان کھول دیا جائے اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں، یعنی جس طرح جانور ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار لینے سے اس کا گوشت اور اندرونی اعضا ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا غلاف اتار لینے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی، جب کہ اس سے پہلے جب دنیا قائم تھی تو کسی انسان کو نظر نہیں آسکتا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔

۵۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ: جب آسمان کھل جائے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا تو بدکار لوگوں کے لئے دوزخ مزید دہکائی جائے گی جس سے اس کے شعلے اور لپٹیں سمندر کی لہروں کی طرح بلند ہونے لگیں گے، اور اس کے جوش و خروش اور شعلوں کی آواز دور تک سنائی دے گی۔ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آ رہی ہیں۔ [illegible] حالات کو دیکھتے ہی لوگوں کی جان پر بن جائے گی۔ مجرم تو خاص طور پر اس سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔

وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (الملک: ۷، ۸)

اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا ابھی غصے کے مارے پھٹ جائے گی۔

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ۝

یقیناً وہ دوزخ قلعے کی مانند چنگاریاں پھینکتی ہے گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔

(المرسلٰت: ۳۲، ۳۳)

۲۔ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ: اور جب جنت اہل ایمان پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ ۝ (ق: ۳۱)

اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل قریب کر دی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی۔

اہل ایمان اور پرہیزگار جنت کو دیکھ کر فرحت و مسرت محسوس کریں گے اور کافر اس کی نعمتوں اور اس کے بے حد اسباب آسائش و تجمل کو دیکھ کر حسرت و افسوس کریں گے، اور سخت رنج و الم میں مبتلا ہوں گے، خاص طور پر جب وہ غریب و نادار مومنوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت کے لئے منتخب ہوتا دیکھیں گے جن کو وہ دنیا میں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اور ان کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام حوادث رونما ہو جانے کے بعد ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ کیا لایا، نیک اعمال لایا یا بد اعمال، اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت پاکیزہ زندگی گزاری تھی یا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں میں مبتلا رہا اور نفسانی خواہشات پر چلتا رہا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوءٍ ۚ (آل عمران: ۳۰)

اس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اچھے کاموں کو بھی اور اپنے کئے ہوئے برے کاموں کو بھی اپنے سامنے موجود پائے گا۔

غرض اس وقت وہ تمام اچھے برے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ خواہ وہ اعمال ناموں میں لکھے ہوئے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں یا کسی خاص شکل و صورت میں اس کے سامنے کر دیئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(حقانی / ج ۵ / ص ۵۹، ۶۲ ۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸ / ص ۶۸۱، ۶۸۳)

قرآن کی حقانیت اور اثباتِ رسالت

۱۵۔۲۱۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝

سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں کی، سیدھے چلنے والے اور چھپنے والے ستاروں کی، اور رات کی جب (اس کی تاریکی) ختم ہونے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے یقیناً یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کی زبانی (پیغام) ہے، جو قوت والا ہے (اور) عرش والے کے نزدیک ذی عزت ہے، سردار ہے پھر امانت دار ہے۔

الخنّس: پیچھے ہٹ جانے والے، چھپ جانے والے، رک جانے والے۔ خَنَسٌ وخُنُوسٌ، خناسٌ سے اسم فاعل۔ واحد خانسٌ۔

الجوار: کشتیاں، جہاز، چلنے والے۔ واحد جاریۃ۔

الکنّس: چھپنے والے (ستارے)۔ کناسٌ سے اسم فاعل۔ واحد کانسٌ

عسعس: وہ جانے لگے، وہ تاریک ہو جائے۔ عَسْعَسَۃٌ سے ماضی۔ عسعس اس ہلکے اندھیرے کو کہتے ہیں جو رات کے ابتدائی اور آخری حصے میں ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۳۳۲)

تشریح: پس قسم ہے ان ستاروں کی جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف ہٹنے لگتے ہیں اور پھر پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور کبھی پیچھے کی طرف چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک خنّس، جوار اور کنّس سے وہ پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان ستاروں کے نام یہ ہیں: ۱۔ زحل ۲۔ مشتری ۳۔ مریخ ۴۔ زہرہ ۵۔ عطارد۔ ان پانچوں ستاروں کی چال عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ کبھی یہ سیدھے چلتے ہیں تو اس اعتبار سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں کہ جس طرف سے آئے تھے لوٹ کر پھر اسی طرف چلے جاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کو خنّس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو کنّس کہتے ہیں، یہ تینوں حالتیں ان ہی مذکورہ پانچ ستاروں کی ہیں۔ ان کا اس طرح مختلف حالتوں میں

چلنا پھرنا اور آنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق اور حکیم مطلق کے تابع ہیں اور اس کی قدرت و کبریائی کے روشن دلائل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی۔

پھر فرمایا کہ قسم ہے رات کی جب وہ آ کر اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آ کر روشنی پھیلائے، بلاشبہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے یقیناً حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتے کے ذریعے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ جس ذات پر یہ نازل ہوا ہے وہ بڑی برگزیدہ اور چیدہ ہے۔ انہوں نے اس قرآن کو اپنے دل سے نہیں بنایا جیسے عام طور پر شعراء و مصنفین بنایا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول (وحی لانے والے فرشتے) حضرت جبرئیل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ہے۔ یہاں قول سے مراد یہ نہیں کہ یہ قرآن حضرت جبرئیل کی تصنیف ہے بلکہ جبرئیل علیہ السلام صرف اللہ کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ معزز فرشتہ (حضرت جبرئیل) قوت والا ہے اور اللہ تعالیٰ تک اس کی رسائی ہے اور وہ وہاں (اللہ کے ہاں) بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے۔ بے شمار فرشتے اس کے زیر فرمان ہیں اور اس کے احکام مانتے ہیں۔ وہ معزز فرشتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امین بھی ہے، اس لئے وحی لانے میں کسی قسم کی کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۹۲، ۹۸، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۸۴)

جنون کے الزام کی تردید

۲۲، ۲۹۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۝ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

اور تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں۔ انہوں نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے اور وہ (رسول) پوشیدہ باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں سو (اے منکرین) تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو۔ یہ تو تمام جہانوں کے لئے ایک نصیحت ہے (خاص طور پر) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر

چلنا چاہے اور تم اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔

ضَنِیْنٌ: کنجوسی کرنے والے، بخیل۔ ضَنٌّ سے صفت مشبہ۔

رَجِیْمٌ: دھتکارا ہوا، مردود، ملعون۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

یَسْتَقِیْمَ: اس کا سیدھا رہنا، اس کا سیدھا چلنا۔ اِسْتِقَامَۃٌ سے مضارع بمعنی مصدر۔

شان نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن موسیٰ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا کہ یہ ہم پر ہے کہ ہم چاہیں تو استقامت اختیار کریں اور چاہیں نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ نازل فرمائی۔

(لباب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے ان کے اس بیہودہ خیال کے جواب میں کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں، فرمایا کہ اے مشرکین مکہ تمہارا یہ صاحب دیوانہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر کہے، بلکہ جو کچھ یہ کہتے اور پڑھ کر سناتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے معزز فرشتے کے ذریعے ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ یہ گزشتہ چالیس برس سے تمہارے ساتھ ہیں، اس طویل عرصے میں ان سے کوئی حرکت ایسی نہیں ہوئی جو کمال عقل و ہوش کے خلاف ہو۔ تم ہمیشہ ان کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ لہٰذا ان کو مجنون کہنا یا تو محض ضد و عناد ہے یا جائے خود جنون ہے۔ یہاں آیت میں جبرئیل کو دیکھنا مذکور ہے تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فرشتہ جو اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا ہوا ہے۔ اس میں جن یا شیطان کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ رسول لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں بلکہ غیب کی جو باتیں اللہ کی طرف سے ان کو پہنچتی ہیں وہ سب لوگوں کو سکھا دیتے ہیں، ان باتوں پر نہ وہ تم سے اجرت مانگتے ہیں، نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر وہ کاہن کیسے ہو سکتے ہیں؟ کاہن تو غیب کی نامکمل بات میں اپنی طرف سے بہت کچھ جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے۔ اس میں بھی اس قدر بخل سے کام لیتا ہے کہ نذرانہ یا بخشش وغیرہ کے بغیر ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ اس لئے کاہن کو حضور کی سیرت سے کوئی نسبت نہیں۔ نیز یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں، نہ وہ اس کو لے سکتا ہے اور نہ یہ اس کے مطلب کی چیز ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا

اِنْفَطَرَتْ: وہ پھٹ گئی، وہ چر گئی۔ اِنفطارٌ سے ماضی۔

الْكَوَاكِبُ: ستارے، واحد كَوْكَبٌ

انْتَثَرَتْ: وہ جھڑ گئی، وہ بکھر گئی، وہ منتشر ہو گئی۔ اِنْتِشارٌ سے ماضی۔

فُجِّرَتْ: وہ پھاڑ دیئے جائیں گے، وہ آپس میں ملا دیئے جائیں گے۔ وہ بہا دیئے جائیں گے۔
تَفْجِیْرٌ سے ماضی مجہول۔

بُعْثِرَتْ: وہ الٹ پلٹ کی گئی، وہ اکھاڑ دی گئی۔ وہ اٹھائی گئی۔ بَعْثَرَۃٌ سے ماضی مجہول۔

قَدَّمَتْ: وہ پہلے کر چکی، وہ پہلے بھیج چکی۔ تَقْدِیْمٌ سے ماضی۔

اَخَّرَتْ: اس نے تاخیر کی، اس نے پیچھے چھوڑا۔ تَاخِیْرٌ سے ماضی۔

تشریح: قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور ایک کا راستہ دوسرے میں کھول دیا جائے گا، جس سے میٹھے اور نمکین پانی کے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں قبریں شق ہو جائیں گی اور مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ (دفینے) نکال باہر کرے گی۔ (الزلزال: ۱، ۲)

اس طرح زمین و آسمان کا تمام نظام درہم برہم ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آخرت کے لئے کیا کیا اچھے اعمال کئے یا برے اعمال اور کون سے اچھے یا برے طریقے کی بنیاد ڈال کر وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ ہو جائے گا اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، اور اگر وہ برا کام ہے تو جب تک وہ برا کام ہوتا رہے گا اس کی برائی اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھی جاتی رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا، اور جس نے کوئی بری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں مبتلا رہیں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا، جس نے اس کو جاری کیا تھا۔ پس جس نے اعمال صالحہ کئے اور کبائر سے بچتا رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(حقانی ۱/ ج ۵ ص ۲۴، ۳۲۴، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/ ج ۸ ص ۶۸۷)

انسان کی غفلت

۶-۱۲۔ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکہ دے رکھا ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر درست کیا، اور اعتدال پر کیا، اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم تو جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں، معزز (اور) لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

غرّ: اس نے دھوکہ دیا، اس نے غفلت میں رکھا، اس نے فریب دیا۔ غُرُورٌ سے ماضی۔

سوّٰی: اس نے پورا پورا بنایا، اس نے ٹھیک ٹھیک بنایا، اس نے برابر کیا۔ تَسْوِیَۃٌ سے ماضی۔

عدل: اس نے اعتدال پر رکھا، اس نے برابر کیا۔ تعدیل سے ماضی۔

رکّب: اس نے ترکیب دیا، اس نے جوڑ دیا۔ ترکیب سے ماضی۔

الدّین: جزا، ملت، مذہب۔ جمع ادیان۔

کرامًا: بزرگ، نیک، فرشتے مراد ہیں۔ مفرد کریم۔

کاتبین: کتابت کرنے والے، لکھنے والے، مراد وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت اور اس کے اعمال و اقوال کو لکھتے ہیں۔ واحد کاتب۔

تشریح: جب یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے گی تو اے انسان تو اپنے عظمت و کبریائی والے خدا سے کیوں غافل ہے۔ کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے اور غفلت میں ڈال رکھا ہے اور تو دن رات اس کی نافرمانی میں

لگا ہوا ہے۔ اسی خدا نے تجھے عدم سے پیدا کیا اور یونہی بے ڈول اور بے ہنگم نہیں بنایا بلکہ پوری طرح درست اعضا والا، خوش شکل و خوبصورت بنایا اور اعضا میں بہترین تناسب اور اعتدال رکھا۔

ان سب باتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے انعامات کو پہچانتا اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا، لیکن افسوس کہ اس نے مذکورہ بالا فریب خوردگی ہی پر بس نہیں کی بلکہ وہ تو قیامت اور جزا و سزا کی بھی تکذیب کرتا ہے اور ان کو برحق نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر معزز نگہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو صرف اس کی حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے نیک و بد اعمال کو دفتر غیب یعنی اس کے اعمال نامے میں لکھتے رہتے ہیں، وہ یونہی اپنی طرف سے نہیں لکھتے رہتے بلکہ جو کچھ اچھا یا برا عمل وہ کرتا ہے وہ اس کو خوب جانتے ہیں، وہ ان سے اپنا کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی نہیں چھپا سکتا۔

پس خوب سمجھ لو کہ اس رب کریم نے تمہیں یونہی شتر بے مہار پیدا نہیں کیا، بلکہ اس نے تمہیں اپنی اطاعت و فرماں برداری کے لئے پیدا کیا ہے، اسی لئے قیامت کے دن وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ (حقانی/ ج ۵ ص ۷۵،۷۶، ابن کثیر/ ج ۴ ص ۴۸۱،۴۸۲)

فیصلے کا دن

۱۳۔۱۹۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ۝ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝

یقیناً نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار جہنم میں ہوں گے، وہ بدلے کے دن اس (جہنم) میں ڈالے جائیں گے، اور وہ اس (جہنم) سے کہیں غائب نہ ہو سکیں گے، اور (اے رسول ﷺ) آپ کو کیا معلوم کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، پھر بھی آپ کو کیا خبر کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آ سکے گا، اور اس دن تمام حکم اللہ ہی کا ہو گا۔

اَبْرَار: نیک لوگ، واحد بَرٌّ

فجار: بدکار، نافرمان۔ واحد فاجر

یصلون: وہ داخل ہوں گے۔ صلیٰ سے مضارع

الدین: مذہب، جزا، بدلہ۔ مراد قیامت

تملک: وہ مالک ہوتی ہے، وہ اختیار رکھتی ہے۔ ملک سے مضارع

امر: کام، حکم، معاملہ۔ پہلے دو معانی کے اعتبار سے جمع امور اور تیسرے معنی کے اعتبار سے جمع اوامر

تشریح: جو لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں، قلبی اطاعت گزار ہیں، بد اخلاق و اعمال سے پرہیز کرتے ہیں وہ اللہ کے مقام بلند پاتے ہیں۔ قیامت کے روز وہ جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ نعمتوں کے ختم یا کم ہونے کا خوف ہوگا۔

اس کے برعکس سرکش، نافرمان جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ جو فیصلے کے دن اس میں داخل ہوں گے اور پھر کبھی اس میں سے نکل نہ سکیں گے۔ نہ ہی ان کو کبھی موت آئے گی، نہ کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ کسی قسم کی راحت ملے گی۔ قید خانے سے چھٹکارے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جائے۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی کی قید سے نکل کے خانہ جیل توڑ کر بھاگ جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر یا رشوت دے کر نکل جائے۔ وہاں ایسی کوئی بات بھی نہ ہو سکے گی۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو صبح شام اس کے سامنے اس کی جگہ لائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں کی جگہ، اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی جگہ پیش ہوتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری جگہ ہے یہاں تک کہ اللہ تجھے قیامت کے دن یہاں لے جائے گا۔

(مظہری، ج ۱۰، ص ۲۱۶)

اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ انصاف کا دن کیسا ہے؟ کوئی انسان اس کی ہیبت و عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ بس وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ کوئی اپنے اختیار سے کسی کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا، نہ دوسرے کی تکلیف کو کم کر سکے گا اور نہ عذاب سے نجات دلا سکے گا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود کسی کو کسی کے لئے سفارش کی اجازت دے تو اور بات ہے۔ اس روز کسی کو کچھ اختیار نہ

ہوگا صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن:۱۶)

آج کس کی حکومت ہے (تو آواز آئے گی) اللہ کی جو واحد ہے قہار ہے۔

اور ارشاد ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ

اس دن حقیقی سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی۔ (الفرقان ۲۶)

سورۃ التطفیف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں خاص طور پر ناپ تول میں کمی کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی ابتدا بھی اسی مضمون سے ہوئی ہے اس لئے اس کو سورۃ التطفیف اور سورۃ المطففین کہا جاتا ہے۔

تعارف و نفسِ مضمون: اس میں ۳۶ آیتیں، ۱۶۹ کلمات اور ۷۳۰ حروف ہیں۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر حسن اور عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آٹھ آیتوں یعنی ان الذین اجرموا ... الخ کے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ویل للمطففین کو نازل فرمایا۔ اس کے بعد ان کی ناپ تول بہت ٹھیک اور اچھی ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورت کا ابتدائی حصہ مدینے میں نازل ہوا اور آخری حصہ مکے میں۔

(روح المعانی ج ۳۰ ص ۶۷، مواہب الرحمٰن ج ۳۰ ص ۱۹۶، ۱۹۷)

سورت کی ابتدا میں کمی و بیشی میں خیانت اور دھوکہ دہی پر وعید مذکور ہے، پھر کافروں کے احوال و انجام اور مومنین کے انعام و اکرام کا بیان ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی کا انجام

۱-۳۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

وَیْلٌ: ہلاکت، خرابی، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر و عذاب ہے۔

اَلْمُطَفِّفِیْنَ: تول اور ناپ میں کمی کرنے والے۔ تَطْفِیْفٌ سے اسم فاعل۔

اِکْتَالُوْا: انہوں نے پیمانے سے ناپا، انہوں نے ناپ کر لیا۔ اِکْتِیَالٌ سے ماضی۔

یَسْتَوْفُوْنَ: وہ پورا پورا لیتے ہیں۔ اِسْتِیْفَاءٌ سے مضارع۔

کَالُوْا: انہوں نے ناپ کر دیا۔ کَیْلٌ سے ماضی۔

وَزَنُوْا: انہوں نے تول کر دیا۔ وَزْنٌ سے ماضی۔

یُخْسِرُوْنَ: وہ خسارہ دیتے ہیں، وہ کم دیتے ہیں۔ اِخْسَارٌ سے مضارع۔

تشریح: پیمائش اور وزن میں لوگوں کا حق تلف کرنے والوں کی خرابی ہے۔ یہ لوگ جب ناپ کر یا وزن کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اس میں کمی کرتے ہیں۔ اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں اور نہ یہاں پورا حق لینے کی مذمت مقصود ہے، بلکہ آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ جس طرح تم اپنا حق پورا پورا وصول کرتے ہو، اسی طرح دوسروں کا حق بھی پورا پورا دینا چاہئے۔ عربوں میں زیادہ تر ناپ (کیل) کا دستور تھا اس لئے یہاں ناپ کو اختیار کیا گیا۔

اگرچہ آیت میں ناپ اور تول میں کمی کا ذکر ہے، لیکن ہر وہ چیز جس سے کسی کے حق میں کمی کی جائے خواہ وہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے، اس حکم میں داخل ہے اور حرام ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک نماز، وضو، حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کرنے والا بھی تطفیف کا مجرم ہے۔ اسی طرح حقوق العباد میں مقررہ حق سے کم کرنا، مزدور و ملازم کا مقررہ وقت تک کام نہ کرنا اور اس میں کمی یا سستی کرنا یہ سب تطفیف میں داخل ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۹۳، ۶۹۴)

ناپ تول درست رکھنے کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

ناپ تول پورا کرو اور وزن بھی سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو۔

(الاسراء: ۳۵)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر دیا کرو۔ (الانعام ۱۵۲)

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ○

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول میں کمی مت کرو۔ (الرحمٰن ۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی عادت بد کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین! میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے پانچ باتوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

۱۔ جب کسی قوم میں بے حیائی اور فحش کا کام ہونے لگیں تو وہ لوگ طاعون میں اور دوسری ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف نا آشنا اور بے خبر تھے۔

۲۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو وہ قحط، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

۳۔ جب کوئی قوم مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو اس پر آسمان سے بارش بند کر دی جاتی ہے اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بارش نہ ہو۔

۴۔ جو قوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔

۵۔ اور جب کسی قوم کے حکام احکام خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ، ابی الحسن، باب العقوبات، مستدرک ج ۴ ص ۵۸۳)

یوم عظیم کی ہولناکی

۴-۶۔ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، اس عظیم دن میں جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

یَظُنُّ: وہ گمان کرتا ہے، وہ خیال کرتا ہے۔ ظن سے مضارع۔

مَبْعُوْثُوْنَ: قبروں سے اٹھائے جانے والے، دوبارہ زندہ کئے جانے والے۔ بعث سے اسم مفعول۔

تشریح: کیا یہ لوگ ناپ تول میں کمی اور لوگوں کی حق تلفی کرتے ہوئے قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے۔ اس دن یہ لوگ حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے یقیناً ایک ایسی ذات کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے اور نہ چھپی ہوئی۔ وہ دن نہایت ہولناک، بڑی پریشانی اور گھبراہٹ والا ہوگا۔ اور اس دن لوگ مصائب و شدائد سے حواس باختہ ہوں گے۔ اگر ان منکرین کو ذرا بھی خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر ایک بڑے سخت اور مصیبت کے دن ان کو عدالت الٰہی میں حاضر ہونا اور تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے اور وہاں ان کے اعمال کا بھی وزن ہونا ہے تو یہ لوگ ایسی حرکت کبھی نہ کرتے۔

یہاں قیامت کے دن کو یوم عظیم اس لئے فرمایا کہ اول تو وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا، دوم اس دن ذرے ذرے کا حساب ہوگا، سوم اس دن اللہ جل شانہٗ کے سامنے حاضری ہوگی، پس جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا رہا تو اس پر معاملہ نہایت سخت اور شدید ہوگا اس لئے ہر شخص کو اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کے آنے سے پہلے پہلے دنیا میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت زندگی گزارنی چاہئے اسی میں نجات اخروی ہے اور اسی سے اس روز رحمت الٰہی کے سائے میں جگہ ملے گی۔

مسلم میں حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر رہ جائے گا۔ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ بعض لوگوں کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا، بعض کے زانو تک، بعض کے کمر تک ہوگا اور بعض کو پسینے کی لگام لگی ہوگی یعنی منہ تک ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ (ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۸۶)

کفار کے احوال

۷۔۹۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝

مکذبین کی ہلاکت

۱۰-۱۳۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی، جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہگار ہو، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

مُعْتَدٍ: ظالم، حد سے تجاوز کرنے والا۔ اِعْتِدَاءٌ سے اسم فاعل۔

اَثِیْمٍ: گناہگار۔ اِثْمٌ سے صفت مشبہ۔

تُتْلٰی: اس کی تلاوت کی جاتی ہے، وہ پڑھی جاتی ہے۔ تِلَاوَۃٌ سے مضارع مجہول۔

اٰیٰتُنَا: ہماری نشانیاں، ہمارے احکام۔ واحد اٰیَۃٌ۔

اَسَاطِیْرُ: کہانیاں، بے سند باتیں، من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ

تشریح: قیامت کے روز ان لوگوں کی ہلاکت اور خرابی ہوگی جو حد سے نکلے ہوئے اور گناہگار ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ کی آیات سناتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام مخلوق دوبارہ زندہ کر کے اٹھائی جائے گی اور لوگوں کو ان کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو یہ کفار و فجار انجانی، جہالت، غرور اور تکبر سے قیامت، جنت و دوزخ اور جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اور اس کے واقع ہونے کو جھوٹ، خلاف عقل اور محال کہتے ہیں اور قرآنی آیات کو گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں، من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ افسانے بتاتے ہیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

البتہ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا

رَانَ: اس نے زنگ پکڑ لیا، وہ زنگ آلود ہو گیا، یہاں دل کا زنگ پکڑنا مراد ہے۔ رَیْنٌ سے ماضی۔

یَکْسِبُوْنَ: وہ کرتے ہیں، وہ کماتے ہیں۔ کَسْبٌ سے مضارع۔

مَحْجُوْبُوْنَ: حجاب میں کئے ہوئے، پردے میں کئے ہوئے، روکے ہوئے منع کئے ہوئے۔ حِجَابٌ سے اسم مفعول واحد مَحْجُوْبٌ۔

صَالُوْا: داخل ہونے والے، آنے والے۔ صَلْیٌ سے اسم فاعل، یہ اصل میں صَالُوْنَ تھا۔ اضافت کے سبب جمع کا نون حذف ہو گیا۔

تشریح: ان کفار کے خیال کے مطابق یہ قرآن ہرگز اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بلکہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، البتہ ان کفار کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان کے گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ سو ان کا قرآن کو جھٹلانا کسی دلیل یا عقل وفہم کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی تاریکیاں ان کے دلوں پر اتنی غالب آ گئیں کہ اب وہ حق و باطل کی تمیز کے قابل ہی نہیں رہے۔ اس لئے اب انہیں برا بھلا نظر ہی نہیں آتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو یہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے (اور دل اپنی اصل حالت پر منور ہو جاتا ہے) اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہ نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے سارے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ اسی کا نام رَانَ ہے جو آیت بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ میں مذکور ہے۔

قیامت کے دن جب مومن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو اس روز کافر بقینیاً دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے اور پردوں کے پیچھے کر دیئے جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہے

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ (الاسراء ۷۲)

یہ ان کافروں کے اعمال کی سزا ہوگی کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تھا تو

پلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کو بھوک میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کا بدن ڈھانکنے کی ضرورت کے وقت کپڑا پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنتی سبز ریشم کا لباس پہنائے گا۔ (ابن کثیر، ج ۴ ص ۴۸۶)

اہل ایمان کی تضحیک کا انجام

٢٩-٣٦۔ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

یقیناً گناہگار لوگ (دنیا میں) ایمانداروں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے، اور جب اپنے گھر لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے، اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہی گمراہ ہیں، حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، سو آج ایماندار کافروں پر ہنسیں گے، مسندوں پر بیٹھے (کافروں کا انجام) دیکھ رہے ہوں گے کہ اب ان کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

أَجْرَمُوْا: انہوں نے جرم کیا، انہوں نے گناہ کیا۔ اِجْرَام سے ماضی۔

يَضْحَكُوْنَ: وہ ہنستے ہیں۔ ضِحک سے مضارع۔

مَرُّوْا: وہ گزرے۔ مُرُوْر سے ماضی۔

يَتَغَامَزُوْنَ: وہ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہیں، وہ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ تَغَامُز سے مضارع۔

اِنْقَلَبُوْا: وہ لوٹ کر آئے، وہ پھر گئے۔ اِنْقِلَاب سے ماضی۔

فَكِهِيْنَ: باتیں بناتے ہوئے، اتراتے ہوئے، مذاق اڑاتے ہوئے۔ واحد فَكِهٌ

حٰفِظِيْنَ: حفاظت کرنے والے، نگرانی کرنے والے۔ حفظ سے اسم فاعل۔

نوٹ: اس کو بدلہ دیا گیا۔ ثُوِّبَ سے ماضی مجہول۔ قرآن مجید میں یہ لفظ برے اعمال کے بدلے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا نقشہ کھینچا ہے کہ کفار و مشرکین دنیا میں نہایت حقارت سے مومنین کا تمسخر اور ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ان کی تحقیر و تذلیل کے لئے آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے۔ پھر جب اپنے اہل و عیال میں واپس جاتے تو انہوں نے مومنوں کے ساتھ جو تمسخر اور اہانت آمیزی کا مذاق کیا تھا اس سے اس کا تذکرہ خوب مزے لے لے کر کرتے۔ یہ کفار جب مومنین کو دیکھتے تو بظاہر ہمدردی کے طور پر اور حقیقت میں تمسخر کے طور پر کہتے کہ یہ بے چارے بڑے سادہ لوح اور بے وقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

ظاہر ہے ان کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کوئی شریف آدمی ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا نہیں کر سکتا اور نہ یہ لوگ اہل ایمان پر محافظ و نگران بنا کر بھیجے گئے تھے کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں ان سے آنکھیں بند کر کے ان کی نگرانی کریں۔ بہرحال ان مجرموں نے دنیا میں خوب دل کھول کر ہنس لیا لیکن آج جنت والے اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان مجرموں کی ذلت و رسوائی اور ان کو عذاب جہنم میں جلتا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے کہ یہ کیسے کودن اور احمق تھے جو فانی دنیا اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ سو منکروں نے اپنے کئے کا بدلہ پا لیا۔

سورۃ الانشقاق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ انشقت آیا ہے جو انشقاق سے مشتق ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الانشقاق ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۵ آیتیں، ۱۰۰ کلمات اور ۴۳۳ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔ قرطبی نے کہا کہ یہ بلا خلاف مکیہ ہے۔ اس سورت میں سجدۂ تلاوت ہے۔ سب علما اس سجدہ پر متفق ہیں۔

بخاری و مسلم میں ابو رافعؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے حضرت ابو ہریرہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے۔ میں تو ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں۔ (یعنی انتقال کروں)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنا پسند ہو وہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۰/ج ۳۰ ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس سورت میں بھی احوال قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کے مضامین ہیں۔ نیز غافل انسان کو اپنے گرد و پیش کے حالات میں غور و فکر کی دعوت اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

قیامت کے ہولناک مناظر

۱۔۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝

دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی، وہ چاندی کی طرح بچھی ہوئی ایک صاف اور مستوی سطح ہوگی کہ اس میں نہ کوئی پہاڑ ہوگا اور نہ غار اور نہ مکان اور نہ کوئی درخت، یہ سب اس لئے ہوگا کہ وہ بھی آسمان کی طرح اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگی اور اسے چاہئے بھی یہی کہ وہ اپنے مالک وخالق کی فرماں برداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔

احکام الٰہیہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ۱۔ تشریعی یعنی شرعی قوانین۔ انسان اور جن ان کے مکلف ہوتے ہیں اور ان کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ان پر عمل کریں یا ان کے خلاف کریں۔ اگر وہ ان پر عمل کریں گے تو ان کو اس کی جزا ملے گی اور اگر ان کے خلاف کریں گے تو سزا ملے گی، ۲۔ تکوینی احکام۔ ان کو تقدیری یا احکام تقدیری بھی کہتے ہیں، تمام مخلوق پر ان کی تعمیل جبری ہوتی ہے، کسی کو بھی سر مو ان کی خلاف ورزی یا دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ ان آیتوں میں زمین اور آسمان کے سننے اور ماننے میں دونوں کا احتمال ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شعور وادراک عطا فرما کر مکلف بنادے اور ان کو حکم دے تو وہ پوری طرح فرماں بردار ثابت ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم تکوینی ہو جس سے دونوں مجبور محض ہوں۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلایا جاتا ہے، پھر بھی آدمی کو زمین پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ملے گی۔ پھر سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں سجدے میں گر جاؤں گا تو مجھے (کچھ عرض کرنے کی) اجازت دی جائے گی۔ اس وقت جبرئیل اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، واللہ اس سے پہلے جبرئیل نے اللہ کو کبھی نہ دیکھا ہوگا، میں عرض کروں گا اے میرے رب! اے میرے رب! مجھے جبرئیل نے خبر دی تھی کہ تو نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ جبرئیل خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس نے سچ کہا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا اور میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب تیرے بندے تمام زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، مقام محمود (شفاعت کا مقام) یہی ہوگا۔

(مظہری / ج ۱۰، ص ۲۲۸، ۲۲۹)

مومنین کا حساب

۶-۹۔ يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۭ

انسان! تجھے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کے لئے) خوب کوشش کرنی ہے پھر اس سے ملنا ہے۔ پس (اس وقت) جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش واپس آئے گا۔

کادح: خوب محنت کرنے والا۔ محنت تکلیف اٹھانے والا۔ محنت کوشش کرنے والا۔ کدح سے اسم فاعل۔

ملاقی: ملاقات کرنے والا۔ ملنے والا۔ پانے والا۔ ملاقات سے اسم فاعل۔

اوتی: دے دیا گیا۔ ایتاء سے ماضی۔

یحاسب: اس سے حساب لیا جائے گا۔ محاسبۃ سے مضارع مجہول۔

یسیر: آسان۔ ہلکا۔ یُسر سے صفت مشبہ۔

ینقلب: وہ پلٹے گا۔ وہ لوٹے گا۔ انقلاب سے مضارع۔

مسرورا: مسرور، خوش کیا ہوا۔ سُرور سے اسم مفعول۔

تشریح: اے انسان! تو دنیا میں کوشش کرتا رہتا اور اچھے یا برے اعمال کرکے اپنے رب کی طرف بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک دن اس سے جا ملے گا اور حساب و کتاب کے لئے اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال و سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب فملقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو۔ اگر یہ ضمیر کدحا کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اے انسان! تو جو محنت اور کوشش کر رہا ہے اپنے رب کے پاس پہنچ کر اس کا بدلہ پائے گا۔

قیامت کے روز مومن اور کافر دو علیحدہ علیحدہ فریق ہوں گے اور دونوں علیحدہ علیحدہ

کھڑے ہوں گے۔ اس دن مومن کے سوا کسی کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا۔ سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے بہت آسان حساب لے کر اس کو جنت کی بشارت دے دی جائے گی، یعنی یہ حساب اسی قدر ہو گا کہ اس کو نامہ اعمال دکھا دیا جائے گا اور کچھ تحقیق و تفتیش نہیں ہوگی۔ بعض مفسرین کے نزدیک آسان حساب یہ ہے کہ مومن بندے کی برائیاں اس پر پیش کی جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔ پھر وہ خوشی خوشی جنت میں اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ کر چلا جائے گا، یا حشر میں اپنے جنتی لوگوں میں مل جائے گا۔ وہ اس قدر مسرور ہو گا کہ خوشی کے مارے کہے گا:

هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ۞

یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو کیسا عمدہ ہے۔ (الحاقہ: ۱۹)

بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حُوسِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچے گا۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا آپ نے فرمایا اس آیت میں جس حساب یسیر کا ذکر ہے وہ حقیقت میں مکمل حساب نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور جس سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا وہ عذاب سے ہرگز نہیں بچے گا۔

امام احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، حاکم اور ابن مردویہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی، وہ فرماتی ہیں کہ بعض نمازوں میں میں نے آپ کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا۔ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسان حساب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا آسان حساب یہ ہے کہ بندے کو نامۂ اعمال دیا جائے کہ وہ اس میں (اپنے گناہ) دیکھ لے پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے، اے عائشہ اس روز جس سے حساب لینے کا مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ۸۰، مواہب الرحمن / ج ۳۰، ص ۲۲۰، ۲۲۱)

منکرین کا حساب

۱۰، ۱۵۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ۝

اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا، بے شک وہ تو اپنے گھر میں خوش خوش رہا کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گا، کیوں نہیں، بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

وَرَآءَ: پس پشت، پیچھے۔

ظَهْر: پیٹھ، پشت، جمع ظُهُوْرٌ۔

ثُبُوْرًا: ہلاکت، تباہی، موت، مصدر ہے۔

یَصْلٰی: وہ داخل ہوگا۔ صَلْیٌ و صِلِیٌّ سے مضارع۔

سَعِیْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ، سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

یَحُوْرَ: وہ لوٹے گا، وہ پھرے گا۔ حَوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اس روز کافر کا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یعنی کافر کا دایاں ہاتھ طوق سے اس کی گردن میں جکڑا ہوا ہوگا اور بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا تو لامحالہ اس کا نامۂ اعمال اڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے آئے گا اور وہ اس کو بائیں ہاتھ میں لے گا۔ اس وقت اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جہنمی ہے اس لئے وہ یقیناً موت اور ہلاکت کو پکارے گا کہ کاش وہ مر کر مٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے، مگر وہاں اس بات کا کوئی امکان نہیں ہوگا بلکہ اس کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا، کیوں کہ وہ دنیا میں آخرت سے غافل و بے فکر ہو کر اپنے اہل و عیال میں مگن اور خوش رہتا تھا اور خوب مزے اڑا رہا تھا۔ آخرت کی فکر تو کیا سرے سے اس کا قائل ہی نہیں تھا۔ اسی لئے جائز و ناجائز، حلال و حرام ہر طرح سے مال و دولت جمع کرنے میں لگا رہا۔ اس کے علاوہ وہ اس کا خیال تھا کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اس لئے حساب و کتاب کے لئے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا کوئی

سوال ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ اسی حال میں اور اسی دنیا میں رہے گا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح اللہ نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح مرنے کے بعد وہ اس کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا اور اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ضرور دے گا، کیونکہ وہ اس کے اعمال و احوال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے خوب واقف ہے۔

(حقانی / ج ۵ ص ۱۰۳،۱۰۲، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰ ص ۲۳۲،۲۳۱)

کفار کے لئے دردناک عذاب

۱۶۔۲۵۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

سو میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی اور ان چیزوں کی جو اس میں سمٹ آتی ہیں اور چاندکی جب وہ پورا ہو جائے یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر (اسے) جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو یہ دل میں رکھتے ہیں سو (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

شَفَق: کنارہ، آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب میں آسمان پر جو سرخی ہوتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں۔ جمع اشفاق

وَسَقَ: اس نے اکٹھا کیا۔ اس نے سمیٹ لیا۔ وَسْقٌ سے ماضی۔

اِتَّسَقَ: وہ مکمل ہوا، وہ پورا ہوا۔ اِتِّسَاقٌ سے ماضی۔

لَتَرْكَبُنَّ: تم ضرور سوار ہو گے۔ رُكُوْبٌ سے مضارع با نون تاکید۔

طَبَقًا: درجہ، طبق، حالت، منزل۔ جمع اَطْبَاق

يُوْعُوْنَ: وہ دل میں رکھتے ہیں، وہ جمع کرتے ہیں۔ اِيْعَاءٌ سے مضارع۔

اَلِيْم: دردناک، تکلیف دہ۔ اَلَمٌ سے صفت مشبہ۔ جمع اَلَامٌ

مَمْنُوْن: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسم مفعول۔

غَيْرُ مَمْنُوْن: بے شمار، بے انتہا، کبھی ختم نہ ہونے والا۔

تشریح: ان آیتوں میں شفق کی قسم کھائی گئی ہے جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ پھر رات کی اور رات میں جن چیزوں کو وہ سمیٹ لیتی ہے ان کی قسم کھائی۔ پھر چاند کی قسم جب وہ پورا ہو کر پورا روشنی والا ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہیں درجہ بدرجہ مختلف احوال و ادوار سے گزرنا ہے اور ترتیب وار مراحل طے کرنے ہیں۔ جوانی، بڑھاپا وغیرہ طے کرتے ہوئے آخر کار موت کو پہنچنا ہے۔ یہ سب دلائل قدرت انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات و دلائل کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس ان جاہل و ناقل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات مقدسہ تلاوت کی جاتی ہیں تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جھکتے۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن کریم سنتے وقت یہ اللہ کی طرف نہیں جھکتے بلکہ یہ تو اپنی جبلی مخالفت اور عناد کے سبب قرآن ہی کو جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بھرے ہوئے کفر و عداوت کو خوب جانتا ہے اس لئے وہ ان کو اس کی سزا ضرور دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کفار و مکذبین کو خبر دے دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس کی شدت و سختی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس دردناک عذاب سے صرف وہ لوگ محفوظ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے کلام پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان کے لئے بے انتہا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ثواب ہے۔

سورۃ البروج

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں لفظ بروج آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام البروج ہو گیا۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۲۲ آیتیں، ۱۰۹ کلمات اور ۴۶۸ حروف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔

جب مکے میں آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور دین اسلام کی دعوت سے کفر و شرک کی ظلمت کم ہونے لگی تو کفار و مشرکین مکہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کیونکہ دین اسلام ان کے محبوب اور مرغوب دین یعنی شرک و بت پرستی کے خلاف تھا۔ اس لئے انہوں نے اسلام کی مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح سے ستانا اور اذیتیں دینا شروع کر دیا۔ پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا جاتا تھا مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی تسلی اور مشرکین کی تنبیہ کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید اور اس کے دلائل کا ذکر ہے۔ یہی عقیدۂ توحید اسلام کی روح ہے۔ عقیدے کی یہ عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ دین اسلام کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

(مواہب الرحمٰن پارہ ۳۰ ص ۲۸۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ج ۸ ص ۲۱۲)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر، مومنین و منکرین کے حساب اور کافروں کی سزا کا بیان تھا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی کے دلائل و شواہد بیان کر کے انسان کی نافرمانی اور احسان فراموشی سے سرتابی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز یہ کہ مومنوں کو مصائب پر صبر و استقامت اختیار کرنی چاہئے اور دین حق پر استقامت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

اصحاب الاخدود: اس عنوان سے مفسرین نے کئی واقعات نقل کیے ہیں، ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں آگ کی خندق کے مختلف واقعات ہوئے ہیں، ان میں سے ایک خندق یمن میں تھی۔ جس کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے زمانہ فترت میں پیش آیا، اس سورت میں یہی خندق مراد ہے، کیونکہ عرب کے لوگ اس سے واقف تھے۔ دوسری خندق شام میں اور تیسری فارس میں تھی۔ صحیح مسلم، ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ کے ہاں ایک ساحر رہتا تھا، اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا دیا جائے تاکہ وہ اس کو اپنا علم سکھا دے۔ چنانچہ ایک لڑکا منتخب کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر جادو سیکھتا۔ راستے میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ ساحر کے پاس آتے جاتے وقت لڑکا راہب کے پاس بھی ٹھہرنے لگا اور اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کی صحبت سے باکرامت ہو گیا۔

ایک دن لڑکے نے دیکھا کہ ایک بڑے ہیبت ناک جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے، لوگ حیران و پریشان کھڑے ہیں، ادھر والے ادھر نہیں جا سکتے اور ادھر والے ادھر نہیں آ سکتے۔ اس نے ایک پتھر یہ کہہ کر جانور پر پھینک مارا کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس جانور کو میرے پتھر سے ہلاک کر دے۔ پتھر لگتے ہی جانور کا کام تمام ہو گیا اور حاجت مند لوگ لڑکے کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کی دعا سے مادرزاد اندھے، کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک نابینا وزیر بھی تحائف لے کر پہنچا، لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں، وزیر کے اقرار پر لڑکے نے اللہ سے دعا کی تو اس کی بینائی واپس آ گئی اور اس کی آنکھیں پہلے کی طرح روشن ہو گئیں۔

جب یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں تو اس نے برہم ہو کر اس لڑکے کو مع راہب اور نابینا وزیر کے (جس کی بینائی بحال ہو گئی تھی) طلب کیا۔ اور بحث و تمحیص کے بعد راہب اور وزیر کو تو قتل کر دیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو اونچے پہاڑ سے گرا دیا جائے، لیکن اللہ کی قدرت جو لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے وہ سب تو گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے اس کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا تو بچ گیا اور اس کو لے جانے والے سب

ڈوب گئے۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں تمہیں اپنے مرنے کی ترکیب بتاتا ہوں۔ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکا دو اور "بسم اللہ رب ہذا الغلام" کہہ کر میرے تیر مارو۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔ لڑکے کے شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین ہو گیا اور وہ سب اس کے رب پر ایمان لے آئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم نے لڑکے کو اسی لئے قتل کیا تھا کہ یہ مذہب عام لوگوں میں نہ پھیلے لیکن پھر بھی جو اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا۔

بادشاہ نے غصے میں آ کر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں خوب آگ بھڑکانے کا حکم دیا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے اس کو ان خندقوں میں ڈال دو۔ آخر ان مسلمانوں نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے آگ میں جلنا منظور کر لیا۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے البتہ ایک عورت جس کی گود میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا ذرا جھجکی تو اللہ نے بچے کو بولنے کی طاقت دے دی۔ اس نے کہا اماں تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ چنانچہ یہ عورت بھی بچے سمیت آگ میں کود پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا غضب آیا اور وہی آگ خندق سے باہر پھیل گئی اور اس کے شعلوں نے خندق کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ظالموں، سرکشوں اور بدکرداروں کو جلا دیا۔

(ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۹۲، ۴۹۳، عثمانی / ج ۲ ص ۷۹۸)

کفار کی شقاوت

۱تا۷۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ؕ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۙ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ؕ

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور اس کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے وہ (جو) آگ تھی ایندھن والی جب وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔

الْبُرُوْجِ: ستارے، محلات، بلند عمارتیں، ظاہر ہونا۔ واحد بُرْج

الْمَوْعُوْدِ: قیامت کا دن، وعدہ کیا ہوا۔ وَعْدٌ سے اسم مفعول۔

شَاهِدٍ: شاہد، گواہ، حاضر ہونے والا، یہاں جمعہ کا دن مراد ہے۔ شُهُوْدٌ، شَهَادَةٌ سے اسم فاعل۔

مَشْهُوْدٍ: شہادت دیا ہوا، حاضر کیا ہوا، یہاں عرفہ کا دن مراد ہے۔ شُهُوْدٌ، شَهَادَةٌ سے اسم مفعول۔

اُخْدُوْدِ: خندق، کھائی۔ جمع اخادید

وَقُوْدِ: آگ جلانے کا ایندھن، بھڑکنا، جلنا، روشن ہونا، شعلہ۔ اسم ہے۔

قُعُوْدٌ: بیٹھنا، مصدر ہے۔

شُهُوْدٌ: دیکھنے والے، گواہ، حاضرین، واحد شاهد

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ ۱۔ برجوں والے آسمان کی۔ بڑے محل یا قلعے کو برج کہتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ ۲۔ یوم موعود کی جس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ ۳۔ شاہد کی، جس سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعے کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ مشہود دن ہے جس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم موعود سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے جن جن دنوں پر سورج طلوع اور غروب ہوتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ مسلم اس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے بچ جاتی ہے۔ ۴۔ مشہود کی اس سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۷۵۹۔ ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

ان قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والوں پر لعنت ہو جنہوں نے زمین میں خندقیں کھود کر ان میں خوب آگ بھڑکائی پھر مسلمانوں کو آگ سے ڈرا کر کہا کہ یا تو اپنے دین سے پھر جاؤ اور بت پرستی قبول کر لو ورنہ اس آگ میں ڈال دیے جاؤ گے۔ مسلمانوں کے انکار پر ان شقی القلب اور بے رحم کافروں نے ان کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور خندقوں کے کناروں پر بیٹھ کر مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھتے رہے۔

اللہ کا انتقام

۱۰۰۸۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝

اور وہ ان (مومنوں) سے اسی کا بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تعریفوں والا ہے جس کی حکومت آسمان اور زمین پر ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے، بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو تکلیف دی، پھر توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔

نَقَمُوْا: انہوں نے بدلہ لیا، انہوں نے سزا دی، انہوں نے ناپسند کیا، انہوں نے عیب لگایا۔ نَقْمٌ سے ماضی۔

فَتَنُوْا: انہوں نے آزمائش میں ڈالا، انہوں نے ایذا دی۔ فِتْنَةٌ سے ماضی۔

الحریق: جلتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ، شعلے والی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان مومنوں کا کوئی جرم و قصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کفر و شرک کی ظلمت و تاریکی سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت و حکومت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر شخص کے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال سے باخبر ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ مومنوں کا صبر اور ان کی استقامت اور کفار کے مظالم سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ مومنوں کو ان کے صبر و استقامت پر انعام دے گا، اور کافروں سے ان کے ظلم و ستم پر انتقام لے گا۔

بیشک جو لوگ بھی مومنوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے خواہ وہ اصحاب الاخدود ہوں یا مشرکین مکہ یا کوئی اور ہوں اور پھر وہ اپنی نالائقیوں اور حرکات بد سے توبہ نہ کریں تو

یُعِیْدُ: وہ اعادہ کرے گا، وہ دوبارہ کرے گا، وہ لوٹائے گا۔ اِعَادَۃٌ سے مضارع۔

اَلْوَدُوْدُ: بہت محبت کرنے والا، بڑا مہربان۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ وُدٌّ سے مبالغہ۔

اَلْمَجِیْدُ: بزرگ۔ عظمت والا، رفیع الشان۔ مَجْدٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مجرمین و منکرین کا انجام بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے آخرت میں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ دنیا اور اس کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اس سے بچنا محال ہے۔ وہ کسی وقت بھی گرفت کر سکتا ہے خواہ اس دنیا میں کرے یا آخرت میں۔ جو لوگ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور استہزاء کرتے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہیں وہ ان کو ایسی شدید قوت کے ساتھ پکڑے گا کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت باقی نہ رہے گی۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے اور جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ وہی ہر چیز کو ابتدا میں وجود عطا کرتا ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے روز وہی انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہی اپنی شان رحیمی اور کریمی سے اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں۔ وہ اپنے فرماں برداروں کو بہت محبوب رکھتا ہے، وہی عرش عظیم کا مالک اور بزرگی والا ہے، وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ ایسے شہنشاہ عالی صفات سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی کامل اطاعت و فرماں برداری کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ اسی میں دونوں جہان کی بھلائی ہے۔

فرعون و ثمود کے لشکر

۱۷-۲۲۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

(اے رسول) کیا آپ کو فرعون و ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی۔ بلکہ کافر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

سورۃ الطارق

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رات کو نمودار ہونے والے روشن ستارے (طارق) کی قسم کھائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الطارق ہو گیا۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۷ آیتیں، ۶۱ کلمات اور ۲۷۱ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مکیہ ہے۔ نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۃ بقرہ یا سورۃ نساء پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ والسماء والطارق اور والشمس و ضحٰھا اور ایسی ہی سورتیں پڑھ لیتا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۷، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے اثبات میں ارض و سماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات کو شہادت اور حجت کے طور پر پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں ایمان اور اس پر استقامت اور اللہ کی راہ میں صبر و قربانی کا بیان تھا، نیز یہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے اثبات میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق میں غور و فکر کرے، ارض و سماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔

نگہبان فرشتے

۱ تا ۴۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

قسم ہے آسمان کی اور رات میں نمودار ہونے والے کی اور (اے رسول

اس طرح آدمی کا ہر اچھا یا برا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو رہا ہے، تاکہ قیامت کے روز اس کے اعمال کا حساب و کتاب کر کے اس کو جزا یا سزا دی جائے۔ لہٰذا آدمی کو کسی وقت بھی آخرت اور فیصلے کے دن سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اگر حافظ کے معنی نگران کے لئے جائیں تو اس سے مراد اعمال لکھنے والا فرشتہ ہوگا، اور اگر اس کے معنی محافظ کے لئے جائیں تو وہ فرشتے مراد ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اس مصیبت اور آفت کے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۶۰ فرشتے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے (ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقدر نہیں اس سے اس طرح) دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے برتن پر آنے والی مکھیوں کو (پنکھے وغیرہ سے) دفع کیا جاتا ہے۔ اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۹۶)

انسان کی حقیقت

۵۔۱۰۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ إِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝

پس انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے، بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے، جس دن بھید کھل جائیں گے تو نہ (خود) اس کا کچھ زور چلے گا اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

دَافِقٍ: اچھلنے والا، بہانے والا۔ دَفْقٌ سے اسم فاعل۔

الصُّلْبِ: پشت، پیٹھ، کمر۔ جمع اَصْلَاب۔

التَّرَآئِبِ: سینے، سینے کی ہڈیاں، سینے کا بالائی حصہ۔ واحد تَرِيْبَةٌ

تُبْلٰی: وہ آزمائی جائے گی، وہ ظاہر ہو جائے گی، وہ کھل جائے گی۔ بَلاءٌ سے مضارع مجہول۔

السَّرَائِرُ: بھید، راز، پوشیدہ باتیں، واحد سَرِیْرَۃٌ

نَاصِرٍ: مددگار، مدد کرنے والا۔ نَصْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہاں اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو ان سب اجزا کا پھر سے جمع ہو جانا اور اس میں از سر نو زندگی پیدا ہو جانا محال و ناممکن ہے۔ انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے کہ اس کو ایک اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، چونکہ مادہ منویہ کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہے، اس لئے اس کا سینے اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا، پس جو قادر مطلق انسان کو اپنی قدرت و حکمت سے ایک قطرۂ آب سے پیدا کرنے پر قادر ہے، بلاشبہ وہ اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب اور مشکل نہیں جتنا کہ اس کو پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس (قیامت کے) روز پوشیدہ اعمال اور مخفی عقائد و ارادے اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی، اس روز دوبارہ پیدا ہونے کے بعد آدمی کے پاس نہ تو ذاتی قوت اور طاقت ایسی ہوگی جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچ سکے اور نہ اس کا کوئی ایسا مددگار ہوگا جو ایسے سخت مرحلے پر اس کی مدد کر کے اس کو عذاب الٰہی سے بچا لے۔

فیصلہ کن قول

۱۱ تا ۱۷۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور قسم ہے بارش والے آسمان کی اور زمین کی جو (بیج اگنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے، بیشک یہ (قرآن) قطعی بات ہے اور یہ کوئی بے فائدہ (لغو) چیز نہیں، بیشک وہ اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اور میں بھی تدبیریں کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو تھوڑی مہلت دیجئے۔

الرَّجْعِ: بارش، مینہ، اچھال۔ مصدر ہے۔

الصَّدْعِ: پھٹنا، شق ہونا، خاص ہونا یہاں زمین سے کھیتی کا پھوٹ نکلنا مراد ہے۔ مصدر ہے۔

فَصْلٌ: دو ٹوک بات، حق بات، اچھا فیصلہ کرنے والا قول۔ مصدر ہے۔

الْهَزْلِ: لغو، بے فائدہ، بیہودہ، دل لگی کی چیز، ہنسی مذاق کی بات۔

يَكِيدُونَ: وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، وہ حیلہ کرتے ہیں۔ کَیْدٌ سے مضارع۔

مَهِّلْ: تو مہلت دے۔ تَمْهِيلٌ سے امر۔

رُوَيْدًا: ایک مدت تک، تھوڑے دنوں تک۔

تشریح: بارش برسانے والے آسمان کی قسم اور زمین کی قسم جو بیج اگانے سے شق ہو جاتی ہے اور اس سے سبزہ اور درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، بلاشبہ قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت و گمراہی کو جدا جدا کر دیتا ہے۔ جس طرح آسمان سے بارش برستی ہے اور مردہ اور غیر آباد زمین تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اگتے ہیں اور ہر طرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے اسی طرح آسمان سے وحی کے نزول سے انسانی زندگی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور ان کے قلوب سے حسن اخلاق اور معارف و حکم کے پھول اور پھل اگنے لگتے ہیں۔

یہ قرآن یقیناً کوئی ہنسی مذاق کی بات اور دل لگی کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس لئے اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کو پڑھنے اور سننے کے وقت ہنسی اور دل لگی کرنے کی بجائے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اگر یہ منکرین اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں تو مومنوں کو ان سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح یہ لوگ دین حق کے خلاف سازشوں اور تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح اللہ بھی ان کو مہلت اور ڈھیل دے کر ان سے سخت مواخذے کی تدبیر کر رہا ہے۔ ظاہر ہے اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کسی کا مکر اور سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ان کو کچھ مہلت دے دیجئے، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں پکڑے گا تو یہ بچ کر کہیں نہ جا سکیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کی لڑائی میں پکڑ لیا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ
اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝

اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا

ہے، بے شک اس کی پکڑ سخت تکلیف دینے والی ہے۔ (ہود:۱۰۲)

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ج ۸، ص ۲۲۸، ۲۲۹)

نہایت آسانی سے موڑا جا سکتا ہے، اسی طرح دوسرے اعضا کی بناوٹ اور ان میں ایسا تناسب ہے کہ عقل حیران ہے، یہ سب انسان کو خالق کائنات کی قدرت و حکمت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اسی کے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی کام میں اس کو لگا دیا اور اس کو اس کام کی ہدایت و رہنمائی بھی فرما دی کہ وہ اس کام کو کس کس طرح انجام دے، اس طرح ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی اور کام پر لگی ہوئی ہے۔ انسان تو سب سے زیادہ عقل و شعور والا ہے۔ جنگل کے جانوروں اور درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کو دیکھو کہ اللہ نے ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے، رہنے بسنے اور اپنی مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لئے کیسے کیسے طریقے سکھائے، یہ چیزیں انہوں نے کسی اسکول کالج میں داخل ہو کر یا کسی استاد سے نہیں سیکھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عامہ اور تلقین و تعلیم کے ثمرات ہیں، جیسے ارشاد ہے:

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو وجود بخشا پھر اس کو اس کے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی۔ (طٰہٰ: ۵۰)

پھر فرمایا کہ اس ذات کی تسبیح بیان کر جس نے زمین سے سبزہ اگایا اور اس کو خوب لہلہاتا ہوا سرسبز و شاداب اور خوش منظر بنا دیا۔ پھر چند روز بعد وہ زرد اور خشک ہو کر ریزہ ریزہ اور سیاہ ہو جاتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور کمال قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت و بلندی کی گواہی دے رہی ہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۱۳۳، ۱۳۴، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۷۲۴، ۷۲۵)

آپ کو قرآن یاد کرانے کا وعدہ

۶، ۷۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝

بہت جلد ہم آپ کو پڑھا دیں گے پھر آپ (اسے) نہ بھولیں گے مگر جتنا اللہ چاہے، بیشک وہ تو ظاہر اور پوشیدہ (باتوں) کو جانتا ہے۔

تشریح: بعثت کے بعد ابتدا میں جب قرآن مجید نازل ہوتا اور جبرئیل امین وحی لے کر آتے اور آپ

کو قرآن مجید کی کوئی آیت اترتی تو اس خیال سے کہ کہیں آیت کے الفاظ ذہن سے نکل جائیں، آپ بھی جبرئیل امین کے ساتھ ساتھ پڑھتے ہوتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یاد کروانا اپنے ذمے لے لیا کہ جبرئیل کے چلے جانے کے بعد قرآن کی آیات کا صحیح پڑھوانا اور ان کو ذہن میں محفوظ کروانا ہماری ذمہ داری ہے، اس لئے آپ ﷺ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ہم آپ کو ایسا یاد کرا دیں گے کہ آپ قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بھولیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کو بھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن کو یاد کرنے کے لئے (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں، بس جب (آپ کے سینے میں) اس کو جمع کر دیں اور (آپ کی زبان سے اس کا) پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے۔ (القیامۃ ۱۶، ۱۹)

اور ارشاد ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ (طٰہٰ: ۱۱۴)

جب تک آپ کے پاس پوری وحی نہ آجائے آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔

بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اے انسان مرنے کے بعد ہم تجھ سے تیرا نامۂ اعمال پڑھوائیں گے اگرچہ اس وقت تو اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسے ارشاد ہے۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ (بنی اسرائیل: ۱۴)

(حشر کے روز انسان سے کہا جائے گا) اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔

اس وقت انسان اپنے نیک و بد اعمال میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا، سب یاد آجائے گا کہ جس کو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا وہ یاد نہ آئیں گے۔ نیک لوگوں کے بعض برے کام جو دنیا میں ان سے سرزد ہوگئے تھے اور انہوں نے ان کے لئے توبہ و استغفار کر لی تھی، اللہ تعالیٰ ان کو موقع وہاں یاد نہیں دلائے گا تاکہ وہ ان کے لئے شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ ہم یہ تمام باتیں اس لئے یاد دلائیں گے کہ کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں۔ ہم ہر ایک

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کی گواہی دے اور پانچوں وقت کی نماز کی پوری طرح حفاظت و اہتمام کرے، وہ فلاح پا گیا اور پاکیزہ ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ تم یہ بھلائی کیسے حاصل کر سکتے ہو جب کہ تمہیں نہ صرف یہ کہ آخرت کی فکر نہیں بلکہ تم تو اس دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالانکہ تمہارا فائدہ اور نفع آخرت کی زندگی کو دنیا کی چند روزہ زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل و حقیر اور فانی ہے اور آخرت اس سے کہیں بہتر، پائدار اور باقی رہنے والی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فانی کو باقی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، سو تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔

پھر فرمایا کہ یہ فلاح و سعادت اور نصیحت کا بیان حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی تھا، پس جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں جلیل القدر انبیاء پر نازل ہو چکی ہے، اس کی عظمت و افادیت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا، اس لئے لوگوں کو حیات دنیا کی بجائے آخرت کی فلاح و سعادت کی فکر کرنی چاہئے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ابن کثیر / ج ۴، ص ۵۰۱)

اسم فاعل۔

تشریح: اے مخاطب! کیا تجھے ایک چھا لینے والی چیز (قیامت) کی خبر پہنچی جو تمام مخلوق پر اچانک اس طرح چھا جائے گی جیسے رات کی تاریکی دن کی روشنی پر چھا جاتی ہے۔ اس وقت تمام کائنات اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء یہ خبر دیتے چلے آئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ لوگوں کو یہ خبر نہ پہنچی ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک الغاشیہ سے مراد قیامت ہے جو اچانک آ کر تمام کائنات اور مخلوقات پر چھا جائے گی۔

ابن ابی حاتم میں عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی۔ آپ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ اس نے یہ آیت ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ پڑھی آپ نے جواب میں فرمایا نَعَمْ قَدْ جَاءَنِیْ، یعنی ہاں میرے پاس قیامت کی خبر پہنچ چکی ہے۔ (روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۱۴، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲)

اہلِ دوزخ کا حال

۲۔۷۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝

اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے، محنت کرنے والے (اور) تھکے ہوئے، دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ ان کا کھانا ایک خاردار جھاڑ کے سوا کچھ نہ ہوگا جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔

نَاصِبَۃٌ: محنت کرنے والی، مصیبت جھیلنے والی، تھکی ماندی۔ نَصَبٌ سے اسم فاعل۔

حَامِیَۃً: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حَمْیٌ سے اسم فاعل۔

اٰنِیَۃٍ: سخت کھولتی ہوئی۔ اِنْیٌ سے اسم فاعل۔

ضَرِیْعٍ: خاردار جھاڑ، کانٹے دار گھاس، دوزخ کا ایک کانٹے دار درخت جو بہت کڑوا، بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہوگا۔

تشریح: قیامت کے روز بہت سے چہرے اس کی ہیبت اور ہولناکی سے ذلیل، خائف، خستہ حال اور تھکے ہوئے نظر آئیں گے، اگرچہ انھوں نے دنیا میں بڑی بڑی محنتیں کی ہوں گی، سخت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائی ہوں گی لیکن حق پر نہ ہونے کی بنا پر وہ سب برباد ہو جائیں گی۔ دنیا میں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی مصیبت میں رہیں گے اسی کا نام ہے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۝ (الحج ۱۱) "اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی صریح خسارہ ہے"۔

آخرت کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کے چہروں پر بدحواسی طاری ہوگی، پھر ان کو منہ کے بل دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝

اس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کی آگ لگنے کا مزہ چکھو۔ (القمر ۴۸)

اور ارشاد ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) تمھیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔ (النمل ۹۰)

جب جہنم کی گرمی سے ان کو سخت پیاس لگے گی اور وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو ان کو ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، جس کو پیتے ہی ہونٹ جل جائیں گے اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی، پھر ان کے ہونٹوں اور آنتوں کو ٹھیک کر دیا جائے گا، وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو وہی کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا، وہ ہمیشہ اسی طرح عذاب میں گرفتار رہیں گے، وہاں ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا جو آگ کا ایک خاردار درخت ہوگا، یہ بدترین اور نہایت برا کھانا ہوگا جو نہ بدن کو بڑھائے گا، نہ بھوک دور کرے گا اور نہ توانائی پہنچائے گا۔

(ابن کثیر / ج ۴، ص ۵۰۲، ۵۰۳، عثمانی / ج ۲، ص ۸۰۶، ۸۰۷)

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝

وہ وہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔ (الواقعہ: ۲۵، ۲۶)

پھر فرمایا کہ جنت میں صاف و شفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے، بلند و بالا تخت، چشموں کے کنارے نہایت قرینے اور سلیقے سے رکھے ہوئے گلاس، قطاروں میں لگے ہوئے نرم و لطیف ریشمی گدے ہوں گے اور ہر طرف قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔ یہ ہیں وہ نعمتیں اور اعزاز و اکرام جو قیامت کے روز اہل ایمان اور اللہ کے فرماں بردار بندوں کو ملیں گے۔ اس لیے ان کے چہرے فرحت و تازگی سے چمک رہے ہوں گے۔

توحید کے دلائل

۱۷-۲۰۔ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝

کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کہ وہ کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

الْإِبِلِ: اونٹ۔ اسم جنس ہے یعنی واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نُصِبَتْ: وہ (پہاڑ) کھڑے کئے گئے، وہ بلند کئے گئے۔ نصب سے ماضی مجہول۔

سُطِحَتْ: وہ بچھائی گئی۔ سطح سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے جو قرآن کے مخاطب عربوں کے پیش نظر ہر وقت رہتی تھیں یعنی اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین۔ ایک عرب بدوی جب اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا تھا تو زمین اس کے نیچے ہوتی تھی، آسمان اس کے اوپر، پہاڑ اس کے دائیں بائیں اور سامنے ہوتے تھے اور وہ خود اونٹ پر سوار ہوتا تھا۔ اونٹ ہی عربوں کا عزیز ترین مال تھا کیونکہ ان کی تمام ضروریات زندگی اسی سے وابستہ تھیں۔ وہ اس کا گوشت کھاتے تھے، اسی کا دودھ پیتے تھے، اسی پر سامان لادتے اور سواری کرتے تھے۔ اونٹ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ لمبی گردن ہونے کی بنا پر درختوں کے پتے کھا

ایابہم: لوٹنا۔ ایاب مصدر ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود غور نہیں کرتے تو آپ کو بھی ان منکرین مکذبین کے لئے زیادہ پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ تو ان کو نصیحت کرتے رہئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو آپ زبردستی ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ان کے دلوں کو بدل سکتے ہیں۔ یہ کام تو مقلب القلوب ہی کا ہے۔ البتہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے گا اور کفر و شرک پر قائم رہے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔ اس دن کوئی کافر و مشرک اپنے آپ کو اس عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ یقیناً ان سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اور ان سے ان کے برے اعمال کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی مجرم ہمارے عذاب سے بھاگ سکتا ہے۔ (حقانی ج ۲ ص ۸۰۷، ۸۰۸)

سورۃ الفجر

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا الفجر کی قسم سے کی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الفجر ہو گیا۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۳۰ آیتیں، ۱۳۹ کلمات اور ۵۹۷ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ اس کی ابتدا میں بعض سابق قوموں کے واقعات کا اجمالی ذکر اور ان کے انکار و نافرمانی کی سزا میں عذاب الٰہی سے ان کی تباہی مذکور ہے۔ پھر بندوں کی آزمائش، آخرت کے احوال اور حشر کے دن پیش آنے والے ہولناک منظر کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک احوال بیان کئے گئے تھے اس سورت میں بعض سابقہ اقوام کے عبرتناک انجام کا بیان ہے تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کرے اور جان لے کہ جب ایسی طاقتور قومیں نافرمانی کی سزا میں نشان عبرت بنا دی گئیں تو کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔

پانچ قسمیں

۱-۵۔ وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چلنے لگے (گزرنے لگے) کیا ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لئے کافی ہے۔

حِجْر: عقل، دانائی، سمجھ بوجھ، روک، مکانات، قوم ثمود کی بستی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم اس دنیا میں جو کچھ کر رہے ہو اس کی جزا یا سزا کا ملنا لازمی اور یقینی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تمہارے اعمال کی نگرانی میں ہے، چونکہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے بدلہ پانے کی نہیں، اس لئے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا ہے کہ اعمال کی جزا کے لئے ایک

دن مقرر ہو اور اس میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اسی کا نام قیامت ہے۔

یہاں جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ والفجر: فجر کی قسم یعنی صبح صادق کے وقت کی قسم۔ بعض مفسرین کے نزدیک فجر سے مراد بقر عید کے دن کی صبح ہے۔

۲۔ ولیالٍ عشرٍ: اور دس راتوں کی قسم۔ صحیح قول کے مطابق اس سے ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں۔ مسند احمد اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں (عشرۂ ذی الحجہ) کی عبادت سے زیادہ محبوب کوئی عبادت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی راہ کا جہاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں مگر وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا۔

۳۔ والشّفع: اور جفت کی قسم۔ یعنی جفت اعداد ۲، ۴، ۶، ۸ وغیرہ۔

۴۔ والوتر: اور وتر کی قسم، یعنی طاق، مفرد اعداد ۱، ۳، ۵ وغیرہ۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، وتر سے مراد عرفہ کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ ہے جو طاق ہے اور الشفع سے مراد قربانی کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ ہے جو جفت ہے۔

۵۔ والّیل اذا یسر: اور رات کی قسم جب وہ ختم ہونے لگے۔

پھر فرمایا کہ یہ قسمیں معمولی نہیں بلکہ نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں، کیا عقلمندوں کے لئے یہ قسمیں کافی نہیں۔ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے، وہ خدا جس نے یہ قسمیں کھائی ہیں بڑی قدرت و عظمت والا ہے، وہ خالق و مالک اور واحد و یکتا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگا رہے اور جان لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔

(ابن کثیر / ج ۴، ص ۵۰۵، روح المعانی / ج ۳۰، ص ۱۱۹)

عاد و ثمود اور فرعون

۶-۱۴۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ

ان کے بارے میں خود قرآن کریم نے کہا کہ ان جیسی طویل القامت اور قوی قوم اس سے پہلے دنیا میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مومنوں کو تو نجات دے دی اور نافرمانوں کو تند و تیز ہواؤں سے ہلاک کر دیا۔ اپنے اسی دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) یہ لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی تیز اور طوفانی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور بڑے ذلیل و خوار اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے کہ گویا کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ یہ ہوا مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رہی۔

قوم ثمود نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی اور نافرمانی میں حد سے بڑھ گئی ہوئی تھی۔ یہ لوگ پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر نہایت مضبوط اور کشادہ مکان بنایا کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ (الشعراء: ۱۴۹)

اور تم پہاڑوں کے پرتکلف گھر تراشتے ہو۔

ان کی سرکشی اور نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کر دیا جو ایک نہایت سخت آواز کے ساتھ آیا تھا۔

عاد و ثمود کے بعد فرعون نے اپنی قوت کے نشے میں مست ہو کر دنیا میں خوب فساد برپا کیا۔ آخر جب اس کا کفر و تکبر اور جور و ستم حد سے بڑھ گیا اور وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آیا تو اس پر اللہ کا قہر نازل ہوا اور وہ اپنی قوم سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس کو میخوں والا اس لئے کہا گیا کہ اس کو اپنی فوجی ضروریات کے لئے کثیر تعداد میں میخیں رکھنی پڑتی تھیں، یا یہ مطلب کہ وہ لوگوں کو ان کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ کر سزا دیتا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے۔ قیامت کے روز وہ سب کو ان کے اعمال کی جزا یا سزا دے گا۔

انسان کی خود پسندی

۱۵، ۱۶۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ

اَهَانَنِ ۝

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی اور جب اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق میں وسعت اور کشادگی اور صحت وتندرستی سے نوازتا ہے تو وہ وہ اس کو اپنی ذاتی صلاحیت، عقل وفہم اور سعی وعمل کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہ تو اس کو ملنا ہی چاہئے تھا کیوں کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ اگر وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں اور یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی نہ دیتا۔ یہ دونوں باطل اور شیطانی خیالات ہیں۔ حقیقت میں یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

اسی طرح جب اللہ کسی کے رزق میں تنگی کرتا ہے، اس کو فقر وفاقہ اور بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو اس کو اپنی اہانت نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ یہ اس کے مردود ہونے کی دلیل ہے، اس لئے اس پر خفا ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں تو انعام واکرام کا مستحق تھا، مجھے اللہ نے ذلیل وحقیر کر دیا۔ وسعت وفراخی کی طرح تنگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ کلا کہہ کر دونوں باتوں کی تردید فرما دی کہ تمہارا خیال بالکل باطل اور بے بنیاد ہے، دنیا میں رزق کی وسعت، اللہ کے نزدیک نیک اور مقبول ہونے کی علامت نہیں، اسی طرح رزق میں تنگی اور فقر وفاقہ بھی اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت نہیں، یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر آتی ہیں، اس لئے جب کسی کو رزق میں وسعت وفراخی حاصل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے اور اگر رزق میں تنگی ہو جائے تو صبر کرنا چاہئے۔

یتیم کے احترام کی تاکید

۱۷۔۲۰۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو اور میراث کا مال (بھی) سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے بھی بہت محبت رکھتے ہو۔

تَحٰضُّوْنَ: تم آپس میں تاکید کرتے ہو تم آپس میں رغبت دلاتے ہو مُحَاضَّۃٌ سے مضارع، اصل تَتَحٰضُّوْنَ تھا ایک تا کو حذف کر دیا گیا کیوں کہ باب تفعّل، تفاعل اور تفعلل میں جب دو تا جمع ہو جائیں تو ایک تا کو حذف کرنا جائز ہے۔

لَمًّا: جمع کرنا، درست کرنا، سارے کا سارا، اَلَمٌّ سے مضارع۔

جَمًّا: جی بھر کر، کثیر، بہت، شدید، صفت کے معنی میں مصدر ہے۔

تشریح: یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فقیر و تنگدست رکھ کر تمہاری بے عزتی کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے جو مال تمہیں دیا ہے اس کے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم نہ صرف یتیموں، محتاجوں کی پرورش کرو اور ان کو ذلت و حقارت سے نہ دیکھو اور یتیموں کو ان کا پورا پورا حق دو بلکہ اپنے مال میں سے بھی ان پر خرچ کرو، ان کا احترام و اکرام کرو، ان سے محبت کرو اور ان سے اپنے بچوں کی طرح شفقت سے پیش آؤ کیوں کہ وہ باپ کی شفقت سے محروم ہیں، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، تم ان سے شفقت و احترام کا معاملہ تو کیا کرتے تم تو ان کو منہ بھی نہیں لگاتے، اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہو، تمہاری یہی حرکتیں تمہاری ذلت و رسوائی اور روزی میں کمی کا سبب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو، پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے کلمہ کی اور درمیان کی انگلی ملا کر دکھائی اور فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ (ابن کثیر/ ج ۴/ ص ۵۰۹)

پھر فرمایا کہ تم لوگ خود تو اپنے مال میں سے کسی غریب و مسکین کو کیا دیتے تم تو دوسروں کو بھی بھوکوں اور محتاجوں کی خبر گیری کی ترغیب نہیں دیتے تم تو الٹا یہ کہتے ہو کہ جب اللہ نے ان کو نہیں دیا اور ان پر رحم نہیں کیا تو ہم کیوں کریں، تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم میراث کا مال بھی حلال ہو یا حرام، حق ہو

یا حق سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور اپنے حصے کے ساتھ کمزور عورتوں اور بچوں کے حصے بھی ہڑپ کر جاتے ہو۔ یہ سب اس لئے کہ تمہیں مال سے بہت محبت ہے، تمہارے دل حرص اور مال کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں تم تو ایک پیسہ بھی اپنے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے حالانکہ یہی مال کی محبت اور طمع تمام گناہوں اور برائیوں کی جڑ ہے، یہی جھوٹ بلواتی اور چوری کراتی ہے اور یہی مکر و فریب، دھوکہ دہی اور قتل و غارت کراتی ہے۔

آخرت کے احوال

۲۱تا۲۶۔ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿﴾ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿﴾ وَجِاىٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَٰنُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿﴾ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى قَدَّمْتُ لِحَيَاتِى ﴿﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُۥٓ أَحَدٌ ﴿﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُۥٓ أَحَدٌ ﴿﴾

ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے اور آپ کا رب آ جائے اور فرشتے صف بستہ (کھڑے) ہوں اور اس دن جہنم (بھی سامنے) لائی جائے، (تو) اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب نصیحت حاصل کرنے کا کیا فائدہ، وہ کہے گا کاش میں نے اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا، سو اس دن اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا اور نہ اس کی گرفت جیسی کسی کی گرفت ہوگی۔

دُكَّتْ: وہ ریزہ ریزہ کر دی گئی، وہ توڑی گئی، وہ ہموار کر دی گئی۔ دَكٌّ سے ماضی مجہول۔

يُوثِقُ: وہ مضبوط باندھتا ہے، وہ جکڑتا ہے۔ اِيثَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: جب تمام ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور تمام زمین بالکل ہموار اور چٹیل میدان ہو جائے گی، تمام مخلوق قبروں سے نکل آئے گی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی شان کبریائی کے لائق میدان حشر میں آئے گا، اللہ تعالیٰ کے آنے کی شان کیا ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس روز جہنم بھی اہل محشر کے سامنے لائی جائے گی۔ اس وقت فرشتے صف بستہ حاضر ہوں گے اور تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ کیا

سے بالکل پاک کر لیا جائے۔ قیامت کے روز ایسے ہی لوگوں سے کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا اب راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اس کے خاص بندوں کے زمرے میں ہو کر اس کی عالیشان جنت میں قیام کر جو اس کی رضا کا مقام ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو یہ کلام اس وقت ہوگا جب وہ حساب سے فارغ ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس وقت یہ بشارت دی جائے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔

ابن عساکر میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کر:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۱۱)

اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہوں، تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہوں، تیری قضا پر راضی ہو اور تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہوں۔

یہاں جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ کے نیک اور مخلص بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی دنیا میں نیک صالح لوگوں کی محبت و معیت اختیار کر کے اس کے نیک و مخلص بندوں میں شامل ہو جائے تو ان کے ساتھ وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی لئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ (النمل، ۱۹)

اور حضرت یوسف نے فرمایا:

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔ (یوسف، ۱۰۱)

سورۃ البلد

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا مکہ معظمہ کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ البلد ہے۔ اس کو سورۃ لا اقسم بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۰ آیتیں، ۸۲ کلمات اور ۳۲۰ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی عقیدۂ توحید، قیامت اور جزا وسزا کا اثبات ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں پانچ اہم امور کی قسم کھا کر ہر صاحب عقل و فہم کو اس امر کی دعوت دی تھی کہ وہ عقل وفطرت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کو پہچانے، اس کی خالقیت اور ربوبیت پر ایمان لائے، اسی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔ جو قومیں سرکشی و نافرمانی پر قائم رہتی ہیں جیسے عاد، ثمود اور فرعون وغیرہ تو وہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سرزمین مکہ کی قسم کھا کر مخاطب کو اس کی عظمت کی جانب متوجہ کیا ہے اور انسان کو حق وہدایت کی ترغیب اور ہلاکت وشر سے بچنے کی تنبیہ کی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰/۲۵۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ۸/۳۵۳)

حرم میں قتال کا حلال ہونا

۱، ۲۔　لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور اس شہر میں آپ پر ممانعت نہیں رہے گی۔

تشریح: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ یہاں یا تو لا زائدہ ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب محاورے میں عام اور مشہور ہے۔ یا یہ لا نافیہ ہے جو مخاطب کے خیال باطل

اللہ کے غضب کے طور پر اس کے بعد اس کی حرمت پہلی طرح پھر لوٹ آئی ہے سو اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال کر دیا تھا تو تم کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسے حلال کیا تھا اور یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

(مسند احمد، ج ۳، ص ۶۱۵، رقم ۱۵۹۳۳)

اللہ تعالیٰ نے مکی زندگی میں یہ وعدہ اس وقت فرمایا تھا جب اسلام اور مسلمانوں کی حالت کے پیش نظر کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اللہ کا وعدہ ۸ھ میں فتح مکہ کی صورت میں اس طرح پورا ہوا کہ آپ بیت اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے تھے۔

انسان کا غرور

۳۔۷۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿۴﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿۵﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿۷﴾

اور قسم ہے والد کی اور اس کی اولاد کی کہ ہم نے انسان کو مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آئے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

کَبَدٍ: دشواری، محنت، مشقت کرنا، سختی۔ مصدر باب سمع۔

لُبَدًا: کثیر (مال)، تہ بہ تہ، چمٹا ہوا، لِبْدَۃٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: قسم ہے اس مکہ شہر کی اور باپ کی اور اولاد کی یعنی آدم اور اولادِ آدم کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بہت ہی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ وہ ابتدائے عمر سے آخر تک سختیوں اور مشقتوں میں رہتا ہے اور طرح طرح کے آلام و مصائب سے گزرتا ہے۔ ان مشقتوں اور مصائب و آلام کو دیکھ کر تھوڑی سی بھی عقل و فہم رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کس قدر عاجز و بے بس ہے اور اس کو پیش آنے والے تمام مصائب و حوادث ایک قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حقیقت میں وہی اس کا خالق و مالک اور

معبود و مسجود ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے خالق کا مطیع و فرماں بردار رہنا چاہئے لیکن جو لوگ نافرمان اور کافر ہیں وہ بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ قیامت اور جزا اور سزا کے مرحلے سے غافل ہیں۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ کسی کو اس پر قدرت حاصل نہیں جو اس کے کفر و نافرمانی پر اس کو سزا دے سکے اور اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھے کہ کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی حفاظت اور بے دینی کے فروغ کے لئے بڑا مال خرچ کیا ہے، عمدہ گھوڑے اور ہتھیار خریدے ہیں اور تنخواہیں دے کر لوگوں کو تیار کیا ہے (جیسا کہ مشرکین مکہ اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا مال خرچ کرتے تھے) اب ان محافظ قلعوں، جاہ پاؤ فوج اور خادمین کے ہوتے ہوئے اسے کون پکڑ سکتا ہے اور بداعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے۔ اس کی یہ سوچ قطعاً غلط ہے۔ اس کے تمام اسباب و وسائل اور فوج و محافظین اس کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ وہ قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اور ہر شخص ہر وقت اس کے علم اور احاطۂ قدرت میں ہے۔

وہ قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ پر غور کیوں نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا اور اس کو کیا بنا دیا۔ کیا اس کی پہلی حالت کسی نے نہیں دیکھی جب وہ ایک حقیر قطرۂ آب تھا۔ پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتا تھا، نہ کچھ ہوش و ادراک تھا اور نہ اس کے پاس کچھ مال و زر اور زور و بل تھا۔ پھر جس نے اس کو یہ زور و زر اور ہوش و ادراک عطا کی، کیا وہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ وہاں مال و زر کچھ کام نہیں آتا۔

خیر و شر کے راستے کی راہنمائی

۱۰۰۸۔　اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ۙ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ۚ

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے) اور ہم نے تو اس کو دونوں راہیں (خیر و شر) دکھا دیں۔

شَفَتَیۡنِ: دو ہونٹ۔ شَفَۃٌ کا تثنیہ۔ جمع شِفَاۃٌ و شَفَوَاتٌ۔

اَلنَّجۡدَیۡنِ: دو راستے۔ نیکی اور بدی کے راستے۔ نَجۡدٌ کا تثنیہ۔ جمع اَنۡجُدٌ و نُجُوۡدٌ۔

تشریح: کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے جن سے وہ سب کچھ دیکھتا ہے، دن رات بولتا ہے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہم نے عقل و فہم اور

ہم کنار ہوتا۔ یہاں طاعات اور عبادات کو عقبہ (گھاٹی) سے تعبیر فرمایا گیا کہ جس طرح عقبہ میں داخل ہو کر انسان دشمن سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اسی طرح عبادات اور اعمال صالحہ کے ذریعے عذاب خداوندی سے نجات مل سکتی ہے۔

اے انسان تجھے معلوم بھی ہے وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ گھاٹی یہ ہے

۱۔ گردن چھڑانا یعنی غلام آزاد کر دینا۔ یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا، کوئی قصاص میں گرفتار ہو تو اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا یا کسی قرض دار کا قرض ادا کر کے اس کو قرض سے آزادی دلانا وغیرہ۔

۲۔ ضرورت کے وقت کسی کو کھانا کھلانا، جیسے قحط کے دنوں میں یا غلے کی قلت کے وقت کسی بھوکے کو کھانا کھلانا۔

۳۔ یتیم کو کھانا کھلانا، یہ اور بھی بہتر ہے کیونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ پھر یتیموں میں سے بھی اگر کوئی اہل قرابت میں سے ہے جیسے چچا کا لڑکا، بھائی یا بہن کا لڑکا وغیرہ تو اس میں دوہرا اجر ہے۔ ایک یتیم کو کھلانے کا دوسرے صلہ رحمی کا۔

۴۔ فقیر و حاجت مند کو کھلانا۔

مال صرف کرنے کے پسندیدہ اور عمدہ مواقع یہی ہیں۔ جن مواقع کو دولت مند صحیح سمجھ رہا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکے وہ صحیح نہیں۔ لیکن مذکورہ اعمال صالحہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں جب ایمان بھی ہو۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کتنا ہی اچھا ہو۔ آخرت میں ایسے اعمال کا کوئی اجر و ثواب نہیں، جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ (الاسراء ۱۹)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

کرتا ہے سو تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ترمذی/ رقم ۱۹۲۴) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

یہی لوگ بڑے خوش نصیب مبارک اور کامیاب ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ انہی لوگوں کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے بدنصیب اور شامت زدہ ہیں۔ ان کو عرش کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا اور ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کوئی چیز کسی ڈھکنے سے بند کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے باہر نکل سکیں گے کہ اس کی شدت میں کمی آ جائے اور نہ باہر کی کوئی چیز یا ہوا اس میں داخل ہو کر اس کی شدت اور لپٹ کو کم کر سکے گی۔ سو وہ جہنم کی اس آگ سے نہ کبھی چھٹکارا پائے گا اور نہ اس کو وہاں کسی قسم کا آرام و راحت ملے گی۔

اِنْبَعَثَ: وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اِنْبِعَاثٌ سے ماضی۔

عَقَرُوْا: انہوں نے پاؤں کاٹ دیئے۔ انہوں نے اس کو ذبح کر دیا۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

دَمْدَمَ: اس نے ہلاک کر دیا۔ اس نے تباہ کر دیا۔ دَمْدَمَۃٌ سے ماضی۔ یہ رباعی مجرد ہے۔

تشریح: دنیا میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے احکام الٰہی اور شریعت کو چھوڑ کر ہلاکت و تباہی کی روش اختیار کی اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ایسے طور طریقے اختیار کئے کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہو گئے۔ تاریخ عالم ایسے لوگوں کے عبرت ناک انجام کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ انہی میں سے ایک مثال قوم ثمود کی ہے۔ ان کے خاص شہر کا نام حجر تھا جو وادی القریٰ میں مدینے اور شام کے درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں چشموں اور باغات کی کثرت تھی۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔ ان کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی اور پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے عالیشان مکان بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بت پرست، بدکار، بے دین، سفاک اور نہایت بے رحم تھے۔ خدا پرستی، رحم دلی اور پرہیز گاری کا ان میں شائبہ تک نہ تھا۔ قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے انہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہیں ان دنیاوی نعمتوں میں، جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں جیسے باغات، چشمے، کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے خوشے کھجوروں سے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وغیرہ، میں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور تم پر کوئی آفت نہ آئے گی اور نہ تمہیں موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان نعمتوں پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ کیا تم اس لئے بے فکر ہو کہ تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ یہ مضبوط اور پتھروں کے مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے، سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اپنے سرداروں کی بات نہ مانو جو بندگی کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح اور وعظ و نصیحت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر قوم کسی طرح نہ مانی اور کہنے لگی تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم

اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہو حالانکہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہیں آتی، پھر تم پر کیسے آتی ہے۔ اللہ کا رسول تو فرشتے کو ہونا چاہئے تم ہم جیسے ہو کر رسول ہونے کا دعوی کرتے ہو۔ یہ تو بے عقلی کی دلیل ہے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہماری آنکھوں کے سامنے اس خاص چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو ایسی ایسی ہو۔ پھر اللہ تعالی نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اسی وقت پتھر کی چٹان کے اندر سے ان کی مطلوبہ اونٹنی نمودار فرما دی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ ہے تمہاری مطلوبہ اونٹنی اور اس کے کچھ حقوق ہیں، ان حقوق میں سے یہ ہے کہ پانی کا حصہ مقرر ہے، ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پیئیں گے، تم اس کی باری کے دن اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی، اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کی نیت سے تم اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے حضرت صالح کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ ان میں سے ایک بدبخت نے تیار ہو کر اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ حالانکہ وہ اونٹنی خود ان بدبخت قوم کی فرمائش پر معجزے کے طور پر ایک پہاڑ کی چٹان سے نکلی تھی، مگر یہ لوگ ایمان لانے کی بجائے اللہ کی اونٹنی ہی کے دشمن بن گئے۔ پھر اللہ نے بھی ان کے گناہوں کے سبب ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنے کئے پر نادم ہوئے لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ آخر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس نے ان کو آ پکڑا، اور وہ ایسے ہلاک ہوئے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اللہ تعالی اپنی عظمت و کبریائی کے سبب کسی مجرم کو سزا دینے یا کسی قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا اور نہ اس کو اس کی پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب کرے گی۔

سورۃ الیل

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا والیل (رات ۔ قسم) سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الیل ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۱ آیات، ۷۱ کلمات اور ۳۱۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں والیل اذا یغشیٰ جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو آواز بلند فرمائی۔ آپ سورۂ والشمس وضحٰھا اور والیل اذا یغشیٰ پڑھ رہے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ازج ۳۰، ص ۵۰۳ ۔ حقانی / ج ۵، ص ۳۸۲، ۳۸۳)

اس میں خاص طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ایمان وتقویٰ اور سخاوت واحسان کی ہے۔ جو لوگ اس راہ کو اختیار کرتے ہیں وہی فلاح وکامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ راستہ آسان کر دیتا ہے۔ دوسری قسم کی عملی کوشش تکذیب حق، غرور واستکبار اور بخل وحق تلفی کی ہے۔ جو لوگ اس دوسرے راستے کو اختیار کرتے ہیں وہ شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچتے ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں بتایا گیا تھا کہ اگر انسانی نفس طہارت وتزکیے سے آراستہ ہو جائے تو اس کو دنیا میں عزت وسربلندی اور آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ نفسانی خواہشات میں پڑا رہے تو اس کا نتیجہ تباہی وہلاکت اور عذاب آخرت کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں اسی بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک وبرباد ہوئیں۔ اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کے تفاوت کا بیان ہے۔

پرہیزگاروں کے لئے آسانی

۱۔۱۱۔ وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾ وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿ؕ۱۱﴾

اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے مذکر اور مؤنث کو بنایا۔ بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ سو جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور اچھی بات (کلمۂ توحید) کی تصدیق کی تو ہم بھی اس کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (آخرت سے) بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم بھی اس کے لئے تنگی کے سامان پیدا کر دیں گے۔ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ جب وہ برباد ہونے لگے گا۔

تَجَلّٰی: اس نے تجلی کی، وہ روشن ہوا، وہ ظاہر ہوا۔ تَجَلِّیۡ سے ماضی۔

شَتّٰی: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شَتِیۡتٌ۔

اَعۡطٰی: اس نے عطا کیا، اس نے دیا۔ اِعۡطَاءٌ سے ماضی۔

حُسۡنٰی: اچھی، عمدہ۔ حُسۡنٌ سے فُعۡلٰی کے وزن پر تفضیل۔

نُیَسِّرُ: ہم آسان کرتے ہیں۔ تَیۡسِیۡرٌ سے مضارع۔

یُسۡرٰی: آسانی، بہت آسان، پہلے معنی میں یُسۡرٌ سے اسم مصدر، اور دوسرے معنی میں اسم تفضیل۔

عُسۡرٰی: تنگی، سختی، دشواری۔ مصدر ہے۔

تَرَدّٰی: وہ نیچے گرا، وہ گڑھے میں گرا، وہ ہلاک ہوا۔ تَرَدِّیۡ سے ماضی۔

شانِ نزول: حاکم اور ابن جریر میں عامر بن عبد اللہ بن الزبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعیف مسلمان مردوں اور

اس کا داخلہ ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ لا یصلٰھا میں ضمیر ھا صرف نارا کی طرف راجع نہیں بلکہ نارا تلظّٰی کی طرف راجع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں صرف کافر جائے گا۔ رہا فاسق مسلمان اگرچہ وہ بھی جہنم میں داخل ہوگا مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ کافر کی آگ سے اس کی آگ کا درجہ کم ہوگا۔ (بیضاوی ۵۱۳، مظہری ۱۰/۲۴۷)

مسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں ابال آتا ہے۔ باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا وہی ہوگا لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا کوئی نہ ہوگا۔ (ابن کثیر ۴/۵۲۰)

مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جو انکار کریں۔ لوگوں نے پوچھا انکار کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (ابن کثیر ج ۴، ص ۵۲۰، ۵۲۱)

پھر فرمایا کہ اس شخص کو دوزخ سے ضرور بچایا جائے گا جو گناہوں سے بچنے والا، اللہ سے ڈرنے والا اور اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے تاکہ وہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنے مال کو بھی پاک کرلے۔

حضرت ابوبکر کی فضیلت

۱۹، ۲۱۔ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝

اور اس پر کسی کا احسان نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہے۔ وہ تو صرف اپنے خدائے برتر کی رضا کے لئے (دیتا ہے)۔ یقیناً وہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔

شانِ نزول: جب امیہ بن خلف نے حضرت بلال کو اسلام کے عوض بیچنے کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قیمت چکائی اور آزاد کر دیا۔ اس پر مشرک کہنے لگے کہ حضرت بلال کا ابوبکر پر کوئی احسان

سورۃ الضحیٰ

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا چاشت کے وقت کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام والضحیٰ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں، ۴۰ کلمات اور ۱۷۲ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ روایت ہے کہ اس کے خاتمے پر اور اس کے بعد ہر سورت کے خاتمے پر تکبیر کا حکم ہے۔ یعنی اللہ اکبر کہے یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ ابو شام نے شرح شاطبیہ میں نقل کیا کہ امام شافعی نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں تکبیر کہتا ہے تو کہا کہ تو نے خوب کیا اور سنت کو پہنچ گیا۔ اگر سورۃ الیل کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سورت کہا جائے تو سورۂ والضحیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے۔ اس میں آپ کی عظیم شخصیت کے اہم ترین اوصاف اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو نوازا گیا۔ (مواہب الرحمن ۳۰/۵۳۳، روح المعانی ۳۰/۱۵۳)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ چند سورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اثبات اور آخرت پر ایمان ویقین اور اس کے دلائل کا بیان تھا۔ اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سرفراز فرمایا گیا۔

فترت وحی اور مشرکین کے طعنے

۱، ۵۔ وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۗ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۗ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۗ

اور قسم ہے روشن دن کی اور رات کی جب وہ چھا جائے (اے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم) نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے، اور عنقریب آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

سجیٰ: اس نے قرار پکڑا، وہ چھا گیا، وہ ساکن ہو گیا۔ اس نے ڈھانپ لیا۔ سَجْوٌ سے ماضی۔

وَدَّعَ: اس نے چھوڑ دیا، اس نے جدا کر دیا، اس نے رخصت کر دیا۔ تَوْدِیْعٌ سے ماضی۔

قلیٰ: اس نے نفرت کی، اس نے دشمنی کی، اس نے بغض رکھا۔ قَلْوٌ و قِلیٰ سے ماضی۔

شانِ نزول: مسند احمد، بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ) بیمار ہو گئے اور ایک دو دن تک تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ آپ ﷺ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَالضُّحیٰ سے مَا قَلیٰ تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ (ابن کثیر ۵۲۲/۴)

تشریح: چاشت کے وقت کی یا دن کی قسم اور رات کی قسم جب اپنی تاریکی سے ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ نزول وحی میں تاخیر پر آپ کے دشمنوں کا یہ کہنا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے قطعاً غلط اور لغویات ہے۔ آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے قطع تعلق کیا اور نہ آپ سے متنفر ہوا۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کا چھا جانا اللہ کی ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد اب کبھی اجالا نہ ہوگا، بالکل اسی طرح چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔ اگر بالفرض اس کو صحیح سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ جس کو نبی بنا رہا ہے وہ آگے چل کر نبوت و رسالت کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ)

وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے تنزل و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ آپ کے عروج و ارتقا کا ذریعہ ہے۔ اس لئے آخرت میں آپ کا درجہ، آپ کی بزرگی اور فضیلت دنیا کے اعزاز و اکرام سے بہت بڑھ کر ہوگی۔ وہاں آپ کو تمام انبیاء کی سرداری حاصل ہوگی۔ مقام محمود عطا کیا جائے گا، جس پر

سب اگلے پچھلے رشک کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا اور آپ کی شفاعت سے آپ کی امت کو بخش دے گا یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور آپ کی امت ساری امتوں کی شاہد ہوگی۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی آپ پر بکثرت عنایات فرمائے گا، مثلاً دشمنوں پر فتح، اقتدار کامل، اہل ایمان کی کثرت، تمام عالم میں دین کی اشاعت وغیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (اور اللہ ان کو بخش دے گا) یہاں تک کہ میرا رب ندا دے گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ (اب) راضی ہو گئے۔ میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہو گیا۔

(مظہری ۲۹۳/۱۰)

اللہ تعالیٰ کے انعامات

۶-۱۱۔ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۞ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا اور آپ کو بے خبر پا کر منزل پر (نہیں) پہنچایا اور آپ کو تنگدست پا کر غنی (نہیں) بنایا تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو نہ جھڑکیے اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتے رہیے۔

اٰوٰی: اس نے جگہ دی، اس نے اتارا، اس نے ٹھہرایا، اس نے پناہ دی۔ اِیْوَاءٌ سے ماضی۔

عَآئِلًا: فقیر، محتاج، تنگدست، مفلس، نادار۔ عَیْلَةٌ سے اسم فاعل۔

تَقْهَرْ: تو سختی کر، تو ظلم کر، تو غالب ہو۔ قَهْرٌ سے مضارع۔

تَنْهَرْ: تو ڈانٹ، تو جھڑک۔ نَهْرٌ سے مضارع۔

حَدِّثْ: تو بتا، تو بیان کر۔ تَحْدِیْثٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا یعنی والد کی وفات کے بعد اللہ نے آپ کو نادار بچہ پایا جس کے لئے باپ نے مال چھوڑا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا۔ آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد

وفات پا چکے تھے۔ ۶ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے داغِ مفارقت دیا۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آپ کا ٹھکانا بنا دیا اور ان کو آپ کا کفیل بنا دیا۔ انہوں نے آپ کی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معانی علوم و احکامِ شریعت سے بے خبر پایا تو آپ کو علوم الٰہیہ، شعائرِ دین اور نفس کو پہچاننے کا راستہ بتا دیا۔ سو جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا

اس سے پہلے آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ لیکن ہم
نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے
جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں۔ (الشوریٰ ۵۲)

پھر فرمایا کہ اللہ نے آپ کو نادار پایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال یا تجارتی منافع یا مالِ غنیمت کے ذریعہ آپ کو غنا اور بے نیازی کا ایسا مقام عطا فرمایا کہ آپ کو کسی چیز کی بھی احتیاج اور پرواہ نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدرِ ضرورت مل گیا اور اللہ نے اس کو قناعت عطا کر دی۔
(مظہری بحوالہ مسلم ۱۰/۲۸۹)

پھر فرمایا کہ یتیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس کی کمزوری کو دیکھ کر اس کے مال پر قبضہ کرو جیسا کہ عرب کے لوگ کرتے تھے۔ یہاں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر ممانعت کا حکم امت کے لئے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا وہ مکان بہترین ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جائے مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔ آپ نے اپنی دونوں انگلیوں (کو جوڑ کر ان) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں اور یتیم کا سرپرست جنت میں اس طرح (متصل) ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ دروازے پر آئے ہوئے سائل کو نہ جھڑکو اور نہ ڈانٹو یا تو اس کو کھانا دیدو ورنہ نرمی اور خوش خلقی سے واپس کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جن جن نعمتوں سے آپ کو نوازا ہے ان کا شکر ادا کرتے رہئے اور جو علوم وہدایت آپ کو عطا کئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے اور لوگوں تک پہنچائیے۔

حضرت اشعث بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا سب سے زیادہ شکر گزار وہ ہے جو لوگوں (کے احسان) کا بہت شکر ادا کرنے والا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرمار ہے تھے کہ جس نے تھوڑے کا شکر ادا نہیں کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا۔ جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی نہیں کیا۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا شکر ہے، نہ یاد کرنا ناشکری ہے۔ جماعت (اہل اسلام) اللہ کی رحمت ہے، تفرقہ اللہ کا عذاب ہے۔ (مظہری ۴۸/۱۰)

سورۃ الانشراح

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے انشراح کا ذکر ہے اس لئے اس کو سورۃ الانشراح کہتے ہیں۔ اس کو سورۃ الم نشرح بھی کہتے ہیں

تعارف و خلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں ۲۹ کلمات اور ۱۰۳ حروف ہیں۔ یہ سورت باتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں آپ کے قلب اطہر کے انشراح اور اس پر پیدا ہونے والے بوجھ دور کرنے کی بشارت ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی عزت و عظمت کا بیان ہے اور کافروں کی ایذا رسانی پر آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہے۔ سورۃ الضحیٰ کی طرح یہ سورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے متعلق ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۸،۵۰۵/۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات، آپ کے اخلاق عالیہ اور عمدہ اوصاف کا بیان تھا۔ اس سورت میں آپ پر اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے انعام شرح صدر کا بیان اور شدائد کے بعد آسانی کی بشارت ہے۔

انشراح قلب اطہر

۱۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

نشرح: ہم نے کھول دیا، ہم نے کشادہ کر دیا۔ شرح سے مضارع۔

صدر: سینہ، جمع صدور۔

تشریح: ہم نے آپ کے سینے کو نور رسالت، علوم و معارف اور معرفت الٰہیہ کے لئے ایسا کشادہ، رحمت و کرم والا کر دیا ہے کہ تمام علوم و معارف کے سمندر آپ کے قلب اطہر میں سما گئے۔ یہ علوم و معارف کسی درسگاہ یا عقل و دانش کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ ہی ایسا حوصلہ

تھے تو آپ کو اپنی علوشان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بنا پر سخت رنج و ملال ہوتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت سنا کر کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہ ہوگا وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا۔

ہجرت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا جو شدید اثر ہوتا تھا اور استقامت کے ساتھ ساری دنیا میں کلمۂ حق کو پھیلانے اور کفر و شرک کو مٹا کر خلقِ خدا کو توحید پر جمع کرنے کی جو ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تھی آپ اس بارِ عظیم کو محسوس فرماتے تھے۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ آپ کی داڑھی مبارک میں چند بال سفید ہوگئے تو آپ نے فرمایا کہ آیت فاستقم کما امرت نے بوڑھا کر دیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک بوجھ سے یہی بارِ عظیم مراد ہے اور مذکورہ بالا آیت میں اس کو ہٹانے کی بشارت دی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۷۸/۸)۔

آپ کا رفعِ ذکر

۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کا ذکر مبارک بلند کر دیا۔ چنانچہ تمام اسلامی شعائر میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا دین مشرق و مغرب میں پھیلا۔ تو اذان میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی واعظ، کوئی کلمہ گو، کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید فرمائی ہے۔

بغوی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے متعلق پوچھا تو جبرئیل امین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

بغوی نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ لوحِ محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ و رسولہ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اسلام انہی کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(مظہری ۱۰/۲۹۲)

بعض علماء کے نزدیک رفع ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ازل میں) آپ کے لئے تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا اور آپ کی فضیلت کا اقرار کر لیا تھا۔

مشکل کے بعد آسانی

۵-۸۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

سو یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک ہر تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ سو جب آپ (تبلیغ سے) فارغ ہو جائیں تو (عبادت میں) محنت کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگائیے۔

فَرَغْتَ: تو فارغ ہوا، تو خالی ہوا۔ فراغ و فراغۃ سے ماضی۔

اِنْصَبْ: تو محنت کر، تو مشقت اٹھا۔ نصب سے امر۔

اِرْغَبْ: تو رغبت کر، تو دل لگا۔ رغبۃ سے امر۔

تشریح: بلاشبہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جس کلمے کے شروع میں لام تعریف ہوتا ہے اگر اسی کلمے کو لام تعریف کے ساتھ مکرر لایا جائے تو دونوں کلموں کا مطلوب ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر لام تعریف کے بغیر مکرر لایا جائے تو دونوں کے مفہوم الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہاں العسر لام تعریف کے ساتھ مکرر آیا ہے اس لئے دونوں جگہ ایک ہی عسر مراد ہے یعنی جو عسر پہلے کلمے میں مراد ہے دوسرے کلمے میں بھی وہی مراد ہے۔ لفظ یسر دونوں جگہ لام تعریف کے بغیر (نکرہ) ہے اس لئے دوسرا یسر پہلے یسر کے علاوہ ہے۔ سو آیت میں ایک تنگی اور تنگی کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے۔ اور دو سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ یعنی جو بھی تنگی یا مشکل پیش آئے گی اس کے ساتھ بہت سی آسانیاں بھی ہوں گی۔

بغوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ ایک عسر کے ساتھ دو یسر کا مراد ہونا اس وجہ

سے نہیں بلکہ دو بصورت تکرار بتلایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق گزشتہ کلام سے ہے۔ پچھلی آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اور خصوصیت کے ساتھ دنیا میں یسر اور فراخی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخ دستی عطا ہوئی۔ مختلف بستیاں آپ کے زیر اقتدار آ گئیں یہاں تک کہ (بعض حالات میں) آپ نے دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا کئے اور بیش قیمت چیزیں عنایت فرمائیں۔

اب بھی عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص تنگی اور مصائب و تکالیف پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اس سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ضرور آسانی فرمائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ دعوت حق اور احکام دین کی تبلیغ و امت کی تعلیم سے فارغ ہو جایا کریں تو نہایت رغبت و خشوع دل سے نماز، حمد کے ذکر، دعا اور استغفار میں لگ جایا کریں۔ تمام مخلوق اور شیاطین سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اپنے رب کی طرف رخ کر لیا کریں کیونکہ یہی کار ساز اور بہتر کامیاب کرنے والا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷۷۵/۸، مظہری ۲۹۴/۱۰)

سورۃ التین

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے التین یعنی انجیر کی قسم سے اس سورت کی ابتدا فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے سورت کا نام التین ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۴ کلمات اور ۱۵۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی ایمان بالآخرت، حساب اور اعمال کی جزا کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۶۲۰/۳۰)۔

چار قسمیں

۳-۱۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝

اور قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا اور اس امن والے شہر کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار قسمیں کھائی ہیں۔ ۱۔ وَالتِّيْنِ، اور انجیر کی قسم ۲۔ والزیتون، اور زیتون کی قسم۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم عطاء، مقاتل اور کلبی نے کہا کہ التین سے مراد یہی انجیر ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور الزیتون سے مراد زیتون کے پھل ہیں جن کا روغن نکالتے ہو۔

۳۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ، اور طور سینا کی قسم۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ یہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

۴۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ، اور اس امن والے شہر کی قسم۔ اس سے مراد مکہ شہر ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مکہ معظمہ امن کا شہر تھا۔

بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں (تین، طور سینین اور بلد الامین) وہ مقامات ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے۔ ان میں تین سے مراد بیت المقدس ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

کلام فرمایا تھا اور بلد الامین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے (ابن کثیر ۵۲۶/۴)

تخلیق میں سب سے بہتر

۴-۶۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔ پھر ہم اس کو پست ترین حالت میں کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے بے انتہا صلہ ہے۔

تَقْوِيم: سیدھا کرنا، درست کرنا، ٹھیک کرنا، سانچہ۔ مصدر ہے۔

رَدَدْنَا: ہم نے واپس کر دیا، ہم نے لوٹا دیا۔ رَدٌّ سے ماضی۔

اَسْفَل: سب سے نیچا، سب سے پست، سب سے حقیر۔ سُفُولٌ سے اسم تفضیل۔

مَمْنُون: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسم مفعول

تشریح: قسموں کے بعد فرمایا کہ جس طرح ہم نے انسان کو عقل اور فطری صلاحیتوں کی عظمت و بلندی عطا کی اسی طرح اس کو ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں متناسب اعضا کے ساتھ نہایت حسین و جمیل اور بہت ہی خوبصورت پیدا کیا ہے، سو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ حسین و جمیل ہے۔

پھر ہم نے اسے نہایت پستی میں پہنچا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے جہنمی ہو گیا۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسفل سافلین میں لوٹانے سے انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹانا مراد ہے کہ نہ تندرستی رہے اور نہ شکل و صورت کا حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش کے وقت بھی نہایت کمزور تھا۔ پھر نشوونما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت و مضبوطی پیدا ہوئی اور پھر یہ حسن و جمال والا ہو گیا۔ کچھ مدت تک اسی طرح رہا پھر ضعف و انحطاط کی طرف لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ضعف و پستی کی انتہا کو پہنچ کر بدشکل اور بدہیئت نظر آنے لگتا ہے۔

بیکار اور دوسروں پر بار بن کر رہ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝

وہ اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔ (الروم ۵۴)

پھر فرمایا کہ جو ایمان اور عمل صالح والے ہیں وہ ذلت و پستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر بڑھاپا، عجز اور درماندگی نہیں آتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ ایمان اور عمل صالح سے وہ اپنی آخرت سنوار چکے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کے لئے جو اجر و ثواب ہے وہ یقیناً کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اگر دنیا میں بڑھاپے، کمزوری اور عجز سے سابقہ پڑا تب بھی آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے عمل کم ہو جانے کے باوجود ان کے نامۂ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ یہ جو اچھے اعمال اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہو۔

اس کے برعکس جسمانی بیکاری اور عجز و درماندگی کا نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اور توانائی اسی دنیا کی زندگی کو سنوارنے میں صرف کر دی، اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ (ابن کثیر ۵۲۷/۴، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۷۷۷-۷۷۸/۸)

اللہ کی حاکمیت

۸۰۷- فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝

(اے انسان) اب تجھے قیامت کے جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے۔ کیا

اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ (ضرور ہے)۔

تشریح: اے انسان جب تو اپنی تخلیق اور ابتدائی پیدائش کو جانتا ہے اور اپنی ذات میں رونما ہونے والے تغیرات کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر تو قیامت اور بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے) اور جزا و سزا کا انکار کیوں کرتا ہے۔ جس قادر مطلق نے تجھے پہلی دفعہ پیدا کیا اس پر دوسری مرتبہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔ یقیناً وہ سب سے بڑا حاکم ہے۔ وہ نہ ظلم کرتا ہے اور نہ بے انصافی۔ اس کے احکام تمام کائنات میں نافذ و جاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ چاند، سورج، ستارے، ہوا، بادل، بارش، چرند، پرند، چوپائے اور درندے غرض ہر چیز اس کی مطیع و فرماں بردار ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قیامت اسی لئے قائم کرے گا تاکہ ہر ظالم سے مظلوم کا انتقام لے۔

ترمذی، ابو داؤد اور ابن مردویہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۃ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت الیس اللہ باحکم الحاکمین پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشاہدین کہے۔ یعنی اللہ احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ (روح المعانی ۱۷۱/۳۰)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے سوائے نماز کے۔

سورۃ العلق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی دوسری آیت میں لفظ علق (جما ہوا خون) آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام العلق ہے۔ اس کو سورۃ اقرأ بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۷۲ کلمات اور ۲۷۰ حروف ہیں۔ جمہور صحابہ وتابعین کے مطابق مکہ میں سب سے پہلے اسی سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں مَا لَمْ یَعْلَمْ تک غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا (یہ کوہ حرا پر واقع ہے، آج کل اس پہاڑ کو جبل نور کہتے ہیں) میں جا کر کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے۔ (اس عبادت کی کیا کیفیت ہوتی تھی اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت میں تحنث کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی عبادت کرنے کے ہیں) اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا اتنے دنوں کا سامان خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آ کر حضرت خدیجہؓ سے مزید چند روز کے لئے سامان خوراک تیار کرا کر لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اسی غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی اور ایک فرشتہ (جبرائیل امین) نے غار کے اندر آ کر آپ سے کہا "پڑھیے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپؐ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، میں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ پھر چھ ماہ (یا دوسری روایت کے مطابق تقریباً ۲ سال یا اڑھائی سال) تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جس کو زمانہ فترت وحی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد لگا تار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اقرأ اور مدثر کے بعد سب سے پہلے جو پوری اور مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰ ص ۶۳۰، مظہری ۳۰۱/۱۰)

اس سورت میں انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات و احسانات ہوتے ہیں اسی قدر اس کی سرکشی اور بغاوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب جہنم کے فرشتے ایسے سرکشوں کو چوٹی سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم ہے۔

انسان کی تخلیق و تعلیم

۱۔۵۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

اپنے رب کا نام لیکر پڑھئے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ اور انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی (اور) انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اِقْرَاْ: تو پڑھ۔ قِرَاءَةٌ سے امر۔

عَلَقٍ: جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو، خون کا لوتھڑا، گاڑھا خون۔ اسم جنس ہے۔

اَلْاَکْرَمُ: بہت کریم، بہت باعزت۔ کَرَمٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ پر وحی کی جاتی ہے یا نازل کیا جاتا ہے اس کو اپنے اس رب جلیل کے نام کی مدد سے پڑھئے جس نے کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا کیا۔ پس جو ذات کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اور جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ اعضا بنائے تو کیا وہ خالق و قادر مطلق ایک زندہ، بینا و بصیر اور عقل و شعور رکھنے والے انسان کو جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں ہے، قرأت کی صفت عطا نہیں کر سکتا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم آپ کو پہلے دیا گیا ہے آپ اس کو بجا لایئے، کیوں کہ آپ کا پروردگار نہایت کرم والا ہے۔ اس سے بڑھ کر کریم ہونا ممکن نہیں۔ وہ اتنا کریم ہے کہ بندوں کی ناشکری اور نافرمانی کی پروا نہیں کرتا اور ان کی سرکشی اور نافرمانیوں کو برداشت کرتا ہے اور قدرت کے باوجود ان سے فوری انتقام نہیں لیتا۔ وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے آپ کے لئے اس کا پڑھنا آسان کر دے گا۔ اسی نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور یہی قلم دنیا میں ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم و فنون منتقل کرنے والا ہے۔ کیا وہ رب کریم اس پر قادر نہیں کہ اپنے فرشتے کے ذریعے یا براہِ راست لوحِ محفوظ اور ملاءِ اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کے قلب پر وارد کر دے۔ یقیناً وہ ہر صورت پر قادر ہے۔ اسی نے انسان کو وہ تمام علوم سکھائے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سرکش انسان

۶، ۸۔　كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝

بیشک انسان تو حد سے نکل جاتا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھتا ہے۔ بیشک تجھے اپنے رب ہی کے پاس لوٹنا ہے۔

تشریح: نبوت کے ابتدائی دنوں میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف نہ تھا۔ سب آپ کو امین اور صادق کے القاب سے پکارتے تھے۔ آپ سے محبت اور آپ کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ابو جہل کی دشمنی اور آپ کو نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آئندہ آیتوں میں مذکور ہے وہ شب معراج کے بعد کا ہے۔ اگرچہ اس آیت کا روئے سخن ابو جہل کی طرف ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی لیکن یہاں عام انسانوں کی ایک عام کمزوری بیان کی گئی ہے کہ جب

تک انسان دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو عاجزی کرتا اور سیدھا چلتا ہے۔ جب اس کے پاس دو پیسے ہو جاتے ہیں اور اسے فارغ البالی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اب وہ مستغنی ہو گیا ہے اور اب اسے کسی کی حاجت اور پرواہ نہیں۔ اس میں سرکشی، کبرو غرور اور عجب وخود پسندی آ جاتی ہے اور اس میں دوسروں پر ظلم وستم روا رکھنے کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں، حاکموں اور اولاد و احباب کی کثرت رکھنے والوں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ اپنے مال و اولاد اور جماعت وجتھے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا۔ وہ مکے کے مالدار لوگوں میں سے تھا۔ شہر کے لوگ اس کی بات مانتے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ اسی لئے وہ مغرور اور سرکش ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا تھا۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم حشر سے ڈرتے رہنا چاہئے اور انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک دن سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے جہاں ان سے چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ اس گستاخ رسول ابوجہل کو بھی وہاں اپنے اعمال کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علم کا طالب تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا طالب سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے۔ اور طالب علموں کی فضیلت میں آیت اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) تلاوت کی۔

(ابن کثیر ۵۲۸/۴، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۷۸/۸)

ابوجہل کا ایک واقعہ

۱۶۰۹۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۞ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۞ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰٓی ۞ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۞ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۞ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ۞ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۞ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ

ہو، پھر بھی تو اس کو اللہ کے گھر سے روکے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے تو کیا یہ تیری بدبختی اور بدنصیبی کی انتہا نہیں۔ بھلا اگر تو نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر قائم رہا تو اس سے ہمارا کیا نقصان، تو خود ہی ہلاک و برباد ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے کہ کیا تو نے تعجب کی بات دیکھی ہے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو یہ اس کو روکتا ہے حالانکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور یہ روکنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگرداں ہے۔ (مظہری ۳۰۸/۱۰)

پھر اس کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والے اس بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور روکنے والے بدبخت کو بھی اور اس کی باتوں کو بھی سن رہا ہے۔ وہ اس کو اس کے کام اور کلام دونوں پر سزا دے گا۔ اگر وہ اپنی سرکشی اور ایذا رسانی سے باز نہ آیا تو ہم بھی اس کو جانوروں کی طرح پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی، نافرمان اور خطاکار ہے۔ قیامت کے دن کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت کی چیز ہے، اس لئے کسی کو اس کے ذریعے گھسیٹنا اس کی انتہائی تحقیر و تذلیل ہے۔ کافر چونکہ اللہ کے سامنے سر جھکانے سے اعراض کرتا ہے اس لئے وہ اسی لائق ہے کہ اس کو پیشانی کے بل گھسیٹ کر ذلیل و خوار کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

اس دن منہ کے بل ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا)
دوزخ کی آگ چھونے کا مزہ چکھو۔ (قمر ۴۸)

ابو جہل کے تکبر کا جواب

۱۷۔۱۹۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا ۖ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿١٩﴾

سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی (دوزخ کے مؤکل) پیادے بلا لیں گے۔ خبردار (اے رسول ﷺ) آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور سجدہ کیجئے اور قرب الٰہی حاصل کرتے رہیے۔

سورۃ القدر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں شب قدر کا بیان ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القدر ہے۔ اس کو سورۃ لیلۃ القدر، اور سورۃ لیلۃ المبارک بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں پانچ آیتیں، ۳۰ کلمات اور ۱۱۲ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی اور واقدی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ پہلا قول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ (حقانی ۳۳۰/۵، مواہب الرحمٰن ۶۳۹/۳۰)

اس میں خاص طور پر نزول قرآن، شب قدر کی عظمت و فضیلت اور اس میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں وحی کے آغاز کا ذکر تھا۔ اس سورت میں شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کا نزول ہوا۔

نزول قرآن

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک جہاد میں مشغول رہا۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر قرار دیا۔

ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ

حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور دن بھر جہاد میں مشغول رہتا۔ اس نے ایک ہزار مہینے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرما دی۔ (مظہری ۱۰/۳۰۰)

تشریح: ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل کیا جو بڑی خیر و برکت رات ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین نبی رسول اور نئی کتاب کے منتظر تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر ہی لیلۃ المبارکہ ہے جس کا بیان دوسری آیت میں ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ

بیشک ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ (الدخان ۳)

یہ مبارک رات یعنی لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

ماہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ (البقرۃ ۱۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن ایک دفعہ میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کر دیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ برس تک حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی تیسری تاریخ کو، تورات چھٹی تاریخ کو اور انجیل تیرھویں رمضان کو اور زبور اٹھارہویں رمضان کو اتاری گئیں اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں رمضان کو نازل ہوا جب رمضان کی چھ راتیں باقی تھیں۔ (مظہری ۱۰/۳۰۰، ۳۰۱)

شب قدر

۵۰۲۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے

بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں وہ سلامتی (کی رات) ہے فجر طلوع ہونے تک۔

تشریح: اے مخاطب تجھے کیا معلوم کہ شب قدر اور اس کی عظمت و برکت کیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا اور اس میں عبادت و ذکر الٰہی کا اجر و ثواب کس قدر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور برکات عقل کی رسائی سے زیادہ ہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے زیادہ اور بہتر ہے۔ اسی رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر امر خیر لیکر زمین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مومن بندوں کی طرف اترتے ہیں اور ان کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ اس رات کا ایک ایک لمحہ ہر شر و آفت اور برائی سے سلامتی کا ہے اور اس میں خیر ہی خیر اور برکت و رحمت ہے۔ اس میں شر کا نام تک نہیں۔ یہ رات غروب شمس سے لیکر فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے اس لئے اس دوران اس کے جس حصے میں بھی عبادت کی جائے گی اس کی وہ رحمتیں اور برکتیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اس رات میں رکھی ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی امید سے شب قدر میں (نماز کے لئے) کھڑا ہوتا ہے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں (اس وقت) جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں وہ سب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔

احمد، ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی کہو۔ (مظہری ۳۱۹/۱۰)

سورۃ البینہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کو بینہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مشرکین اور اہلِ کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تک کوئی بینہ (ثبوت و دلیل) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کو سورۃ المنفکین اور سورۃ البریہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲۰۰/۳۰)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۸ آیتیں ۹۴ کلمات اور ۳۹۹ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ میں۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اس کا نزول مدینہ میں ہوا۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام احمد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے فلاں سورت پڑھ کر سناؤں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں میرا نام لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالمنذر (حضرت ابی کی کنیت) پھر تو تم بہت ہی خوش ہوئے ہوگے۔ حضرت ابی نے کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے، یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔ (یونس ۵۸)

(مواہب الرحمٰن ۱۶۷/۳۰، ابن کثیر ۵۳۴/۴)

سورت کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کا رسول، ان کی بعثت و نبوت، ان کے اوصاف و کمالات اور ان کا قرآن کریم کی تلاوت کرنا یہ سب بذاتِ خود بینہ ہیں۔ پھر عبادت کی روح یعنی

اخلاص و توحید کا بیان ہے۔ اس کے بعد آخرت میں اہل شقاوت و اہل سعادت کے انجام کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں شب قدر کی عظمت و فضیلت کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت میں عبادت کی قبولیت کی اساس یعنی اخلاص و توحید کا بیان ہے۔

اہل کتاب اور مشرکین کا حال

۱-۳۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ اللہ کا ایک رسول (آئے) اور پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں درست احکام ہوں

مُنْفَكِّيْنَ: باز آنے والے، جدا ہونے والے۔ اِنْفِكَاكٌ سے اسم فاعل۔

اَلْبَيِّنَةُ: واضح دلیل، روشن دلیل۔ جمع بَیِّنَاتٌ۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین سب شرک و کفر کرتے تھے، جیسے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ وہ اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی حقیقت اور واضح دلیل و حجت یعنی عظیم المرتبت رسول نہ آجائے، جن کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی ہو اور اس کی مدد بھی ان کے شامل حال ہو۔

یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو امی ہونے کے باوجود ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ قرآن پاکیزہ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے احکام درست، سچے اور مضبوط ہیں جو قیامت تک قائم رہیں گے۔ یہ صحیفے باطل اور شیطانی تصرف سے پاک رکھے گئے ہیں اور بے وضو، ناپاک اور حائضہ کے چھونے سے محفوظ ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

اس میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ حکیم و حمید کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (حم السجدہ: ۴۲)

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔ (الواقعہ: ۷۹)

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض اہل لغت نے منفکین کا ترجمہ ہالکین کیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہونے والے نہ تھے، کیونکہ پیغمبر کو احکام دے کر بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک اور برباد نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝

اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔ (الاسراء: ۱۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذات خود ایک بینہ اور واضح ثبوت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تلاوت کردہ آیات ہی کی برکت تھی کہ دور جاہلیت کے وہ عرب جو کفر و شرک کی ظلمتوں میں غرق تھے وہ نور ہدایت سے مشرف ہوئے ورنہ ایسی گمراہ قوم کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی۔

اہل کتاب کا تفرقہ

۴۔۵ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور اہل کتاب واضح دلیل آنے کے بعد ہی (دین میں) متفرق ہوئے۔ حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور یہی محکم دین ہے۔

قَیِّمَۃٌ: مضبوط و درست، ٹھیک، مستحکم۔ قیم کی مؤنث ہے۔ صفت مشبہ۔

حُنَفَآءَ: سچے، یکسو ہونے والے، مائل ہونے والے، اللہ کی طرف ہونے والے۔ واحد حنیف

تشریح: آپ کی بعثت سے پہلے کسی یہودی یا نصرانی کو اس میں اختلاف نہیں تھا کہ آخری زمانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا اور آپ کی اتباع سب پر لازم ہوگی۔ اسی لئے اہل کتاب آپ کی بعثت کے منتظر تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا

حالانکہ اس سے پہلے وہ (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح (کی دعا)
مانگتے تھے۔ (البقرہ ۸۹)

جب بھی مشرکین سے اہل کتاب کا مقابلہ ہوتا تو وہ آپ کے وسیلے سے کافروں کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے، کیونکہ آپ کے اوصاف ان کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا تو ان لوگوں نے محض حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کی تصدیق نہیں کی۔ دوسری آیت میں ہے:

فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ

پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس آ گیا جس کو انہوں نے پہچان بھی رکھا تھا
تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔ (البقرہ ۸۹)

ہر پیغمبر نے مشرکین و منکرین کو یہی حکم دیا تھا کہ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اس ایک مالک و خالق کے غلام بن جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ دوسری آیت میں ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں
بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی
عبادت کرو۔ (الانبیاء: ۲۵)

اور ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اور ہم نے ہر امت میں (اسی تبلیغ کے لئے) رسول بھیجے ہیں کہ تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو۔ (النحل: ۳۶)

یہی سابق انبیاء اور ان لوگوں کا دین ہے جو توحید پر قائم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کا حکم دیتے ہیں کہ اپنی عبادت و اطاعت کو اللہ کے لئے خالص رکھو۔ کسی کو بھی اس کی عبادت میں شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو۔

بہترین اور بدترین لوگ

۸۰۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ۞ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۞

بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی بدترین مخلوق ہیں۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کے رب کے ہاں ان کا بدلہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ (صلہ) اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

اَلْبَرِیَّةُ: مخلوق، جمع برایا۔

عَدْنٌ: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا، جنت کے ایک خاص درجے کا نام۔ مصدر ہے۔

خَشِیَ: وہ ڈرا۔ اس نے خوف کھایا۔ خَشْیَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کرکے اہل کتاب نے خود اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا۔ لہٰذا جن اہل کتاب اور مشرکوں نے کفر و انکار کیا وہ سب ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ بلاشبہ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں ان کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ وہاں ان کے رہنے کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن کے مکانات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی نعمتیں نہ کبھی ختم ہوں گی اور نہ ان میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ ان سب نعمتوں سے بڑھ کر رضائے خداوندی کی نعمت ہوگی یعنی اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ کی رحمتوں اور انعامات سے خوش ہوں گے۔ خدا کی رضا اور خوشنودی اس شخص کو حاصل ہوگی جو دل میں اللہ کا خوف و خشیت رکھتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جنت والوں سے فرمائے گا کہ اے جنت کے رہنے والو! اہل جنت جواب دیں گے لبیک ربنا و سعدیک و الخیر کلہ فی یدیک اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو۔ اہل جنت عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم کیسے راضی نہ ہونگے کیا جبکہ تو نے ہمیں وہ چیزیں عطا فرمادیں جو تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان سے بڑھ کر چیز نہ دوں۔ اہل جنت عرض کریں گے پروردگار ان سے افضل چیز کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ آئندہ تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ متفق علیہ۔ (مظہری ۱۰/۳۱۹)

سورۃ الزلزال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں زمین کے لرزنے (زلزلے) کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام الزلزال ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۵ کلمات اور ۱۴۹ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ مگر ابن مسعود، عطاء اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکے میں نازل ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تو نے نکاح کیا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے نکاح نہیں کیا اور نہ میرے پاس اس قدر ہے کہ نکاح کر سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے پاس قل ھو اللہ نہیں ہے اس نے کہا ہاں یہ تو ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس اذا جاء نصر اللہ نہیں ہے اس نے کہا وہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس قل یا ایھا الکفرون نہیں ہے۔ اس نے کہا ہاں ہے آپ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس اذا زلزلت الارض نہیں ہے۔ اس نے کہا وہ بھی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ جا اب نکاح کر لے۔ (مواہب الرحمن ۲۹۱، ۲۹۲/۳۰، ابن کثیر ۵۳۹/۴)

جب آسمان اور زمین اور کائنات کا تمام نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اور قیامت قائم ہو گی تو ہر انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نہ کسی کا کوئی عمل ضائع ہوگا اور نہ کوئی برے عمل کی سزا سے بچ سکے گا۔

ماقبل سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں اہل سعادت اور اہل شقاوت کے احوال و انجام اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ اس سورت میں سعادت و شقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا گیا ہے کہ جب نظام عالم کا درہم برہم ہوگا اور قیامت قائم ہوگی۔ اس دن ہر شخص اپنے چھوٹے بڑے اور اچھے برے تمام اعمال کا بدلہ پائے گا۔

زمین کا زلزلہ

۲۰۱۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے اور زمین اپنے بوجھ (دفینے)
نکال باہر کرے تو آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔

زُلْزِلَتْ: وہ زلزلہ میں آ گئی، وہ ہلا دی گئی۔ زلزلۃ سے ماضی مجہول۔

اَثْقَالَ: بوجھ، دفینے، مردے اور خزانے مراد ہیں۔ واحد ثقل

تشریح: قیامت کے روز زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلے سے خوب جھنجوڑ دیا جائے گا اور وہ اوپر سے نیچے تک کانپنے لگے گی۔ پہاڑ اور بلند و بالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہو جائیں گی اور زمین چٹیل میدان کی طرح بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ دوسری آیت میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ
عَظِيْمٌ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔
(الحج: ۱)

یہ زلزلہ کب آئے گا اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک نفخۂ اولیٰ سے پہلے والا زلزلہ مراد ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔ ۲۔ بعض کے نزدیک نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہے جب مردے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہو کیونکہ آگے قیامت کے احوال کا بیان ہے۔

جب مذکورہ زلزلہ آئے گا تو زمین اپنے اندر کی ہر چیز یعنی خزانے، دھاتیں، دفینے اور مردے وغیرہ سب کچھ باہر اگل دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی۔ تمام مال لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر انسان ہکا بکا رہ جائے گا اور حیرت و استعجاب سے کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ کانپنے اور تھرتھرانے لگی اور اپنے اندر کی چیزیں باہر پھینکنے لگی۔ یہ تو کبھی اتنی ہلتی نہ تھی۔ بلکہ ٹھہری اور جمی ہوئی تھی۔ اس کے ثبات اور طاقتیں کہاں گئیں۔ جس مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے

خون کے پیاسے اور قتل و غارت گری پر آمادہ رہتے تھے وہ سب زمین نے باہر نکال دیا ہے۔ پس زمین اور آسمان بالکل بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ بعض کے نزدیک یہاں انسان سے مراد کافر ہے جس کو قبر سے اٹھنے کی امید ہی نہ تھی، اس لئے وہ قبر سے اٹھتے کے وقت یہ بات کہے گا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر پاروں کو اگل دے گی۔ سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا۔ قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا۔ آج کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ اسی طرح قطع رحمی کرنے والا کہے گا اسی کی محبت میں آ کر رشتے داروں سے سلوک نہیں کرتا تھا۔ چور کہے گا اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوائے۔ وہ مال اسی طرح پڑا رہے گا کوئی بھی اس کو نہ لے گا۔ (مظہری ا ج ۱۰ ا ص ۳۲۲)

زمین کی خبریں

۴۔۸۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

اس دن یہ اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی اس لئے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں پر لوٹ آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تُحَدِّثُ: تو بیان کرتا ہے، تو خبر دیتا ہے۔ تَحْدِیْثٌ سے مضارع۔

یَصْدُرُ: وہ نکلے گا، وہ واپس لوٹے گا، وہ ظاہر ہوگا۔ صَدْرٌ و صُدُوْرٌ سے مضارع۔

اَشْتَاتًا: الگ الگ، جدا جدا، ٹولیاں ٹولیاں۔ واحد شَتٌّ و شَتَاتٌ

تشریح: اس دن زمین صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے اس پر فلاں فلاں نافرمانی کی۔ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا، فلاں نے چوری کی، فلاں نے قتل کیا۔ اگر کسی نے عبادت کی ہوگی تو اس کی بھی گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی اور فلاں نے فلاں جگہ مجھ پر فلاں نیک

اپنے رب کا ناشکرا ہے اور یقیناً وہ اس سے باخبر ہے۔

العٰدیٰت: تیز دوڑنے والیاں (گھوڑے یا اونٹنیاں) عَدْوٌ سے اسم فاعل واحد عَادِیَۃٌ۔

ضَبْحًا: ہانپتے ہوئے (گھوڑے)، تیز دوڑنے کی حالت میں گھوڑے کا پیٹ سے آواز نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُوْرِیٰت: آگ روشن کرنے والے، پتھر پر ٹاپ مار کر آگ نکالنے والے (گھوڑے)۔ اِیْرَاءٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُوْرِیَۃٌ

قَدْحًا: چقماق کو مار کر آگ نکالنا۔ گھوڑے کا ٹاپ مار کر آگ نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُغِیْرٰت: غارت کرنے والیاں، شب خون مارنے والے (جنگی گھوڑے)۔ یہاں مجاہدین کی وہ فوجیں مراد ہیں جو صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اِغَارَۃٌ سے اسم فاعل۔

اَثَرْنَ: وہ اڑاتے ہیں، وہ اٹھاتے ہیں۔ اِثَارَۃٌ سے ماضی۔

نَقْعًا: دھول، غبار۔

فَوَسَطْنَ: وہ بیچ میں گھس گئیں۔ سِطَۃٌ و وَسْطٌ سے ماضی۔

کَنُوْدٌ: بڑا ناشکرا، کافر، بخیل۔ کُنُوْدٌ سے مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں دو باتیں کہی ہیں، ۱۔ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا بڑا ناشکرا ہے۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے، ۲۔ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً وعقلاً مذموم ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں جب کسی چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان کیا جاتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور وہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

میدان جنگ میں گھوڑے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انسان کے حکم کے تابع نہایت سخت خدمات انجام دیتے ہیں۔ حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ وہ چارہ اور دانہ

اس نے پیدا کیا جو وہ ان گھوڑوں کو کھانے کے لئے دیتا ہے۔ انسان تو صرف اللہ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان گھوڑوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اب ذرا گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کا کیسا خیال رکھتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت عطا کی، عقل و شعور دیا اور اس کے کھانے پینے کے لئے ہر چیز پیدا کی۔ وہ ان تمام انعامات و احسانات سے دن رات فائدہ اٹھاتا ہے لیکن ان پر نہ تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی فرماں برداری کرتا ہے۔ یہ بات وہ خود بھی جانتا ہے اور اس کا طرزِ عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ پس انسان کو ان گھوڑوں سے سبق سیکھنا چاہئے کہ اس کا بھی کوئی مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، لیکن یہ بڑا ناشکرا ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھاتا۔

حرص اور مال کی محبت

۸-۱۱۔ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۞ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۞ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۞ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۞

یقیناً وہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ بیشک اس دن ان کا رب ان (کے حال) سے پوری طرح باخبر ہوگا۔

الخیر: مال، نیکی، بھلائی، پسندیدہ۔ جمع اخیار۔

بُعثر: وہ زندہ کیا گیا، وہ اٹھایا گیا۔ بعثرۃ سے ماضی مجہول۔

حُصِّل: وہ حاصل کیا گیا، وہ ظاہر کیا گیا۔ تحصیل سے ماضی مجہول۔

تشریح: مال کی حرص اور محبت نے انسان کو فکرِ آخرت سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے خالق و مالک کو فراموش کر رکھا ہے اور اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ مال کا کسب و اکتساب اور بہ قدر

ضرورت حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس سے کام لینا مذموم نہیں بلکہ دل میں اس کی محبت ہونا اور اس کی وجہ سے مالک حقیقی سے غافل ہونا مذموم ہے۔ اس لئے اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ بقدر ضرورت مال حاصل بھی کرے، اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر اس کا دل مال کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

پھر انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اس غافل انسان کو معلوم نہیں کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب قیامت کے روز مردے زندہ کر کے قبروں سے اٹھا لئے جائیں گے اور ان کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا۔ اس وقت دلوں میں چھپی ہوئی باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور انسان دیکھ لے گا کہ وہ کیسا ہولناک دن ہے جس سے وہ دنیا میں غافل رہا اور اس کی تکذیب کرتا رہا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جس مال کی محبت میں وہ اللہ کی ناشکری اور نافرمانی کرتا رہا وہ اس کے ذرا کام نہ آیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے حالات و اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اس لئے وہ اعمال کے مطابق ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۰۲،۸۰۳)

سورۃ القارعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ القارعہ (کھڑکھڑا دینے والی) سے ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القارعہ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ایک رکوع، گیارہ آیتیں، ۳۶ کلمات اور ۱۵۲ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عام مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس میں بھی اثبات قیامت اور حشر ونشر کے احوال کا بیان ہے، تاکہ انسان غفلت سے نکل کر آخرت کی فکر کرے۔

قیامت کے احوال

۵۰۰۔ الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝

کھڑکھڑا دینے والی (قیامت)۔ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے۔ اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اس دن لوگ پتنگوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔

الْقَارِعَةُ: کھڑکھڑانے والی، قیامت، حادثہ۔ قرع سے اسم فاعل۔

الْفَرَاشِ: پتنگے، پروانے، ٹڈیاں۔ واحد فَرَاشَةٌ۔

الْمَبْثُوثِ: پریشان، بکھرے ہوئے، منتشر۔ بَثٌّ سے اسم مفعول۔

الْعِهْنِ: رنگی ہوئی اون۔ جمع عُهُونٌ

الْمَنْفُوشِ: دھنی ہوئی۔ نَفْشٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں جیسے حاقہ، طامۃ وغیرہ۔ انہی میں سے قارعہ ہے۔ قیامت ایسی عظیم الشان اور ہولناک چیز ہے کہ تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بہت بلند اور بالا ہے۔ اس لئے کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسی ہولناک ہے۔ بس یوں سمجھو کہ اس دن لوگ پروانوں کی طرح منتشر، پراگندہ، حیران و پریشان ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ ہے:

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝

وہ قبروں سے اس طرح نکل پڑیں گے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی ہو۔ (القمر ۷)

پروانوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اس دن تمام اولین و آخرین میدان حشر میں جمع ہوں گے تو ان کی تعداد بہت کثیر ہوگی، جیسے بارش کے بعد پتنگے زمین سے نکل کر کثیر تعداد میں فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص پتنگوں کی طرح ضعیف و عاجز ہوگا اور بے تابانہ ادھر ادھر پھر رہا ہوگا۔

اس دن پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی روئی یا رنگین اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔ رنگین اس لئے کہا گیا کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں مثلاً سفید، سرخ، سبز، زرد اور سیاہ وغیرہ۔ جب یہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑیں گے تو مختلف رنگ ہوں گے۔ جب قارعہ کے اثر سے پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خود انسان کا کیا حال ہوگا۔

اعمال کا وزن

۶۔۱۱۔ فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

پھر جس (کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہوگا۔ اور تجھے کیا معلوم وہ کیا ہے، وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اُمُّهُ: اس کا ٹھکانا، اس کی ماں۔

هَاوِیَۃ: دوزخ کے ایک درجے کا نام۔ گڑھا۔

حَامِیَۃ: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حمیٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس بدحواسی اور اضطرار کے عالم میں میدان حشر میں انسانوں کے اعمال کا وزن اور حساب ہوگا اور ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا۔ جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ جائیں گی وہ عیش و آرام کی جنت میں داخل ہو جائے گا جہاں اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز ملے گی۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اس کی برائیاں نیکیوں پر چھا جائیں گی تو وہ اوندھے منہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جا گرے گا۔

یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص۔ چونکہ آخرت کی ترازو میں وزن نہیں تولا جاتا بلکہ اس میں ایمان و اخلاص کا وزن کیا جاتا ہے اس لئے جن کے پاس ایمان نہیں ہوگا ان کے اعمال کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا جیسے ارشاد ہے:

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (الکہف: ۱۰۵)

پس قیامت کے روز ہم ان (کے اعمال) کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

اس کے برعکس اہل ایمان اور نیک لوگوں کے اعمال و اخلاص کے وزن سے ترازو جھک جائے گی جس کے نتیجے میں ان کو نجات اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی ملے گی یہی حقیقی فلاح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت کے لئے تو یہی کافی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن دوزخ کی آگ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

(ابن کثیر ۵۴۳،۵۴۴/۴)

خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ کاش تم یقینی طور پر جان لیتے کہ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے اور تم اسے بالیقین دیکھو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

تشریح: قیامت کے روز جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو تم اس تفاخر و تکاثر کے برے انجام کو جان لوگے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مال و اولاد کی بہتات کام آنے والی چیز نہیں اور نہ یہ فخر و مباہات کے لائق ہے۔ اصل زندگی اور عیش و راحت تو آخرت ہی کا ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر تمہیں قیامت کے حساب و کتاب کا یقین ہوتا تو تم اس تکاثر اور تفاخر میں نہ پڑتے بلکہ ہمہ تن آخرت کی تیاری میں لگے رہتے۔ مگر افسوس انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گزار رہا ہے۔ لہٰذا جب موت کے وقت تمہیں آخرت کا یقینی علم حاصل ہوگا تو تم جہنم کو خود دیکھ لوگے۔ لیکن تلافی مافات کا وقت جا چکا ہوگا، اس لئے اس وقت کا جاننا کچھ نفع نہ دے گا۔

پھر فرمایا کہ یہی نہیں کہ تم دور سے دیکھ لو اور وہ تمہیں نظر آ جائے بلکہ تم اس دوزخ کو آنکھوں کے مشاہدے اور یقین کے ساتھ دیکھو گے اور تمہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہے گا۔ تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث اسی جہنم میں داخل ہوگے اور اس کا مزہ چکھو گے۔ پھر اس روز تم سے یقیناً ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اللہ کی طرف سے دنیا میں تمہیں دی گئی تھیں کہ تم نے ان کا شکر کیوں نہیں کیا۔ (معارف القرآن ۸۰۹، ۸۱۰/ ۸، مظہری ۳۳۲، ۳۳۵/ ۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن نعمتوں کے سوال میں سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ہم تجھے ٹھنڈے پانی سے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ (ابن کثیر ۵۳۹/ ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط سے بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہیں کر لی جائے گی۔ ۱۔ عمر کن کاموں میں ختم کی ۲۔ جسم کس کام میں دبلا کیا۔ ۳۔ اللہ نے جو علم اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا ۴۔ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (مظہری ۳۳۶/ ۱۰)

سورۃ العصر

وجہ تسمیہ: یہ سورت العصر (زمانہ) کی قسم سے شروع ہوئی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام العصر ہے۔
تعارف و خلاصہ: اس میں تین آیت ۱۴ کلمات اور ۶۸ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے مطابق یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بے شمار علوم دین و دنیا کے سمٹ گئے ہیں۔

دین و دنیا کا خسارہ

۲-۱۔ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

اور قسم ہے زمانے کی۔ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

تشریح: قرآن کریم کی یہ سورت نہایت مختصر اور بلیغ جامع ہے۔ بعض امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اسی سورت کو غور و تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے زمانے کی جس میں یہ انسان زندہ ہے کہ یہ ایک نہایت قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سرمایہ اسے اس لئے دیا ہے تاکہ انسان کو ایمان اور نیکی کی تجارت کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ یہ سرمایہ اپنے بے ثبات ہے کہ برف کی طرح ہر لمحہ خود بخود پگھلتا جا رہا ہے۔ اگر اس نے ایمان اور نیک عمل کی بجائے برا سودا خرید لیا تو پھر بھی تجارت کر لیا تب بھی انسان خسارے میں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس قیمتی وقت کی قسم کھائی جس کو انسان گناہوں اور دنیوی لذتوں میں صرف کرتا ہے یا اپنی لہو و لعب میں ضائع کر دیتا ہے۔ انسان بڑے خسارے میں ہے کیونکہ اس کی عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے۔ اگر اس مختصر عمر میں سے بچپن، بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ نکال دیا جائے تو نیکیوں کے لئے بہت ہی کم وقت بچتا ہے۔ اگر اس میں بھی غفلت، دنیا طلبی اور لہو و لعب میں گزار دے تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دنیا میں ہر نقصان کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارے کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔

والعصر کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اب وقت تھوڑا ہی رہ گیا ہے اور قیامت قریب آ گئی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ اگر اب بھی کوئی ہدایت پر نہ آئے تو وہ بڑا ہی بدنصیب ہے کیونکہ کارخانہ دنیا ختم ہونے والا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ لگے ہوئے) ہیں اور آپ نے بیچ کی انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی۔

عصر کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک عصر سے مطلق زمانہ مراد ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی نیرنگیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

۲۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عصر سے دن کا آخری حصہ یعنی زوال سے غروب تک کا وقت مراد ہے۔ اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان دن کے آخری حصے میں ظاہر ہوتا ہے نیز دن کا آخر ایک عظیم انقلاب کی تمہید ہے یعنی دن کا جانا اور رات کا آنا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اے انسان تیری زندگی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا ہے۔ اس لئے تو اپنی اس تجارت میں سرگرم ہو جا جو آخرت میں کام آئے ورنہ نرا خسارہ ہی تمہارا ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ کا زمانہ مراد ہے جو بڑا مبارک زمانہ ہے جس میں آخرت کی تجارت کا بازار بڑا گرم تھا۔ اس میں جس نے سعادت کی طرف توجہ کی اس نے سلطنت آسمانی حاصل کر لی۔ اور جس نے برا سودا کیا اور کفر و بدکاری خریدی اس نے نقصان کے سوا کچھ نہ پایا۔

۴۔ بعض کے نزدیک اس سے نماز عصر کی قسم مراد ہے۔ اس کی قسم اس لئے کھائی کہ یہ آخرت کی تجارت کا ایک خاص وقت ہے۔ نیز دنیا کے کاروبار میں مصروف ہونے کا بھی وقت ہے۔ اس کے علاوہ یہ دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے۔ اس کے بعد رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے۔

(حقانی ۴۷۳-۴۷۴/۵)

خسارے سے محفوظ لوگ

۳۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور باہم حق پر قائم

سورۃ الہمزہ

وجہ تسمیہ: اس کا نام ہمزہ (طعنہ دینا) ہے۔ یہ لفظ سورت کے شروع میں آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام ہمزہ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۹ آیات، ۳۰ کلمات اور ۱۳۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس میں طعن وتشنیع اور عیب جوئی کی مذمت اور جہنم کی آگ کی شدت وہیت کا بیان ہے۔

طعنہ زنی کی مذمت

۱-۳۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو طعنہ دیتا اور عیب جوئی کرتا ہے، جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر وعذاب ہے۔

هُمَزَةٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا۔ هَمْزٌ سے مبالغہ۔

لُمَزَةٍ: بہت غیبت کرنے والا، عیب۔ طعنہ، لَمْزٌ سے مبالغے کے معنی میں صفت مشبہ۔

أَخْلَدَ: وہ ہمیشہ رہا، وہ سدا رہا۔ اِخْلَادٌ سے ماضی

تشریح: گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا ۲۔ حقوق العباد کا خیال نہ رکھنا جیسے کسی کا حق ادا نہ کرنا۔ یا بے وجہ کسی کو تکلیف وایذا پہنچانا۔ دل آزاری کرنا وغیرہ۔ یہ گناہ توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ یہ اسی صورت میں معاف ہو سکتے ہیں، جب وہ شخص معاف کردے جس کو ایذا دی گئی یا جس کا حق مارا گیا۔ نیز ایسے افعال قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا اور فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی

ہے۔ اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، غصہ کرنا، تمسخر اڑانا، رذیل اخلاق اور خسارے کا باعث ہیں۔ ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔

مشرکین مکہ اس عادت بد میں مبتلا تھے خاص طور پر ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریق، امیہ بن خلف وغیرہ۔ یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ہنسانے کے لئے قریب و دور لوگوں کی نماز اور عبادت کی نقلیں اتارتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔ سو اس سورت میں بڑے پر اثر الفاظ میں اخلاق رذیلہ کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر اس شخص کے لئے بڑی ہلاکت اور تباہی ہے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب جوئی کرنے والا ہو۔ یہ بری عادت جو کافروں میں رائج تھی اب مسلمانوں نے اختیار کر لی ہے۔ اب دوسروں پر طعن و تشنیع کرنا، ان کا تمسخر اڑانا اور لوگوں کی دل آزاری کرنا عام ہے۔

پھر فرمایا کہ ایسا بد باطن اور کمینہ خصلت آدمی جو حرص اور لالچ کی بناء پر مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں کوئی پیسہ کم نہ ہو جائے، نہ بھلائی کے کام میں خرچ کرتا ہے اور نہ زکوٰۃ و خیرات کرتا ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا۔ وہ دولت مند ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرے گا اور نہ قیامت میں اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ (حقانی ۳۷۹، ۳۸۰/۵)

بہز بن حکم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی۔

(ابوداؤد ۳/۳۲۵، رقم ۴۹۹۰، ترمذی ۳/۱۳۲، رقم ۲۳۲۲، مستدرک ۱/۱۰۸، رقم ۱۳۲)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کا اپنے بھائی کے متعلق ایسی باتیں بیان کرنا جو اسے ناگوار ہوں۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اگر اس میں واقعی وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم جو کچھ کہتے ہو اگر وہ واقعی اس میں موجود ہے تو یہ غیبت ہوگی اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو جو تم کہہ رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا۔

(مسلم ۲/۱۸۱، رقم ۲۵۸۹، ترمذی ۳/۳۷۵، رقم ۱۹۳۱، ابوداؤد ۴/۲۹۰، رقم ۴۸۷۴)

اللہ کی سلگائی ہوئی آگ

۴ تا ۹ـ كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

ہرگز نہیں! وہ تو حطمہ (روندنے والی) میں پھینکا جائے گا اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی دہکائی ہوئی ایک آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ اس میں بند کئے جائیں گے۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں ہوں گے۔

لَيُنْبَذَنَّ: اس کو ضرور پھینکا جائے گا۔ نَبْذٌ سے مضارع مجہول۔

حُطَمَةِ: توڑ پھوڑ دینے والی، روندنے والی، جہنم کے ایک طبقے کا نام۔ حَطْمٌ سے مبالغہ۔

مُوْقَدَةُ: بھڑکائی ہوئی، دہکائی ہوئی۔ اِیْقَادٌ سے اسم مفعول۔

مُؤْصَدَةٌ: بند کی ہوئی۔ اِیْصَادٌ سے اسم مفعول۔

عَمَدٍ: ستون، کھمبے۔ واحد عَمُوْدٌ۔

مُمَدَّدَةٍ: طویل کی ہوئی، کھینچی ہوئی۔

تشریح: دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں۔ ایک اہل ایمان جو مال اور متاع دنیا سے محبت نہیں رکھتے بلکہ مال و متاع کو طاعت الٰہی میں صرف کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہو۔ دوسرے کفار و مشرکین ہیں جو آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے دنیا کی زندگی کو اختیار کیا۔ وہ اس کے سوا کسی اور زندگی کے قائل نہیں اسی لئے وہ دنیاوی مال و متاع پر جان دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا یہ خیال کہ وہ ہمیشہ اسی دنیا میں رہے گا محض حماقت اور غفلت ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ پھر اس کو اس کی حرص و طمع اور بداعمالیوں کے وبال میں چورا چورا کر دینے والی حطمہ (بھڑکتی ہوئی آگ) میں جھونک دیا جائے گا۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ حطمہ کیسی شدید اور ہولناک چیز ہے۔ اس کی

سورۃ الفیل

وجہ تسمیہ: اس میں اصحاب فیل کا واقعہ مذکور ہے۔ اس لئے اس کا نام الفیل ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات، ۲۰ کلمات اور ۹۶ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکی ہے۔ اس میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سال کعبہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیجے جو ان پر کنکریاں مارتے تھے، جس سے وہ چوپایوں کے چبائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گئے تھے۔ سورۂ فیل کے نزول کے وقت مکہ میں اصحاب فیل کا واقعہ دیکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے، اور بعض کنکریاں بھی بعض صحابہ کے پاس موجود تھیں۔ خطیب نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی باقی نہ تھا جس نے ہاتھیوں کے قائد اور سائس کو اندھا دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مدت تک ان دونوں کو اسی حالت پر زندہ رکھا۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰ / ج ۳۰ ص ۳۰۹، ۱۷۰)

اصحاب فیل کا انجام

۱-۵۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو ناکام نہیں بنایا اور ان پر پرندوں کے غول بھیج دیئے جو ان پر کنکریلی پتھریاں پھینک رہے تھے۔ سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

اَلْفِيْلُ: ہاتھی۔ اسم جنس ہے۔

کَیْدَھُمْ: خفیہ تدبیر، مکر، فریب۔ مصدر ہے و اسم۔

تَضْلِیْلٍ: گمراہ کرنا، بے راہ کرنا، بہکانا۔ مصدر ہے۔

اَبَابِیْلَ: غول کے غول (پرندوں کے)، جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

سِجِّیْلٍ: کنکر، آگ میں پکی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے کنکر، سنگ گل سے معرب۔

عَصْفٍ: بھوسا، چھلکا۔ واحد عصفۃ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کا کیا حشر کیا جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لیکر بیت اللہ پر حملے کے لئے آرہے تھے تاکہ ہاتھیوں کی مدد سے بیت اللہ کو منہدم کر دیں سو آپ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہی کیا جائے گا جو اصحاب فیل کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں اصحاب الفیل سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ ضحاک نے کہا کہ ابرہہ کے ساتھ آٹھ ہاتھی تھے۔ بعض نے کہا کہ ۱۳ ہاتھی تھے اور ان میں سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ واقعہ فیل ۲۳ محرم کو اتوار کے دن ہوا بعض علماء نے اس کو متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔ اس سال واقعہ فیل کے تقریباً دو ماہ بعد ربیع الاول کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ چال اور تدبیر جو انہوں نے بیت اللہ کو ڈھانے کے لئے کی تھی ناکام اور باطل کر دی، اور ان کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ ہر شخص پر ظاہر ہو گیا کہ وہ گمراہ اور خطاوار تھے۔ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیئے جو ان پر جہنم کی کنکریاں مار رہے تھے۔ یہ کنکریاں کھنگر کی بنی ہوئی تھیں یعنی جو مٹی آگ میں پک کر کھنگر بن جائے یہ کنکریاں اس کھنگر کی بنی ہوئی تھیں۔ پرندوں کا ایک غول پتھریاں مارتا ہوا چلا جاتا تھا تو دوسرا آ جاتا تھا۔ یہ کنکریاں اصحاب فیل پر گولیوں کی طرح برس رہی تھیں۔ جس شخص پر کنکری گرتی اس کے جسم سے پار ہو جاتی تھی اور وہ اپنی حسرتوں کو ساتھ لے کر واصل جہنم ہو جاتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح چورا چورا کر دیا، جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد کچھ پراگندہ اور منتشر اجزا چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ غلاف کی طرح جو چھلکا گیہوں کے دانے پر ہوتا ہے وہ عصف ہے اور ماکول سے مراد جانوروں کا کھایا ہوا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو معمولی پرندوں اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ہلاک کر کے نشان عبرت بنا دیا (مظہری ۳۳۱،۳۳۵/۱۰)

واقعے کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

اصحاب فیل کا واقعہ: یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا۔ ابن کثیر نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یمن پر قوم حمیر کا قبضہ تھا اور ان کا آخری بادشاہ ذونواس تھا جو یہودی ہو گیا تھا۔ پھر قیصر روم کے حکم پر شاہ حبشہ نے اپنا عظیم لشکر دو امیروں اریاط اور ابو یکسوم ابرہہ بن الصباح حبشی کی قیادت میں یمن بھیج دیا جس نے پورے یمن کو قوم حمیر سے آزاد کرا لیا۔ ذونواس نے شکست کھائی اور فرار ہوتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا اس طرح یمن کی بادشاہت اریاط اور ابرہہ میں مشترک ہو گئی۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں میں اختلاف ہوا اور مقابلے میں اریاط ہلاک ہو گیا اور شاہ حبشہ نے ابرہہ کو یمن کا گورنر مقرر کر دیا۔

یمن اور دیگر ممالک کے لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ابرہہ نہایت بد باطن اور کمینہ خصلت تھا۔ اس نے بیت اللہ کی رونق کم کرنے کے لئے یمن کے دارالخلافہ صنعاء میں ایک عالیشان کنیسہ تعمیر کیا اور مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اب کوئی بیت اللہ کے حج کے لئے نہ جائے بلکہ اس کنیسہ کا حج کرے جو مسیح کے نام سے ہے۔ اس اعلان سے عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ادھر قریش کے ایک مسافر قبیلے نے کنیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی جو تیز ہوا کے سبب اڑ کر کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچا۔ اطلاع ملتے ہی ابرہہ غیظ و غضب سے بھڑک اٹھا اور اس نے قسم کھائی کہ میں فوج کشی کر کے ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ پھر وہ ایک عظیم لشکر لے کر جس میں نو یا تیرہ ہاتھی تھے بیت اللہ کے انہدام کے لئے روانہ ہو گیا۔

عربوں کو جب حملے کی خبر ملی تو پورا عرب مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ چونکہ عربوں میں اتفاق و اتحاد نہ تھا اس لئے ہر قبیلے نے تنہا مقابلے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پہلے ذونفر نامی سردار نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر قبیلہ خثعم سے مقابلہ ہوا اور وہ بھی شکست کھا گئے۔ پھر وہ مکہ کے قریب مقام مغمس میں پہنچ گیا۔ یہاں قریش کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے

حملہ کرنے کے وقت پکڑ لئے تھے۔ ان میں دو سو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب
رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری مکہ میں بھیجا تاکہ وہ قریش کے
سرداروں کو مطلع کردے کہ بادشاہ تم سے جنگ کرنے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد صرف کعبہ ڈھانا
ہے۔ اگر تم روکو گے تو لڑائی ہوگی اور تم سب مارے جاؤ گے۔ حناطہ نے مکہ پہنچ کر عبدالمطلب کو
ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے حناطہ کو جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا ارادہ نہیں
رکھتے کیونکہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن یہ سن لو کہ یہ اللہ کا گھر ہے
اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ وہ خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر اللہ
سے جنگ کا ارادہ ہے تو پھر جو چاہو کرو اور دیکھو اللہ کیا معاملہ کرتا ہے۔

حناطہ عبدالمطلب کو ساتھ لیکر ابرہہ کے پاس آیا۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعے بات
کی تو عبدالمطلب نے کہا کہ میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ بادشاہ کے لشکریوں نے جو میرے دو
سو اونٹ پکڑ لئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ یہ سن کر ابرہہ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔
آپ صرف اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے کعبہ کو
ڈھانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ آپ نے اس کے متعلق کوئی بات
نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال
کیا۔ بیت اللہ کا مالک رب جلیل ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا تمہارا خدا
اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

عبدالمطلب اونٹ لیکر واپس آ گئے اور اہل قریش کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں
کی چوٹیوں پر پھیل جائیں اور خود بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہو گئے۔
قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کے
لئے اپنے عظیم الشان ہاتھی محمود کو تیار کیا جو سب سے بڑا تھا۔ جسامت اور قوت کے اعتبار سے اس
کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی۔ محمود کسی طرح بھی مکہ کی طرف چلنے پر راضی نہ ہوا تو انہوں نے اس کو
چھوڑ دیا۔ وہ لشکر سے علیحدہ ہو کر سوال تک آوازیں نکالتا ہوا دوسری سمت میں چل دیا۔ پھر انہوں
نے دوسرے ہاتھی کو تیار کیا۔ وہ حرکت کرکے چلنے پر تیار ہوا ہی تھا کہ عذاب الٰہی آ گیا اور سمندر کی
طرف سے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیئے۔ ان

پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں ایک چونچ میں دو پنجوں میں یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں۔ ایک غول کے بعد دوسرا غول آتا تھا اور کنکریاں پھینکتا تھا۔ یہ عجیب و غریب پرندے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے کبوتر سے چھوٹے تھے اور ان کے پنجے سرخ تھے۔ کنکری جس پر پڑتی تھی خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف وہ ہاتھی رہ گیا جو محمود کے بعد حملے کے لئے آمادہ ہوا تھا۔ یہ ہاتھی کنکری لگنے سے ہلاک ہوا، بہت سے لوگ تو اسی وقت مر گئے باقی مختلف اطراف میں بھاگتے ہوئے راستے میں مر مر کر گرتے گئے۔ اور بہت سے لوگوں کے اعضا ایک ایک کر کے گل گل کر گرتے گئے اور مرتے گئے۔ ابرہہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اس کے اعضا بھی ایک ایک کر کے گلنا شروع ہوئے یہاں تک کہ بلاد خثعم میں پہنچ کر مر گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ۵۴۹۔۴/۵۵۲۔ ابن ہشام ۶۱،۶۰/۱، زرقانی ۸۳۔۸۸/۱، تفسیر مظہری ۳۳۲/۱۰)

سورۃ القریش

وجہ تسمیہ: اس سورت میں قریش کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام القریش ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیات ۱۷ کلمات اور ۷۳ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ اس سورت میں قریش پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کا ذکر ہے کہ ان کے لئے اللہ نے تجارتی سفر آسان اور محفوظ بنا دیئے تھے۔ اس انعام کے شکر میں ان کو اللہ پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرنی چاہئے تھی مگر وہ اپنے کفر وشرک پر ہی قائم رہے۔

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ فیل میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص انعام واکرام کا ذکر تھا کہ اس نے اہل مکہ کو ابرہہ کے حملے سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا۔ اہل مکہ کی یہ حفاظت اس بنا پر تھی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی ہونے والا تھا۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید انعام یہ کیا کہ ان کے لئے تجارتی سفر محفوظ بنا دیئے اس لئے کفر وشرک چھوڑ کر ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہئے۔

اہل مکہ پر اللہ کے انعامات

۱۔۴۔　لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

اس لئے کہ مانوس رکھا قریش کو سردی اور گرمی کے سفر سے، ان کو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور (دشمنوں کے خوف سے) امن دیا۔

اِیْلٰف:　مانوس رکھنا۔ اِلْفٌ سے اِفْعَال کا مصدر ہے۔

رِحْلَة: سفر کرنا، کوچ کرنا، کجاوہ کسنا، مصدر ہے۔

الشِّتَاء: جاڑا، موسم سرما۔ جمع اَشْتِیَة

الصَّیْف: موسم گرما۔ جمع اَصْیَاف

جُوْع: بھوک۔

تشریح: مکے میں نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تھی۔ اسی لئے وہ تجارتی سفر کے محتاج تھے اور سال بھر میں دو سفر کرتے تھے۔ سردیوں میں تجارت کے لئے یمن کی طرف جاتے تھے جو گرم ملک تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے جو سرد اور سرسبز وشاداب ملک تھا۔ دونوں جگہوں کے باشندے اور جو آبادیاں راستے میں پڑتی تھیں، سب ان کا احترام کرتے تھے اور ان کو اہل حرم اور بیت اللہ کا خادم سمجھ کر ان کی خدمت کرتے تھے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے تھے حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا لیکن کعبے کے ادب سے کوئی چور ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا اس لئے یہ لوگ بلا روک ٹوک سامان تجارت لیکر نہایت امن وسکون سے آتے جاتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا حالانکہ ان (اہل مکہ) کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ (العنکبوت ۶۷)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی انعام کو یاد دلایا ہے کہ اس نے تمہیں اسی گھر کے طفیل روزی اور امن وسکون دیا۔ لوگوں کے دل تمہاری طرف مائل کرنے کے لئے اس نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا اور تمہیں ان کی زد سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کیا۔ اس لئے تمہیں اس کا شکر اس طرح ادا کرنا چاہیے تھا کہ تم سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے جیسے ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۙ

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اس رب کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے

سورۃ الماعون

وجہ تسمیہ: اس سورت کے نام یہ ہیں۔ ارء یت الذی، الدین، الیتیم، الماعون۔ یہ سب کے سب اسی سورت میں مذکور ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں سات آیات، ۲۵ کلمات اور ۱۲۳ حروف ہیں۔ اس کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن الزبیر، عطاء اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نصف اول مکہ میں نازل ہوا اور نصف آخر مدینے میں۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ اس میں عاص بن وائل السہمی کی مذمت ہے جو نصف اول میں ہے اور آخر میں ابن ابی سلول منافق کی مذمت ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۶۸۔۳۰/۷)

فیصلے کے دن کی تکذیب

۱۔۳۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

الدّین: مذہب، جزا، بدلہ، دین، اطاعت، مصدر و اسم۔ جمع ادیان

یدُعُّ: وہ دھکے دیتا ہے۔ دعّ سے مضارع۔

یحضّ: وہ آمادہ کرتا ہے، وہ ترغیب دیتا ہے، وہ تاکید کرتا ہے۔ حضّ سے مضارع۔

تشریح: اس سورت میں کفار و منافقین کے بعض مذموم افعال کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کے دن یا دین اسلام کو جھٹلاتا ہے اور غرور تکبر کے نشے میں مست یہ سمجھتا ہے کہ نہ قیامت ہوگی، نہ انصاف ہوگا اور نہ اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یہ شخص یتیم کے ساتھ ہمدردی و غم خواری تو کیا کرتا الٹا اس پر ظلم وستم کرتا ہے اور اس کا حق مارتا ہے۔ چونکہ اس کو جزا وسزا کا یقین ہی نہیں اس لئے نہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر اپنے نفس کو ابھارتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو اس کار خیر پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ (الفجر ۱۷، ۱۸)

ظاہر ہے یتیموں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلا متفق ہیں۔ پس جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو تو گویا وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔

نماز میں غفلت کرنے والے

۴-۷۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝

سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز عاریۃً نہیں دیتے۔

سَاهُونَ: بے خبر، بھولنے والے، غافل۔ سَهْوٌ سے اسم فاعل۔ واحد سَاهِي

يُرَاءُونَ: وہ ریا کاری کرتے ہیں، وہ دکھاوا کرتے ہیں۔ مُرَاءَاةٌ سے مضارع۔

الْمَاعُونَ: برتنے کی خانگی چیزیں، معمولی چیزیں، حسن سلوک۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ الخ سے منافقوں کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے لیکن اگر مسلمان موجود نہ

سورۃ الکوثر

وجہ تسمیہ: اس میں الکوثر (ایک جنتی نہر) اور النحر (قربانی) کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الکوثر بھی ہے اور النحر بھی ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں تین آیات، دس کلمات اور ۴۲ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت عائشہ وغیرہ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ حسن، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں بے شمار مطالب اور اسرار وحکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح وبلیغ ادیب وشاعر نہ کر سکا۔ (مواہب الرحمٰن ۸ ے/۳۰)

نماز اور قربانی کی تاکید

۲۰۱۔ إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

(اے رسول) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔ سو اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

شانِ نزول: بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے کہ اچانک آپ پر کچھ غفلت طاری ہوئی۔ پھر کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ ــــ ھو الابتر پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کوثر کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت کی ایک نہر ہے جس کو عطا فرمانے کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے روز میری امت پانی پینے کے لئے آئے گی۔ اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے تاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ایک شخص کو حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار، یہ تو میرا امتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد اس نے (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالی تھیں۔

حوض کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گریں گے جو حوض کو نہر کوثر کے پانی سے بھر دیں گے۔ مسند بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ معظمہ آیا تو قریشیوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ ہم حجاج کی خدمت کرتے ہیں، بیت اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ یہ سن کر کعب نے کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی (ابن کثیر ۵۵۹/۴۔ مظہری ۱۰/۳۵۱)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ کوثر میں دنیا اور آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے۔ یعنی اس میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور نعمتیں داخل ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مشہور حوض کوثر ہے جس کے پانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حشر میں اپنی امت کو سیراب فرمائیں گے۔

صحیحین میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شب معراج میں) میں جنت میں گیا تو وہاں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے۔ میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو (اس کا پانی) خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کوثر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کھانے میں بہت لذیذ ہوں گے۔ (ابن کثیر ۳/۵۵۷)

اتنے بڑے انعام اور احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدن اور مال سے خاص اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے، نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے تاکہ اس عظیم انعام کا حق بدنی اور مالی دونوں اعتبار سے ادا ہو جائے۔ بدنی عبادات میں نماز اور مالی عبادات میں قربانی کا ایک ممتاز مقام ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے اسی لئے یہاں صرف خالص اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔

مقطوع النسل

۳۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے۔

شَانِئَكَ: تیرا دشمن۔ شَنْاٌ سے اسم فاعل۔

اَلْاَبْتَرُ: بے اولاد، بے نسل، مقطوع النسل۔ بَتْرٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کی نرینہ اولاد مرجاتی (اور کوئی لڑکا باقی نہ رہتا) تو قریش کہتے فلاں شخص کی نسل کٹ گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کی وفات ہوگئی تو عاص بن وائل نے کہا کہ محمد ﷺ کی نسل کٹ گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۲۸)

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل اندر داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات ہوگئی اور باب بنی سہم کے پاس دونوں باتیں کرنے لگے۔ قریش کے سردار اس وقت بیت اللہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص جب قریش کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگے کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا ابتر تھا (یعنی آپ ﷺ) اس زمانے میں آپ کے صاحبزادے کی وفات ہو چکی تھی جو حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ (مظہری ۱۰/۳۵۱)

تشریح: عرب میں جب کسی کی نرینہ اولاد مرجاتی تو وہ کہتے کہ یہ ابتر یعنی تنہا ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کے انتقال پر دشمنی کی وجہ سے مشرکین مکہ نے آپ کے بارے میں بھی یہی خیال کیا کہ آپ کے لڑکے تو انتقال کر گئے جن کے ذریعے دنیا میں آپ کا نام باقی رہتا، اس لئے آپ کے انتقال کے بعد آپ کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بیشک آپ کے دشمن ہی کا نام مٹنے والا ہے۔ آپ کا نام تو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی رفعت و عظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے لیکر آج تک پوری دنیا کے چپے چپے پر آپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ مساجد کے مناروں پر پکارا جاتا ہے۔ آخرت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کے مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔ اس کے برعکس عاص بن وائل اور کعب بن اشرف وغیرہ کی اولاد کہاں ہے اور ان کا خاندان کیا ہوا۔ خود ان کا نام بھی قرآنی آیات کی تفسیر کے ذیل میں محفوظ ہوگیا ورنہ آج دنیا میں ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۳۱، ابن کثیر ۴/۵۵۹)

پوجوں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی عبادت کرو گے۔

شان نزول: طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے اور جس عورت سے چاہیں گے آپ کا نکاح کر دیں گے لیکن ہمارے معبودوں کو گالیاں دینا چھوڑ دو اور ان کو برا نہ کہو۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ کریں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، آپ نے فرمایا میں دیکھ لوں میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید کی روایت بیان کی کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف آپ سے ملے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی عبادت کریں جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ اس تمام معاملے میں ہم اور آپ شریک ہو جائیں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۰/۳۵۲)۔

تشریح: مشرکین کی پیشکش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کے دین سے پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں اور ان کو صاف صاف بتا دیں کہ خواہ تم میرے معبود برحق کی عبادت کرو یا نہ کرو میں تمہارے معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ہرگز نہ پوجوں گا۔

اس سورت میں چند کلمات مکرر آئے ہیں۔ اس تکرار کو ختم کرنے کے لئے ایک تفسیر تو وہ ہے جو بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کی ہے کہ یہاں دو کلمے مکرر آئے ہیں۔ ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے کوئی تکرار نہیں۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو اب ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں اپنے اپنے طریقے پر یعنی میں اپنی توحید پر قائم رہتے ہوئے اور تم اپنے کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔

دوسری تفسیر وہ ہے جو ابن کثیر نے بیان فرمائی ہے کہ لغت میں حرف ما جس طرح اسم موصول الذی کے معنی میں آتا ہے اسی طرح کبھی مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی وہ جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اس سورت میں پہلی جگہ تو ما اسم موصول الذی کے معنی میں ہے اور دوسری جگہ ما مصدریہ ہے۔ سو لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد کے معنی

یہ ہوئے کہ جن معبودوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا اور جس معبود کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی عبادت تم نہیں کرتے۔ دوسرے جملے ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد میں حرف ما مصدریہ ہے۔ اس لئے معنی یہ ہیں کہ ہماری اور تمہاری عبادت کے طریقے بھی الگ الگ ہیں لہٰذا میں تمہاری طرز کی عبادت نہیں کر سکتا اور تم جب تک ایمان نہ لاؤ میری طرز کی عبادت نہیں کر سکتے۔ پس پہلے جملے میں معبودوں کا اختلاف ظاہر کیا ہے اور دوسرے جملے میں عبادت کے طریقے کے اختلاف کو ظاہر کیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۲۳)

علیحدہ دین

۶۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

تشریح: اے مشرکین تمہارے لئے تمہاری راہ ہے جس پر تم بھٹک رہے ہو اور جس کو تم چھوڑنے کے لئے تیار نہیں سو تم اسی پر بھٹکتے رہو۔ میرے لئے میرا راستہ ہے جس پر میں قائم ہوں۔ اور میرے رب کا پسندیدہ اور بتایا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو ترک نہیں کر سکتا۔ اس کے برعکس تمہارا طریقہ نفسانی خواہشات کا تابع ہے۔ اس لئے اس میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ
مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے تم ذمہ دار نہیں اور جو تم کرتے ہو اس کا میں ذمہ دار نہیں۔ (یونس ۴۱)

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ

ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔

(الشوریٰ ۱۵)

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام۔

سورۃ النصر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ النصر اور اذا جاء بھی کہتے ہیں۔ تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو سورۃ التودیع بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخصائص: اس میں ۳ آیت ۱۷ کلمات اور ۷۹ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور مکمل سورت نازل ہونے کے اعتبار سے یہ سب سے آخری سورت ہے۔ ابن عمر نے فرمایا کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد الیوم اکملت لکم (المائدہ ۳) نازل ہوئی۔ ان کے نزول کے بعد رسول ﷺ اس دنیا میں صرف ۸۰ دن رہے۔ ان دنوں کے بعد کلالہ (النساء ۱۷۶) نازل ہوئی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے کل پچاس دن رہ گئے تھے۔ پھر آیت واتقوا یوما ترجعون (البقرہ ۲۸۱) نازل ہوئی جس کے بعد صرف ۲۱ روز اور بقول بعض ۷ روز بعد وفات ہوئی۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۲۳، مواہب الرحمن ۴۹۳، ۴۹۲، ۳۰۰/۳۰)

سورۃ اذا زلزلت کے ذیل میں حضرت انس کی روایت سے گزر چکا کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

تکمیل بعثت

۱۔۳۔ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی اور آپ نے لوگوں کو دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے مغفرت طلب

سورۃ اللہب

وجہ تسمیہ: اس سورت کا مضمون ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ اللہب ہے۔ اس کو سورۃ تبت اور سورۃ المسد بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۷ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خوف کے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابولہب کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا۔ یہ آپ کا چچا تھا۔ اس کی کنیت ابو عتبہ تھی۔ سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ابولہب کہتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔ آپ کو سخت ایذائیں دیتا تھا اور جب آپ لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تو یہ آپ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس کی بیوی بھی آپ کی سخت دشمن تھی۔ (مواہب الرحمن ۳۰/۸۱۱،۸۱۰)

ابولہب کی بدبختی

۱۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

تَبَّتْ: وہ ہلاک ہوئی، وہ برباد ہوئی، وہ ٹوٹ گئی۔ تَبٌّ و تَبَابٌ سے ماضی۔

لَهَبٍ: آگ بھڑکنا، شعلہ، مصدر ہے۔

شان نزول: بخاری، مسلم اور احمد میں ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی۔ جب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟ سب نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں ایک عذاب شدید سے پہلے ڈراتا ہوں۔ ابولہب کہنے لگا آپ کو ہلاکت ہو کیا اسی لئے آپ نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۷/۱۰ ۱۰)

تشریح: جب ابولہب نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو مسلمانوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ

آپ اس کے لئے بد دعا فرمائیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات خود ہی فرمادی کہ ابولہب ہلاک و برباد ہو۔ پھر تَبَّ کہہ کر یہ خبر بھی دے دی کہ یہ بد دعا اس کو لگ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ چنانچہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اس کو طاعون کی گلٹی نکلی۔ مرض دوسروں کو لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو بالکل علیحدہ ایک طرف ڈال دیا اور اسی بے کسی کی حالت میں اس کو موت آگئی۔ تین روز تک اس کی لاش اسی حالت میں پڑی رہی۔ جب سڑنے لگا تو گھر والوں نے ایک گڑھا کھود کر لکڑی کے ذریعے اس کی لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور اس کو پتھروں اور مٹی سے پاٹ دیا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک روز ابولہب نے لوگوں سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہوں گے۔ پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں آیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ برباد ہو جاؤ۔ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۹/۸)۔

مال و اولاد کام نہ آنا

۳۰۲۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔

شانِ نزول: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا کہ اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد اللہ کو فدیے میں دے کر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس پر آیت مَآ اَغْنٰی عنه الخ اتری۔
(ابن کثیر ۵۶۴/۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابولہب ہلاک و برباد ہو گیا۔ کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور نہ عزت و سرداری اور نہ قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت اس کے کچھ کام آئی۔ اللہ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہا اور لوگوں نے دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ کس طرح ذلت و رسوائی اور بے کسی میں مرا۔ کوئی اس کے قریب آنے کو بھی تیار نہ تھا۔ بلاشبہ

یہ بھی اللہ کا عذاب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جس کے بارے میں فرمایا وہ بہت جلد ایسی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا جو سخت جلانے والی اور بڑے شعلے برسانے والی ہوگی۔

ربیعہ بن عباد دیلی سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، مجھے سچا جانو، مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجالاؤں جس کا حکم دیکر مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ آپ یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے تو آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو! یہ شخص تمہیں لات و عزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں کو تم سے دور کر رہا ہے اور تمہیں اپنی لائی ہوئی گمراہی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ خبردار اس کی نہ سننا اور نہ ماننا۔ (ابن کثیر ۵۹۳/۴)۔

ابولہب کی بیوی کا انجام

۴،۳۔ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اور اس کی بیوی (بھی) جو لکڑیاں اٹھا کر لانے والی ہے اس کی گردن میں کھجور کے پوست کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

حَمَّالَةَ: خوب اٹھانے والی۔ حَمْلٌ سے مبالغہ

الْحَطَبِ: لکڑی، ایندھن۔ جمع اَحْطَابٌ

جِیْدِ: گردن، جمع اَجْیَادٌ

حَبْلٌ: رسی، سلسلہ، عہد، جمع حِبَالٌ

مَسَدٍ: خوب بٹی ہوئی، مونج، کھجور کی چھال۔

تشریح: ابولہب کی بیوی جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور اللہ کے پیغمبر کی ایذا رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار رہی اسی طرح جہنم میں بھی اس کے ساتھ ہی داخل ہوگی۔ اس طرح یہ بدبخت ابولہب بھی ہلاک و برباد ہوگا اور اس کی بدنصیب بیوی بھی تباہ و برباد ہوگی۔

سورۃ الاخلاص

وجہ تسمیہ: سورۃ فاتحہ کی طرح اس کے بھی بہت سے نام ہیں۔ ان میں سے الاخلاص سب سے زیادہ مشہور ہے۔ چوں کہ اس میں توحید خالص کا بیان ہے اس لئے اسے اخلاص کہتے ہیں، دوسرے ناموں میں التفرید، التوحید، الصمد اور المعرفۃ وغیرہ ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیتیں، ۱۵ کلمات اور ۴۷ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی لیکن قتادہ وضحاک وسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن ۸۱۹/۳۰)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ قل ھو اللہ پڑھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جنت۔ (مواہب الرحمٰن ۸۲۳/۳۰)

حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اتنی طاقت کس کو ہے۔ آپ نے فرمایا سنو قل ھو اللہ احد تہائی قرآن ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۶/۴)

واحد وصمد ذات

۴-۱۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

الصَّمَدُ: بے نیاز، بے احتیاج، جو کھانا نہ چاہتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔

كُفُوًا: مرتبے میں برابر، ہمسر، مثل۔

شانِ نزول: امام احمد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر اور حاکم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب سے روایت کی کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (حقانی ۵/۵۱۸)۔

بغوی نے ضحاک، قتادہ اور مقاتل کے حوالے سے لکھا کہ کچھ یہودی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے رب کی صفات بیان کیجئے ممکن ہے ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ نے توریت میں اپنے احوال بیان کر دیئے ہیں اور ہمیں بتا دیا ہے کہ وہ کس چیز سے (بنا ہوا) ہے اور کھاتا پیتا ہے (یا نہیں) اور وہ کس کا وارث ہوا ہے اور کون اس کا وارث ہوگا۔ اس کے جواب میں اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی (مظہری ۱۰/۳۶۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مشرکین جو آپ سے آپ کے رب کی صفت پوچھتے ہیں تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی ذات و صفات میں واحد و احد ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہی قادرِ مطلق اور علیم و خبیر ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ وہ دلوں میں آنے والے خیالات بلکہ جو خیالات آئندہ آئیں گے وہ ان کو بھی جانتا ہے۔ کوئی بھی اس جیسا نہیں نہ اس کا کوئی ضد یا ند اور نہ شریک، نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابر اور نہ ہم جنس۔ وہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں، اپنی شرافت میں، اپنی بزرگی میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم و علم میں اور اپنی حکمت و تدبیر میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں اس لئے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک کرنا عقل و فطرت کے خلاف اور بدترین ظلم ہے۔ پس وہ اپنی ذات و صفات میں ایسا یکتا اور بے نظیر ہے کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے کوئی اولاد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کی اولاد کیسے ہوگی اور اس کے بیوی نہیں، ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ (انعام: ۱۰۱)

اور ارشاد ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝

وہ کفار کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے۔ بیشک تم تو بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ (مریم: ۸۸۔۹۲)

اس کی شان احدیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی ہمسر و برابر اور مثال و نمونہ نہ ہو جیسے ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ (الشوریٰ ۱۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا ہے اور عافیت و تندرستی عطا فرماتا ہے۔ (ابن کثیر ۴/۵۰۷)

سورۃ الفلق

وجہ تسمیہ: لفظ الفلق اس سورت کی ابتدائی آیت میں ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الفلق (صبح) ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس کی وجہ نزول یہ ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کو یوں محسوس ہونے لگ گیا تھا کہ جو کام آپ نے ابھی کیا نہیں اس کے بارے میں آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے اس کام کو کر لیا ہے۔ پھر آپ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے آپ کو اس کی خبر دی۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج کی رات مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں تین سورتیں نہ سکھاؤں کہ ان جیسی نہ توریت میں نازل ہوئیں اور نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن میں۔ وہ سورتیں یہ ہیں قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس
(ابن کثیر ۴/۵۷۲)

ہر شر سے پناہ

۵-۱ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں تمام مخلوق کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان عورتوں کے شر سے

جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

الفلق: تڑکا، صبح سویرے، علی الصبح، جمع فلوق

غاسق: اندھیری رات، تاریک رات، غسق سے اسم فاعل۔

وقب: وہ داخل ہوا، وہ چھا گیا، وہ چھپ گیا۔ وقوب سے ماضی۔

النفثت: گرہوں میں پھونکنے والیاں، خوب دم کرنے والیاں مراد جادوگر عورتیں۔ نفث سے مبالغہ، واحد نفاثۃ

العقد: گرہیں۔ واحد عقدۃ

شان نزول: بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آپ پر سحر کیا تو اس کا اثر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ کام کیا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے۔ دوسرے نے کہا کہ سحر زدہ ہیں۔ پہلے نے پوچھا کہ سحر کس نے کیا ہے۔ اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے۔ اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے۔ دوسرے نے بتایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دانوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ (چیزیں) کہاں ہیں۔ اس نے بتایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل ہوتا ہے اور بنی زریق کے کنویں ذروان میں پتھر کے نیچے مدفون ہیں۔ آپ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور ان چیزوں کو نکال لیا اور فرمایا مجھے خواب میں یہی کنواں دکھایا گیا تھا۔ اس پر یہ سورتیں نازل ہوئیں۔

آپ اس یہودی کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اس لئے آپ نے عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہیں کہا۔

تشریح: آپ کہہ دیجئے کہ میں اس رب کی پناہ میں آتا ہوں جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے اور سارے جہان پر چھا جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے۔ چونکہ خالق ہی مخلوق کے شر سے بچا سکتا ہے اس لئے میں ہر ایسی مخلوق کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہو اور جس میں کوئی برائی اور بدی ہو، اسی خالق حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔ جب ظلمت و تاریکی پھیل جائے تو میں اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کیونکہ عموماً بدکار و مفسدین، درندے، موذی جانور، ساحر،

سورۃ الناس

وجہ تسمیہ: اس کا نام سورۃ الناس ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۶ آیات، ۲۰ کلمات اور ۷۹ حروف ہیں۔ سورۃ الفلق کی طرح یہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کا شان نزول بھی وہی ہے جو سورۃ فلق کا ہے۔

جنوں اور انسانوں کے شیاطین

۱ تا ۶۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

الوسواس: وسوسہ یا خیال، وسوسۃ سے مبالغہ۔

الخناس: پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا، کھسک جانے والا، خنس سے مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ عز وجل کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک و شہنشاہ ہونے کی اور معبود و لائق عبادت ہونے کی۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں۔ اس لئے جو کوئی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو وہ اسی پاک و برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آجائے۔ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، برائیوں کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے اور اس کو بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ بچا لے۔ اس لئے انسان کو شیطان

کے شر اور بدی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ان سب سے اپنی پناہ میں رکھے۔

شیطان چونکہ نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا اور پھسلاتا ہے اس لئے اس کے وساوس بہت باریک اور مخفی ہوتے ہیں۔ وہ غفلت کا موقع تلاش کرتا ہے۔ جونہی انسان خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پھر جیسے ہی اس کی غفلت دور ہوتی ہے اور وہ اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے تو شیطان فوراً رفو چکر ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے دل میں دو خانے ہوتے ہیں۔ ایک فرشتے کا اور دوسرا شیطان کا۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل میں چبھو دیتا ہے اور اس کو بہکاتا ہے۔ (مظہری ۳۸۰، ۱۰/ ابن کثیر ۵۷۵/۴)

تمت بعون اللہ و توفیقہ، والحمد للہ علی ذالک

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ
الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ
مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ
الَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً
یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ